آیات قرآنیہ و حدیثِ نبویہ سے مرصع صحابہ کرام کے اقوال اور صالحین امت کے

آثار سے مزین "شانِ سیدنا امیر معاویہ" اور منکرینِ نعرہ تحقیق حق چار یار" کے ردِ بلیغ پر

تحقیقِ انیق

نجوم التحقیق

محقق اہل سنت شیخ الحدیث علامہ قاضی

عبد الرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم شکریال راولپنڈی



مکتبہ امام احمد رضا

آیاتِ قرآنیہ و حدیثِ نبویہ سے مرصّع صحابہ کرام کے اقوال اور صالحین امت کے
آثار سے مزین "شانِ سیدنا امیر معاویہ" اور منکرین "نعرۂ تحقیق حق چاریار" کے ردِ بلیغ پر

تحقیقِ انیق

نجوم التحقیق

محقق اہل سنت شیخ الحدیث علامہ قاضی

عبد الرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم ٹکریال راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

نام کتاب: **نجوم التحقیق**

مصنف: محقق العصر شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی حطاروی

کمپیوٹر گرافکس: حافظ محمد اسحاق ہزاروی

کمپوزر: تیمور حسین ستی، مدثر ظہیر ستی

کمپوزنگ: مہرالعلوم کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر شکریال

ناشر: مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ شکریال راولپنڈی

E.mail:Mehrul.uloom@yahoo.com

0321.5098812

ملنے کے پتے:

۱ اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی
۲ یونیورسٹی بک سینٹر اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
۳ علامہ فضل حق پبلی کیشنز لاہور
۴ مکتبہ قادریہ لاہور
۵ شبیر برادرز اردو بازار لاہور
۶ مکتبہ غوثیہ پشاور
۷ مکتبہ انوارالقرآن جامع مسجد میمن مصلح الدین گارڈن کراچی
۸ مکتبہ فیضان سنت واہ کینٹ

ضروری التماس: ادارے نے اپنی بساط کے مطابق ہر ممکنہ کوشش سے پروف ریڈنگ کی کوشش کی ہے تاہم بتقاضائے بشریت کمپوزنگ کی کوئی غلطی نظر آئے تو تحریری طور پر مطلع فرمادیں۔

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

عَرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم !

اللہ رب العزت نے اپنے رسول مکرم، جناب احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کو سید الانبیاء اور خاتم الانبیاء منتخب فرمایا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء میں سے پسند فرمایا اسی طرح آپ کے دین کو تمام ادیان پر، آپ پر نازل کردہ کتاب کو تمام آسمانی کتابوں پر، آپ کی امت کو تمام امتوں پر اور آپ کے صحابہ کرام کو تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

یہ وہ نفوس قدسیہ تھے جن کو رب تعالیٰ نے افضل الانبیاء، سید المرسلین جناب نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف عطا فرمایا۔ رب تعالیٰ نے ان پاکیزہ ہستیوں کے لئے "وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی" کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" "اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔"

حدیث پاک ملاحظہ فرمایئے:

"عن ابن مسعود قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لاتؤمن علیہ الفتنۃ اولئك اصحاب محمد ﷺ کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا فضلھم واتبعوا علی اثارھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم علی الھدی المستقیم رواہ رزین"

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم میں سے جو سیدھی راہ جانا چاہے تو وہ فوت شدہ بزرگوں کی راہ چلے اسلئے کہ زندہ فتنہ سے مامون نہیں وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ہیں، جو اس امت کے بہترین، دل کے نیک، علم کے گہرے اور تکلف میں کم تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے اور دین کو قائم رکھنے کے لئے منتخب فرمایا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو اور بقدر استطاعت ان کے نقش قدم پر چلو اور ان کے اخلاق اور سیرت کو مضبوطی سے پکڑو اسلئے کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔

یہ حدیث پاک غیر مخصوص البعض ہے۔ آیئے! مخصوص البعض حدیث پاک کو دیکھئے:

"علیکم بسنتی وسنة خلفاء الراشدین المھدیین۔" (مشکوۃ باب الاعتصام)

"تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔"

اس حدیث پاک کی وضاحت محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں دیکھئے:

"قیل ھم خلفاء الاربعة ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم۔" (مرقاۃ ج۱ ص۲۴۲)

"کہا گیا ہے وہ چار خلفاء ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم ہیں۔"

صدیق عکسِ حسنِ جمالِ محمد است
فاروق ظلِ جاہ وجلالِ محمد است
عثمان ضیائے شمع جمالِ محمد است
حیدر بہار باغِ خصالِ محمد است

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال کا عکس ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب ودبدبہ کا سایہ ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغِ نور کی کرن اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ آپ کے اخلاق حسنہ کے چمن کی بہار ہیں۔

چونکہ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ اسی نسبت کی وجہ سے دونوں کی تعظیم وتوقیر کرنا اہل سنت کا ہی طرہ امتیاز ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو آسمانِ رشد وہدایت کے ستارے قرار دیا اور اہل بیت اطہار کو سفینہ نوح سے تشبیہ دی۔ لہذا اہل سنت اہلِ بیت اطہار کی کشتی پر بیٹھ کر صحابہ کرام کو اپنی نشان منزل قرار دیتے ہیں، اسی میں ان کی فلاح مضمر ہے۔ مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ، مؤید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہلِ سنت کا ہے بیڑہ پار کہ اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پلکوں کی زینت بنا دیا جاتا اور ان

ارشادات کے سامنے گردن جھکا دی جاتی مگر ستیاناس ہو تعصب وہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، اور زبان سے سچائی کا خاتمہ کر دیتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی توفیق بندے کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان علم کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ایسی بہکی، بہکی اور بے سروپا باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے کہ سبحان اللہ! ان کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

محقق العصر، شیخ التفسیر والحدیث استاذِی المکرّم، عالم باعمل، علوم عقلیہ ونقلیہ میں ید طولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ، نڈر و بے باک "القول بالحق وان المقول له کبیر" کے مصداق بھی ہیں۔ اسی لئے آپ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی افکار کی ترجمانی فرماتے ہوئے اپنی تصنیف لطیف "**نجوم التحقیق**" (جو کہ سورۃ النساء کی آیت 137 کی تفسیر ہے) میں خلفائے راشدین، اہلِ بیت اطہار کے فضائل پر قرآن وحدیث کی روشنی میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ نیز فریقِ مخالف کی طرف سے مذعومہ ارتدادِ صحابہ کرام، خلافتِ بلافصل اور خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رطب ویابس سے لبریز تاریخ کے آئینے میں کئے جانے والے اشکالاتِ فاسدہ اور خرافاتِ خودساختہ کے مسکت جواب ارشاد فرمائے ہیں۔

قبلہ استاذِی المکرّم کے حکم کے مطابق "**فضائل صحابہ کرام واہل بیت اطہار**" پر "**انوار التحقیق**" اور افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر "**جواهر التحقیق**" انشاءاللہ عنقریب ہم اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کریں گے۔

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم کا شعبہ نشر واشاعت "**مکتبہ امام احمد رضا**" جو کہ اعلیٰ حضرت کے نظریات کا ترجمان ہے، مسلکِ حق کی ترویج واشاعت کے لئے سرگرم عمل ہے اور بہت قلیل عرصے میں بڑی سعادتوں سے بہرہ ور ہوا ہے۔

قارئین کرام! جہاں آپ اپنے والدین اور عزیز واقارب کے لئے دعا فرماتے ہیں وہاں ہمارے ادارے کی ترقی اور قبلہ استاذی المکرّم کی صحت کے لئے بھی دعا فرمائیں۔

تراب نعال علماء اهل الحق

حافظ محمد اسحاق ہزاروی

تقریظ جلیل

پاسبانِ مسلک اعلیٰ حضرت، پیر طریقت، رہبر شریعت، امیر محترم
سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ
خلیفہ مجاز بریلی شریف وصدر جماعت اہلسنت پاکستان، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے!!

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۠ ○

(سورۂ فتح، آیت ۲۹)

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل ورضا چاہتے۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے (یعنی ابتداء میں اسلام کے ماننے والے کم تھے رب کریم نے صحابہ کے ذریعے اسے طاقت دی اور اللہ ورسول ﷺ کو صحابہ کرام پیارے بھلے لگتے ہیں) تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا"۔

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مقدسہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی صفات بیان ہوئی ہیں کہ وہ آپس میں مہربان ونرم دل ہیں اور کافروں پر سخت ہیں۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ان کی صفات توریت وانجیل میں بھی مذکور ہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی راہ حق پر استقامت اور باہم خلوص ومحبت دیکھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ تو خوش ہوتے ہیں مگر کافروں کے دل جلنے کڑھنے لگتے ہیں۔ جن کے ایمان وتقویٰ کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ گواہی دی ہے اوران سے جلنے والوں کو کافر بتایا ہے۔

صحابی وہ خوش نصیب شخص ہے کہ جس نے ایمان اور ہوش کے ساتھ حضور سید عالم ﷺ کو ایک نظر دیکھا ہو یا ان کی صحبت میں رہا ہو اور ایمان پر جس کا خاتمہ ہوا ہو۔ اسلام میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بڑا رتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ہے' کوئی کتنا ہی بڑا ولی' غوث' قطب' ابدال کیوں نہ ہو کسی صحابی کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ وہ عظیم جماعت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا' ارشاد ہوا!! ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ '' اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی''۔ حضور سید عالم ﷺ نے ان کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا!! ''اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ فَبِاَیِّھِمۡ اِقۡتَدَیۡتُمۡ اِھۡتَدَیۡتُمۡ '' میرے تمام صحابہ ستاروں کی مثل ہیں تم جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پا جاؤ گے''۔ نیز ارشاد فرمایا کہ!! ''اَکۡرِمُوۡا اَصۡحَابِیۡ فَاِنَّھُمۡ خِیَارُکُمۡ '' صحابہ کی عزت کرو کہ وہ تم میں بہترین ہیں''۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان وہ مقدس افراد ہیں کہ جن کی محبت ایمان کی علامت ہے اور جن سے بعض ایمان سے محرومی کا سبب ہے ان کے درجات اور مراتب میں ضرور فرق ہے لیکن نفس صحابیت میں ان میں باہم کوئی تفریق نہیں۔ لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے کچھ سنی' حنفی بریلوی کہلانے والے' عوام نہیں علماء' بعض صحابہ کرام سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور بعض سے بغض کا اظہار کرتے ہیں خصوصاً حضرت سیدنا امیر

معاویہ اور ان کے والد حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہما پر اپنی تقاریر میں تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

اس تنقید کے بھی دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ اسلام لانے سے پہلے جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑیں یا مخالفت کی۔ اس حوالے سے ان کا تذکرہ کرنا، تو عرض ہے کہ پھر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی کیوں؟ سیف اللہ کا خطاب پانے والے حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ نے اسلام قبول کرنے سے قبل ایسی جنگوں میں حصہ لیا اور خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کہ جن کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب ہوتے، جیسی شخصیت سمیت کئی جلیل القدر صحابہ نے قبول اسلام سے قبل اسلام کی مخالفت کی، تو کیا اب بھی ان واقعات کو بیان کر کے ان پر تنقید کرنا درست ہوگا، یقیناً نہیں جب اللہ تعالیٰ نے کلمہ پڑھنے سے کفر جیسا گناہ معاف کر دیا تو کیا جنگ میں حصہ لینا، لڑنا اور مخالفت کرنا اس سے بڑے گناہ ہیں۔

تنقید کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام کے باہم اختلافات کو بیان کر کے ان میں سے ایک پر طعن کیا جائے۔ حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد گرامی ہے کہ!! "اِیَّاکُمْ وَمَاشَجَرَبَیْنَ اَصْحَابِیْ" میرے صحابہ کے آپس کے اختلافات میں خاموش رہو"

نیز فرمایا!! "اِذَاذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا" جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو زبان قابو میں رکھو"۔

اور فرمایا!! "اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَاتَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا" میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، انہیں اعتراض کا نشانہ نہ بناؤ"۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ!! "تلك دماء طهر الله عنها ايدينا فليطهر عنها السنتنا" اس خون سے

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا تو مناسب ہے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی محفوظ رکھیں"۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!!

"اہلسنت وجماعت کا مسلک یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ہمیشہ نیک الفاظ سے یاد کرنا چاہیے۔ بغض سب وشتم، اعتراضات وانکار ان کی ذات پر کرنا نامناسب ہے اور ان کے معاملہ میں کسی کی بے ادبی روا نہیں رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ان لوگوں کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ محبت نے پاک کردیا تھا۔ ان کے فضائل، مناقب اور درجات میں اکثر آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ صحابہ کرام کے بعض اختلافات یا محاربات یا اہل بیت کے حقوق میں کوتاہی اور ان کے آداب میں کمی کی روایات ملتی ہیں۔ ان سے اعراض کرنا ضروری ہے۔ اور نظرانداز کردینا چاہیے اور گفتہ ناگفتہ اور شنیدہ ناشنیدہ پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی محبت اور مجلس یقینی امر ہے۔ مگر اہل بیت کے ساتھ معاملات محض ظنی ہیں۔ اور یقین کی فضیلت کو چھوڑ کر ظن اور گمان کے اختلافات میں پڑنا درست نہیں۔"

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!!

"صحابہ کرام کے سینے آپس کے کینہ، بغض وحسد سے بالکل پاک وصاف تھے کیوں کہ قرآن کریم ان کے متعلق اس طرح صفائی بیان فرمارہا ہے" والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم "اور وہ جو رسول اللہ کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم وکرم والے" (سورۂ فتح، آیت ۲۹)

جب رب تعالیٰ ان کے متعلق اعلان فرمارہا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔

ایک مومن مسلمان، تمام صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی محبت سے سرشار ہوتا ہے،

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" خبردار ہو جاؤ!! تم میں میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی جیسی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا وہ ہلاک ہو گیا"۔(مسند احمد، مشکوٰۃ)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!!" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔ اس حدیث میں صحابہ کرام کو آسمانِ ہدایت کے ستارے فرمایا اور مذکورہ بالا حدیث میں اپنے اہل بیت کو کشتی کی مثل قرار دیا۔ گویا منزل پر پہنچنے کیلئے اہل بیت اطہار کی محبت کی کشتی میں سوار ہونا بھی ضروری ہے اور منزل کے حصول کیلئے ستاروں سے رہنمائی لینا بھی ضروری ہے۔ الحمد للہ! اہلسنّت ہی اہلِ بیت اطہار کی محبت کی کشتی میں سوار ہو کر نجومِ ہدایت یعنی صحابہ کرام سے روشنی لیتے ہوئے منزلِ مقصود حاصل کرتے ہیں۔

لہٰذا جو حضرات اس معاملہ میں بیباک ہوتے جا رہے ہیں ان سے میری گذارش ہے کہ روافض اور متعصب مؤرخین کی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے صحابہ کرام کی نفوسِ قدسیہ کی طرف نامناسب باتیں منسوب کر کے اپنے ایمان کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء میں فرماتے ہیں: جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔ (اعتقاد الاحباب، ۴۳)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اہلِ بیت اطہار کی شان میں آیات واحایث اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں احادیث مقدسہ فقیر کی کتاب" فضائل صحابہ و اہل بیت" میں دیکھی جاسکتی ہیں یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

مخدوم و محترم شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد الرزاق بھترالوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی، اللہ تعالیٰ ان کو سلامت با کرامت رکھے، انہوں نے نہایت مختصر وقت میں اس ضخیم کتاب کو لکھ کر مجھ سمیت بہت سوں کو حیران کر دیا ہے۔ تدریسی اور دیگر تصنیفی مصروفیات اور

خصوصاً تفسیر نجوم الفرقان کی تصنیف' دارالعلوم کے معاملات اس کے انتظام وانصرام کے ساتھ ساتھ اس قدر ضخیم کتاب کا اتنے مختصر وقت میں مکمل ہونا' یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کا مظہر ہے۔ اور حضور سید عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل ہے کہ!! "اِذَاظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْقَالَ بِدْعٌ وَسُبَّتْ اَصْحَابِیْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ" جب فتنے ظاہر ہوں یا بدعت کا رواج ہونے لگے اور میرے صحابہ پر دشنام طرازی ہونے لگے' پس عالم کو چاہیے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے"۔

حضرت علامہ بھتر الوی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے دلائل وبراہین سے حق کو واضح فرمادیا ہے' اب اسکو قبول کرنے میں کسی کو کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو نافع ہر خاص وعام بنائے۔ آمین

فقیر سید شاہ تراب الحق قادری
امیر جماعت اہلسنّت پاکستان، کراچی

تقریظ جلیل

استاذ العلماء، شیخ الحدیث مولانا حافظ عبد الستار سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

استاذ العلماء، فخر المدرسین، شیخ الحدیث، مفسر قرآن حضرت علامہ مولانا قاضی عبدالرزاق چشتی بھترالوی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک بلند پایہ محقق ومدرس، عالم باعمل اور سریع القلم کہنہ مشق مصنف ہیں۔ مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد علمی وتحقیقی (درسی وغیر درسی) تصانیف منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں جبکہ قرآن مجید سمیت کئی کتابیں زیرِ قلم ہیں۔

پیشِ نظر کتاب **"نجوم التحقیق"** بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں موصوف نے سورۃ النساء کی آیت **137** کی تفسیر پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے، جس کو بعض مقامات سے راقم نے پڑھا ہے۔ کتاب ہذا میں مصنف مدظلہ العالی نے مختلف تفسیری اقوال ذکر کر کے قول راجح کا انتخاب فرماتے ہوئے دلائل وبراہین سے وجوہِ ترجیح کو ذکر کیا اور اقوال مرجوحہ کے ضعف پر مدلل گفتگو فرماتے ہوئے اعتراضات واشکالات کے زوردار جوابات دیئے ہیں۔

فضائل صحابہ کرام، ان کی ترتیبِ افضلیت خصوصاً عظمت وفضیلت خلفاءِ اربعہ وترتیب خلافت، اقسام وشرائطِ خلافت اور اوصاف خلافتِ راشدہ جیسے اہم حساس موضوعات پر اہل سنت وجماعت کی کماحقہ ترجمانی کی ہے۔ نیز روافض کی طرف سے صحابہ

کرام پر ارتداد کا الزام، عقیدہ خلافت بلا فصل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر معاندانہ تنقید جیسے خرافات کا علمی محاسبہ فرماتے ہوئے ان کے استدلالاتِ فاسدہ کے دندان شکن جوابات تحریر فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مصنف مدظلہ کی مساعی جمیلہ اور علمی کاوشوں میں مزید برکتیں عطاء فرمائے۔آمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

تقریظ جلیل

استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد گل احمد خان عتیقی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ
شیخ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ' جامعہ ہجویریہ لاہور

باسمه سبحانه وتعالى حامدا مصليا مسلما:

ماضی میں ہمارے جلیل القدر ہمیں داغِ مفارقت دے کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان میں ہمارے عظیم مصنفین ان میں سے ایک نامور شخصیت بحر العلوم جامع معقول ومنقول شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا غلام رسول رضوی شارحِ بخاری مہتمم جامعہ سراجیہ فیصل آباد اعظم آباد مرحوم ومغفور بھی تھے۔ علاوہ ازیں ۲۰۱۰ء کی کثیر التصانیف شخصیت شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا فیض احمد اویسی مرحوم ومغفور کے علاوہ خصوصاً محقق اہل سنت شرف ملت ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری مرحوم کے وصال کے بعد بظاہر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ تحریری دنیا میں پیدا ہونے والا خلاء شاید کبھی پر نہ ہو سکے گا لیکن مسلکِ حق نے تا قیامِ قیامت غالب وبرقرار رہنا ہے' اس لئے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس نشر واشاعت کے کچھ نہ کچھ اسباب مہیا فرما دیتے ہیں اور اسی تائید الٰہی سے ایک طرف دعوت اسلامی کے فاضلین ومحققین بڑے منظم طریقے سے میدان عمل میں اتر پڑے اور انہوں نے ہر شعبہ اور ہر فن میں تصانیف وتحریرات کے انبار لگا دیئے اور ان کے علاوہ آصفِ وقت ترجمانِ اہلِ سنت مخدومِ ملت حضرت علامہ مولانا محمد اشرف آصف جلالی نے باطل فرق کے ہر چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان مناظرہ اور میدان تحریر میں مخالفین کے چھکے چھوڑا دیئے مگر باوجود ایں ہمہ شرف ملت کا خلاء پر ہوتا نظر نہیں آتا تھا تو اللہ کریم نے اہل سنت کی تائید ونصرت سے فخر المحققین' عمدۃ المدرسین' رئیس المفسرین فی زمانہ ترجمانِ اہلِ حق علامہ عبد الرزاق بھترالوی کی صورت میں ہمیں عظیم

محقق عطا ہوا، جو شاید شرف ملت کا نعم البدل نہ ہو لیکن بدل ضرور ہے کیونکہ آپ بھی شرف ملت کی طرح مسلک کی سربلندی کے لئے چومکھی لڑائی لڑ رہے ہیں۔

راقم کی آپ سے اس وقت سے شناسائی ہے، جب آپ اہلِ سنت کی قدیمی مرکزی درس گاہ ''حزب الاحناف لاہور'' میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ آپ کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سے نواز رکھا ہے۔ آپ نہایت سلجھے ہوئے مدرس بالغ النظر محقق اور کثیر التصانیف شخصیت ہیں۔ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ''تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان'' جس کی برکت سے آپ نے تصانیف کے انبار لگا دیئے، جس کا اظہار آپ نے خود فرمایا۔ ویسے تو آپ کی ہر تصنیف قابلِ صد ستائش اور قابل مطالعہ ہے لیکن درسی کتب پر آپکے عام فہم اردو عربی حواشی خاص کر فقہ حنفی کی مشہور و مستند اور مشکل ترین کتاب ''ہدایہ'' پر آپکے عربی حاشیہ نے علمی حلقوں میں آپکی علمی شہرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپکی تصانیف میں سے آپ کی تفسیر ''نجوم الفرقان'' آپکا عظیم علمی شاہکار ہے، جس میں آپ نے موقع محل کی مناسبت سے ٹھوس اور مدلل انداز میں مسلک حق اہل سنت و جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے نہایت محققانہ انداز میں نت نئے معرض وجود میں آنے والے فرقوں اور فتنوں کی سرکوبی بھی کی ہے اور آپکی زندگی کا مقصد وحید بھی اسلام کی سربلندی احقاق حق اور ابطال باطل ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''**نجوم التحقیق**'' بھی سورہ نساء آیت نمبر ۱۳۷ کی تفسیر کی ہے اور موقع و محل کی مناسبت کے پیش نظر یہاں متعدد مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔

آپ کا انداز تحریر نہایت عام فہم، محققانہ، مدللانہ، مدبرانہ، ناصحانہ، غیر معاندانہ اور غیر جارحانہ ہے۔ جس کا مقصد مخالف کو زچ اور خاموش کرانا نہیں ہوتا بلکہ دلائل کی روشنی سے دعوت حق دے کر گمراہی کے دلدل میں پھنستے ہوئے بے راہ رو کو راہ راست پر لا کر اس کی عاقبت کو سنوارنا ہوتا ہے اس موقع پر اگر یہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا کہ ''مشک آں باشد کہ خود

بوید نہ کہ عطار بگوید۔" اسلاف کے ساتھ عقیدت ومحبت مسلکِ حق اہل سنت کے ساتھ وابستگی عقائد ونظریات میں پختگی، متانت، سنجیدگی آپ کا طرہ امتیاز ہے۔

موجودہ دور میں اگر کسی کو کچھ لکھنا پڑھنا آجائے تو وہ یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ "ہمچوں ما دیگرے نیست۔" یہ سمجھتے ہوئے وہ اسلاف سے کٹ کر اور اہل سنت سے ہٹ کر اپنی دنیا علیحدہ بسانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح وہ ایک نئے فرقے بالفاظِ دیگر ایک نئے فتنے کا موجد بننے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

آپ نے سخنِ اولین میں اسلاف کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:

"میرے عقائد ونظریات وہی ہیں جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی تشریحات بیان فرمائی ہیں۔"

اور عقائد ونظریات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔ خلفاء راشدین کے فضائل پہلے ہی اسی ترتیب پر تھے جس پر قدرتی طور پر ان کی خلافت کی ترتیب بھی قائم ہوگی۔"

فاضلِ محترم نے جس عقیدہ کا ذکر کیا، اہل سنت وجماعت کا یہی اجماعی عقیدہ اور کتب عقائد کے متون وشروح سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ موجودہ دور کے فتنوں میں سے یہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے کہ حضرت علی مولا مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی آڑ میں تنقیصِ شانِ صدیقی کی جارہی ہے اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان میں آنے والی درجنوں آیات اور متعدد احادیث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ کہا جارہا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں صرف ایک حدیث ہے، وہ بھی معارضے سے خالی نہیں اور دوسری طرف حضرت مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان بیان کرنے کے لئے موضوع احادیث کا سہارا لیا جارہا ہے اور اس انداز سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا

تذکرہ کیا جاتا ہے، جس سے واضح طور پر شانِ صدیقی کی تنقیص معلوم ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ:

''خلافت کے لئے افضل ہونا کوئی ضروری نہیں خلافت کے لئے ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو عمر رسیدہ اور بردبار ہو۔''

واضح ہوا اس قسم کے باطل نظریات کی تردید فوری طور پر اشد ضروری تھی۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر ''**نجوم التحقیق**'' کی فوری اشاعت ضروری تھی، اس لئے فاضلِ اجل نے دیگر تصانیف کی اشاعت کو مؤخر کرتے ہوئے ''**نجوم التحقیق**'' کی اشاعت کو مقدم رکھا۔ اللھم زد فزد ۔ اللہ تعالیٰ بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم موصوف کی عمر دراز فرمائے اور انہیں دینِ متین کی خدمت کی مزید توفیق عنایت فرمائے اور اس پرفتن دور میں ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے آخرت میں آپ ﷺ کی شفاعت نصیب فرماتے ہوئے اپنے دیدار سے نوازے۔

حررہ

مفتی محمد گل احمد خان عتیقی

خادمُ الحدیث جامعہ ہجویریہ دربار داتا صاحب لاہور

خادمُ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج عقب دربار داتا صاحب لاہور

15/06/2011

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن اولین

میرے عقائد ونظریات وہی ہیں جو اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی تشریحات بیان فرمائی ہیں۔ ابتداء تعلیم سے لے کر آج تک اسی مسلک پر قائم ہوں' اللہ تعالیٰ اسی پر قائم رکھے' اسی پر قائم رہتے ہی ان شاء اللہ خاتمہ بالایمان نصیب ہوتا ہے۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔ خلفاء راشدین کے فضائل پہلے ہی اسی ترتیب پر تھے جس پر قدرتی طور پر ان کی خلافت کی ترتیب بھی قائم ہوگئی۔ اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان' حضرت ہندہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم نجباء صحابہ سے ہیں۔ میں کسی صحابی کو کم درجہ یا زمین کی طرح پست نہیں کہتا بلکہ سب کو آسمانِ رشد کے روشن ستارے مانتا ہوں' البتہ بعض کی بعض پر فضیلت ضرور مانتا ہوں' کسی کو دوسرے سے سفل درجہ دے کر صحابی کی توہین کا مرتکب نہیں ہوتا۔ یہ سبق مجھے رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے ملا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' (سورۃ البقرہ ۲:۲۵۳) "یہ رسول ہیں فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر۔"

رب تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے بعض کو بعض سے پست کیا۔ اگر کوئی شخص کسی نبی کا اسم گرامی ذکر کر کے یہ کہے "فلاں نبی تو زمین ہے" اور دوسرے نبی کا نام لے کر کہے "وہ تو آسمان ہے" تو جس نبی کو زمین کہا' اس کی شان میں گستاخی کی گئی' اور یہی سبق مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ملا:

"عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی عن اختلاف حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ

اصحابی من بعدی فأوحی الی یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ شئ مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی قال وقال رسول الله ﷺ اصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم"۔

(رواہ رزین، مشکوۃ مناقب الصحابہ ص ۵۵۴)

میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے میرے بعد اختلاف کے بارے میں پوچھا تو رب تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ اے محمد ﷺ! بیشک تیرے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں، جس طرح وہ بعض دوسرے بعض سے قوی ہیں، اور ہر ایک کو نور حاصل ہے جس نے ان کے اختلاف میں سے کسی پر بھی عمل کیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جن کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔"

نتیجہ واضح ہے:

سب صحابہ ستاروں کی طرح نورانی ہیں کوئی پست نہیں البتہ بعض بعض سے قوی ہیں، ستاروں کی راہنمائی حاصل نہ کرنے والا بھی بھٹکا ہوا ہے، اور اہل بیت اطہار سے محبت نہ کرنے والا، ان کی محبت کی کشتی میں نہ بیٹھنے والا بھی بھٹکا ہوا ہے۔

"عن أبی ذر أنه قال وهو آخذ بباب الکعبة سمعت النبی ﷺ یقول الا ان مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلك"۔

(رواہ احمد، مشکوۃ باب مناقب اہل بیت)

"حضرت ابوذر نے کعبہ شریف کے دروازہ کو پکڑ کر کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا خبردار بیشک تم میں میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات حاصل کر گیا اور جو اس میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔"

کیا خوب کہا علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے:

"نحن معاشر اهل السنة بحمد الله ركبنا سفينة محبة اهل البيت واهتدينا بنجم هدى اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فنرجوا النجاة من اهوال القيامة ودركات الجحيم والهداية الى ما يوجب درجات الجنان والنعيم المقيم"۔

(مرقاۃ فی شرح الحدیث المذکور)

''ہم اہل سنت بحمد اللہ محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار ہیں اور صحابہ کرام کی ہدایت کے ستاروں سے ہدایت حاصل کر رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہمیں قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے تمام طبقات سے نجات حاصل ہو گی اور ایسے راستے کی ہدایت حاصل ہو گی جو ہمیں جنت اور نعیم مقیم میں پہنچا دے گی۔''

یہی میرا عقیدہ ہے:

صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی محبت میرا جزء ایمان ہے ایسی شانِ صحابہ بھی نہیں بیان کرتا کہ مجھے کوئی خارجی سمجھنے لگے اور ایسی شان اہل بیت بھی نہیں بیان کرتا کہ مجھے رافضی سمجھا جائے۔ کسی اور صحابی کا تقابلی طور پر ذکر نہ کرنا صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش کرنا بغضِ معاویہ کی غماضی کرتا ہے تمام خلفاء راشدین کی خلافت کی ترتیب کو برحق مانتا ہوں اس قول کو غلط مانتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ بلافصل مقرر فرمایا اس لئے اہل سنت کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ کوئی خلیفہ بلافصل نہیں۔ نجم الملۃ والدین عمر بن محمد بن نسفی متوفی ۵۳۷ھ اپنی کتاب ''عقائد نسفیہ'' میں فرماتے ہیں:

"افضل البشر بعد نبينا ابوبكر الصديق ثم عمر فاروق ثم عثمان ذوالنورين ثم على المرتضى"

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ کے بعد یا یہ کہیں سب انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر علی المرتضی

(رضی اللہ عنہم) ہیں۔"

علامہ نسفی خلفاء راشدین کی خلافت کے متعلق فرماتے ہیں:

"وخلافتهم ثابتة على هذا الترتيب يعني ان الخلافة بعد رسول الله ﷺ لأبي بكر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لعلي" (رضی الله عنهم)

"بیشک خلافت رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کیلئے اسی ترتیب مذکور کے مطابق ثابت برحق ہے۔"

مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف:

اہل تشیع کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر کر دیا تھا' اس میں ان کے اس عقیدہ پر ان کی اذان بہت واضح طور پر دلالت کر رہی ہے جس میں انہوں نے یہ الفاظ شامل کر رکھے ہیں:

"اشهد ان امير المؤمنين امام المتقين علي ولي الله وصي رسول الله خليفة بلا فصل"

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اجماع امت سے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور خلیفہ بلا فصل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو خلیفہ بلا فصل نہیں نامزد کیا' البتہ نبی کریم ﷺ کی احادیث سے آپ کے خلیفہ اول ہونے کے اشارات ملتے ہیں۔(زیادہ تفصیل راقم کی نجوم الفرقان کے حصہ دوم میں دیکھئے)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ سوم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم ہیں ان کی خلافت بالترتیب کا حق ہونے کا ثبوت موجود ہے' جو عقائد نسفیہ سے نقل کر دیا گیا' عقائد نسفیہ کی شرح کا نام ہی "شرح عقائد" ہے' جسے پڑھا اور پڑھایا' انہی عقائد پر بفضلہ تعالیٰ قائم ہوں۔

اہل تشیع کے نزدیک پہلے تین خلفاء کی خلافت ناحق ہے کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی وصیت پر عمل نہیں کیا' اس طرح انہوں نے ظالمانہ طریقے سے خلافت حاصل

کی، گویا کہ تینوں خلفاء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حق چھین لیا۔ جھگڑا اس بات میں ہے کیا چار خلفاء اپنے اپنے وقت پر حق پر تھے یا تین کی خلافت باطل تھی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل نہ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق چھین لیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل اہل تشیع بھی نہیں کہتے وہ تو حسین حسین کہتے ہیں، حسن حسن نہیں کہتے کیونکہ وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے اس لئے ناراض ہیں کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی، کاش کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نظر آتا۔

"ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین"۔
(رواہ البخاری عن ابی بکرۃ، مشکوۃ باب مناقب اہل البیت)

''بیشک یہ میرا بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ نعرہ تحقیق کا جواب ''حق چار یار'' دینا، اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے یہی میرا عقیدہ ہے، کیونکہ اس میں اہل تشیع کا رد ہے، جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل مقرر کر رکھا ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک یہ جواب درست نہیں، اس لئے کہ ''حق چار یار'' کہنے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

"حدثنا محمد بن المسکین ثنا محمد الفریابی قال سمعت سفیان یقول من زعم ان علیا رضی الله عنه کان أحق بالولایة فقد اخطأ ابا بکر وعمر والمهاجرین والانصار وما أراه یرتفع له مع هذا عمل الی السماء"۔
(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۱ باب فی التفضیل)

''حضرت سفیان فرماتے ہیں: جس شخص نے یہ گمان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ولایت کے زیادہ حق دار تھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے تو اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو خطاء کا مرتکب ٹھہرایا اور تمام مہاجرین وانصار کو خطاء وار کہا اور میں ان کے عمل کو آسمان کی طرف اٹھتا ہوا نہیں دیکھتا''۔

یعنی ان کا عمل درجہ قبولیت میں نہیں آئے گا کیونکہ اجماع امت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا گیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنے پر صحابہ کرام کا اعتراض نہ کرنا اجماع سکوتی ہے' یعنی آپ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہے۔

''حق چار یار'' کا یہ مطلب ہی نہیں کہ صرف چار یاروں کی خلافت حق ہے باقیوں کی خلافت باطل ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چار یاروں کی خلافت کی ترتیب حق ہے' کہ وہ اپنے اپنے وقت میں چار خلیفہ برحق ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل نہیں۔

رافضیوں کا ''نعرہ تحقیق'' کا جواب ''حق چار یار'' سے منع کرنا اسی وجہ سے ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل ثابت کرنا چاہتے ہیں' جو اس نعرہ سے ان کیلئے مشکل ہے۔ اہل تشیع کی اختراعی صورت کی کوئی حقیقت نہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر ''حق چار یار'' سے خلافت مراد لیتے ہو تو ''حق پانچ یار'' کہو کیونکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی حق ہے۔ آیئے! حدیث پاک دیکھئے جس میں پانچ کا ذکر ہے جن کا عادل ہونا مشہور ہے' اس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو شامل نہیں کیا گیا۔

''حدثنا یحیی بن فارسی ثنا قبیصة ثنا عباد السماك قال سمعت سفیان یقول الخلفاء خمسة ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وعمر بن عبد العزیز''۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۱ باب التفضیل)

''عباد سماک کہتے ہیں: میں نے سفیان رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ خلفاء پانچ ہیں ابوبکر' اور عمر' اور عثمان' اور علی اور عمر بن عبد العزیز''۔ (رضی اللہ عنہم)

اگرچہ اس حدیث پاک سے پانچ خلفاء تو سمجھ آئے لیکن ''حق چار یار'' میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نہیں آئے' ان کو کسی نے خلیفہ بلا فصل نہیں کہا' اور وہ تابعی ہیں' وہ میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار نہیں' بلکہ وہ یاروں کے یار ہیں۔ یار تو خاص دوست اور مددگار کو کہا جاتا ہے' اس لئے حدیث مذکور بالا کو دیکھ کر نعرہ تحقیق کا جواب ''حق پانچ یار'' نہیں دیا جائے گا۔

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو میرے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابنی'' (میرا بیٹا) کہا ''یار'' نہیں کہا وہ تو سات آٹھ سال کی عمر میں تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا وہ نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اس لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی آڑ میں یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ''نعرہ تحقیق'' کا جواب ''حق پانچ یار'' دو۔

شیعہ حضرات کا دوسرا اختراعی قول یہ ہے کہ یا ''نعرہ تحقیق'' کے جواب میں ''سب یار کہو'' کیونکہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ کرام حق پر تھے' باطل پر نہیں تھے۔ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں' اس لئے کہ جھگڑا اس بات کا نہیں کہ صحابہ کرام حق پر تھے یا باطل پر تھے کہ ''حق چار یار'' کہا جائے تو باقیوں کا ناحق ہونا ثابت ہوگا۔ جھگڑا اس بات کا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل تھے اور باقی تین خلفاء کی خلافت باطل تھی یا کہ چار خلفاء راشدین کی خلافت حق تھی۔

اہل سنت ''نعرہ تحقیق'' کا جواب ''حق چار یار'' دے کر ثابت کرتے ہیں کہ چار خلفاء راشدین کی خلافت حق پر تھی۔رافضی ''نعرہ تحقیق'' کا جواب ''حق سب یار'' دے کر اصل اختلاف سے سادہ عوام کو پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شیعہ حضرات کا تیسرا اختراعی قول یہ ہے کہ ''نعرہ تحقیق'' نئی ایجاد ہے باقی نعرے قدیم ہیں۔ان کا یہ قول بھی لغو اور باطل ہے آج کل کے مروج نعرے سب نئی ایجاد ہیں' سب ہی بدعات حسنہ ہیں۔صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین کے زمانہ میں بلکہ تیرھویں صدی ہجری سے پہلے کس زمانہ میں یہ نعرہ تھا کہ ایک ایک شخص کہے ''نعرہ تکبیر'' دوسرے لوگ جواب دیں ''اللہ اکبر'' اور ایک کہے ''نعرہ رسالت'' تو دوسرے کہیں ''یا رسول اللہ'' اور ایک کہے ''نعرہ حیدری'' تو دوسرے کہیں ''یا علی'' اور ایک کہے ''نعرہ غوثیہ'' تو دوسرے کہے ''یا غوث اعظم''۔

جب سب نعرے نئی ایجاد ہیں' بدعات حسنہ ہیں تو اسی طرح ''نعرہ تحقیق'' بھی بدعت حسنہ ہے۔اصل وجہ وہی ہے کہ شیعہ حضرات ''نعرہ تحقیق'' کا جواب ''حق چار یار'' دینے سے منع کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کرنا ثابت کرنا چاہتے ہیں ورنہ خود

کتنی بدعات پر عمل کر رہے ہیں۔

''حق چار یار'' کی بات قدیم بزرگان دین سے آرہی ہے' اس سے پھیرنے کی کوشش دراصل نئی ہے۔

ہاں! ہاں! میرا عقیدہ وہی ہے جو سلف صالحین کا ہے:

بندہ پروردگارم امت احمد نبی
دوست دار چہار یارم تابع اولاد علی
مذہب حنیفہ دارم ملت حضرت خلیل
خاکپائے غوث اعظم زیر سایہ ہر ولی

میں رب تعالیٰ کا بندہ ہوں' نبی کریم ﷺ احمد مجتبیٰ ﷺ کا امتی ہوں' چار یاروں کو میں دوست رکھتا ہوں' اولادِ علی رضی اللہ عنہ کا تابع' حنفی مذہب رکھتا ہوں' حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ملت پر ہوں' حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کی خاک ہوں' ہر ولی کے سایہ کے نیچے ہوں۔

میں نے دینی تعلیم کو شروع کیا تو پہلے سال ہی پند نامہ عطار پڑھا۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آنکہ شد یارش ابوبکر وعمر
از سر انگشت اوشق قمر
یکے اورا رفیق غار بود
واں دگر لشکر کش ابرار بود
صاحبش بودند عثمان و علی
بہر آن گشتند درعالم ولی
آں یکے کان حیاء وحلم بود
واں دگر باب مدینہ علم بود

آں رسول حق خیر الناس بود
عم پاکش حمزہ عباس بود
ہر دم از ما صد درود وصد سلام
بر رسول و آل و اصحابش تمام

ترجمہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہوئے' آپ کی انگلی کے کنارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ وہ پہلے آپ کے غار کے ساتھی ہوئے' اور دوسرے مسلمانوں کے ایک لشکر کے قائد ہوئے۔ آپ کے یار عثمان وعلی رضی اللہ عنہما ہوئے آپ جہاں میں مددگار ہوئے' وہ ایک حیاء اور بردباری کی کان تھے' اور وہ دوسرے علم کے شہر کے دروازہ تھے۔ وہ رسول حق سب لوگوں سے بہتر ہیں' آپ کے چچا پاک حمزہ وعباس ہیں' ہر دم ہماری طرف سے سو درود وسلام ہوں' رسول اللہ پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر۔

''چار یاروں'' کا ذکر شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ یہ نئی ایجاد نہیں' بلکہ اس سے روکنا نئی کوشش ہے' پھر آپ نے دو پاک چچا یعنی ایمان لانے والے آپ کے دو ہی چچا تھے جن کا علیحدہ ذکر کیا' وہ صحابہ کرام تو تھے لیکن ان کو چچا کہا ''یار'' نہیں کہا۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت مولٰینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شرح المطالب فی مبحث ابی طالب'' میں نے چھپوا دی' اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور ''حق چار یار'':

آپ سے جب ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ ''زائرین فرید فرید کیوں پکارتے ہیں' اللہ اللہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرت نے فرمایا: عرس کے موقعہ پر زائرین کا پورا نعرہ یہ ہوتا ہے:

اللہ محمد چار یار
حاجی خواجہ قطب فرید

(مہر منیر ص ۴۳۱)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور "چار یار":

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
ترے غلاموں کا نقش قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے
جناں بنے گی محبانِ چار یار کی قبر
جو اپنے سینے میں یہ چار باغ لے کے چلے

(حدائق بخشش دوم ص ۵۱، فرید بک سٹال لاہور)

ان مندرجہ بالا مضامین کو میں نے اپنی نجوم الفرقان پارہ پانچ سورۃ نساء کی آیۃ ۱۳۷ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا" کے تحت شامل کیا' کیونکہ اس کی تفسیر میں شیعہ حضرات نے تین صحابہ کرام کے سواسب کو مرتد کہا۔ (العیاذ باللہ) کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل نہیں بنایا۔

پھر اہل تشیع زیادہ ہی حضرت ابوسفیان، حضرت ہندہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھال رہے تھے اور نعرہ تحقیق کی مخالفت میں زیادہ زور لگا رہے تھے تو اس وجہ سے ان مضامین کو ذکر کیا گیا' اگرچہ بحث طویل ہو گئی لیکن شیعہ حضرات کی یلغار اور پکار نے مجبور کیا' پھر دو آیات کریمہ بھی مدنظر تھیں:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ○	"اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہاں پر فضل کرنے والا ہے۔"
(سورہ البقرہ ۲:۲۵۱)	(کنزالایمان)
وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ	"اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

(سورۃ الحج ۱۷:۴۰)

سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جائیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے اور بیشک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کے مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قدرت والا غالب ہے۔" (کنز الایمان)

نوٹ:

جن مضامین کا میں نے ذکر کیا ہے کہ وہ میں نے نجوم الفرقان میں سورۃ نساء کی آیۃ ۱۳۷ کے تحت ذکر کئے ہیں ان کو تحریر کئے ہوئے تقریباً دو سال ہو چکے ہیں' کیونکہ اب تک بفضلہٖ تعالیٰ آٹھ پارے مکمل کر چکا ہوں۔

نجوم الفرقان کی طباعت میں تاخیر اس لئے ہو گئی کہ ہدایہ کا عربی حاشیہ "الجواہر السنائیۃ" کے نام سے میں نے بفضلہٖ تعالیٰ مکمل کر لیا ہے اس کی طباعت کو پہلے ترجیح دی گئی؛ جس کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ارادہ تو یہی تھا کہ یہ مضامین نجوم الفرقان میں ہی چھپیں کچھ بزرگوں اور دوستوں کے مطالبہ پر ان کو علیحدہ بھی کتابی شکل میں چھاپنے کا ارادہ کر لیا ہے؛ جس کا نام "**نجوم التحقیق**" منتخب کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والے اپنی عزت بھی گنوا بیٹھے اور مسلک حق کو بھی بہت نقصان پہنچایا' شیعہ کے نظریات کی پرچار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو فائدہ عطا فرمائے' وہ نہ بہکیں' نہ بگیں بلکہ مسلک حق پر قائم رہیں۔

ابھی مندرجہ ذیل مضامین پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہے:

{۱} حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضیلت حاصل ہے تمام انسانوں پر سوائے انبیاء کرام کے یا صرف فضیلت حاصل ہے۔

۲ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضیلت پر اجماع امت ہے یا نہیں؟ اجماع کیا ہے؟ اجماع کی کتنی قسمیں ہیں؟

۳ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضیلت دس صدیوں کے بعد راتوں رات گھڑ لی گئی؟ یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ بلکہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے فضیلت حاصل تھی۔

۴ کسی ولی کو نبی کے مقابل پیش کرنا کہ فلاں ولی نے اتنے لوگوں کو کلمہ پڑھایا کہ اتنے لوگوں کو کلمہ کسی نبی نے بھی نہیں پڑھایا بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اتنے لوگوں کو ایماندار نہیں بنایا۔ (معاذ اللہ)
اس تقابلی بیہودہ قول کا کیا حکم ہے؟ ایسا شخص کیا مومن بھی رہتا ہے؟ ایسے قول والے کے بارے میں علماء حق کیا کہتے ہیں؟

۵ امام مہدی کے آنے والی روایات کس درجہ کی ہیں؟ کیا یہ کہنا کہ امام مہدی اسلام پھیلائیں گے کوئی کافر نہیں رہے گا یہ کام تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کر سکے؟ یہ کہنے والا کیا صرف گنہگار ہے یا ایمان سے خارج ہے۔ اس میں علماء محققین کی آراء حاصل کر کے ہی ان شاء اللہ قلم اٹھایا جائے گا؟ بشرطیکہ یہ کام کسی اور بزرگ نے بغیر بکواس بازی کے مسائل کی حد تک نہ لکھا ہو۔

۶ اہل بیت صرف حضرت علی؟ حضرت فاطمہ؟ حضرت امام حسن؟ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم) ہیں یا اور بھی ہیں۔

۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا کعبہ شریف میں پیدا ہوئے یا نہیں؟ اگر پیدا ہوئے تو کعبہ شریف میں پیدا ہونا کیا زمانہ جاہلیت کی رسم ہے یا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان ہے؟ کیا کعبہ شریف میں تولد کعبہ شریف کی توہین ہے یا نہیں؟ کعبہ شریف کو خون آلود کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا کعبہ شریف میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے یا

کوئی اور بھی۔

اس طرح کے کئی مسائل جو اہل بیت کی شان بیان کرنے کی آڑ میں پیش کر رہے ہیں ان کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کاش کہ علماء اہل سنت سنجیدگی سے بغیر طیش میں آئے بغیر بکواس لکھنے کے ان مسائل پر کام کریں۔

راقم نے تصنیف کا کام ۱۹۸۷ء میں سب سے پہلے ''تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان'' سے شروع کیا اسی کی برکت کی وجہ سے تصنیف کا کام اتنا کیا جو میرے اپنے تصور سے بھی بالاتر ہے۔ میری کتاب ''شمع ہدایت'' جو میری دوسری تصنیف ہے اور میری ''نجوم الفرقان'' میں جا بجا آپ کو شان صحابہ کرام اور شان اہل بیت اظہار نظر آئے گی۔

اگر تمام میرے اقتباس ان کتب سے نکال کر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ ''**نجوم التحقیق**'' بھی میرے خیال میں چار سو صفحات کے قریب بنے گی جس کی کتابت کا کام جاری ہے جو جلد ہی ان شاء اللہ منظر عام پر آ جائے گی۔

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی

28.4.2011

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ۝ (سورۃ النساء آیہ ۱۳۷)

۱ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے اللہ ہرگز نہ انہیں بخشے نہ انہیں راہ دکھائے۔ (کنزالایمان)

۲ بیشک وہ جنہوں نے ایمان لایا پھر کفر کیا' پھر ایمان لایا پھر کفر کیا' پھر بڑھے کفر میں' نہ ہی اللہ ان کی بخشش کرے گا اور نہ ہی ہدایت دے گا راہ کی۔ (نجوم الفرقان)

ماقبل سے تعلق:

پچھلی آیۃ کریمہ میں ایمان اور کفر کا ذکر کیا۔ اس آیۃ کریمہ میں ایمان کے بعد کفر اور کفر کے بعد ایمان اور کفر میں اور ہی زیادہ بڑھنے کا ذکر کیا۔

آیۃ کریمہ کے مطلب میں مختلف اقوال ہیں:

لیکن سب سے زیادہ صحیح اور معتبر قول جس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی اس کے جواب کی ضرورت ہے۔ آیئے! وہ قول علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں دیکھئے:

"ان المراد منه الذين يتكرر منهم الكفر بعد الايمان مرات و كرات فان ذلك يدل على أنه لا وقع للايمان فى قلوبهم ورتبة فى قلوبهم لما تركوه بأدنى سبب ومن لايكون للايمان فى قلبه وقع فالظاهر أنه لايؤمن بالله ايمانا صحيحا معتبرا فهذا هو المراد بقوله (لم يكن الله ليغفرلهم) و ليس المراد أنه لوأتى بالايمان الصحيح لم

"بیشک مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو بار بار ایمان کے بعد کفر کرتے ہیں اور بار بار دعوی بھی کرتے ہیں' ان کا یہ فعل اور یہ طریقہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان نہ واقع ہوا' نہ ہی قائم رہا۔ اگر ان کے دلوں میں ایمان اثر کرتا تو وہ ادنی سبب سے ایمان کو نہ چھوڑتے' جب ان کے دلوں میں ایمان اثر انداز ہی ہوا تو ظاہر بات ہے ان

یکن معتبرا بل المراد منہ الاستبعاد ولاستغراب علی الوجہ الذی ذکرناہ"۔

(کبیرج٦جزء١٢ص٧٨)

کے دلوں میں ایمان صحیح طور پر اور معتبر طریقہ سے آیا ہی نہیں، یعنی ان کا ایمان صرف زبانی تھا دلی ایمان نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد (لم یکن اللہ لیغفرلھم) کا یہی مطلب ہے کہ جب ایمان صحیح اور ایمان معتبر ہے ہی نہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں بخشا، یہ مراد ہی نہیں کہ جس کا ایمان معتبر ہو اسے رب تعالیٰ نے نہیں بخشا۔"

دوسرے اقوال:

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا، پھر بچھڑے کی پوجا کر کے کفر کیا، پھر توراۃ پر ایمان لائے پھر عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کیا پھر وہ لوگ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام سے کفر کر کے کفر میں اور زیادہ بڑھے۔

ایک اور قول اس میں یہ ہے کہ اس سے مراد تمام اہل کتاب ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے انبیاء کرام پر ایمان لایا پھر ان سے ہی کفر کیا، پھر کتاب پر ایمان لایا، پھر اس کے بعض احکام کا انکار کر کے کفر کیا پھر نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کر کے اور زیادہ کفر میں بڑھے۔

ایک اور قول اس میں یہ بیان کیا گیا کہ اس سے مراد مرتد ہیں کہ ایمان لایا پھر مرتد ہو گئے پھر ایمان لایا پھر مرتد ہو گئے:

"حکی عن علی رضی اللہ عنہ أنہ لا یقبل توبۃ مثل ھذا لقولہ تعالیٰ" (لم یکن اللہ یغفر لھم)

(مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ)

"اس قسم کے تمام لوگوں کی توبہ قبول نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ان کی بخشش نہیں کرنی، یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت اور آپ سے اس کی حکایت غلط ہے یا آپ کے قول میں ضعف ہے یا اس کی تاویل یہ کہ وہ جب تک اس حال سے نہیں پھریں گے توان کی توبہ قبول نہیں۔

اعتراض:

"ان الاجماع انعقد علی قبول توبته"

"اجماع منعقد ہے کہ ہر فاسق اور ہر کافر کی توبہ قبول ہے۔"

صرف اس وقت توبہ قبول نہیں جب غرغرہ کی حالت ہو یعنی موت کی کشمکش میں ہو جان حلقوم میں ہو تو کیسے کہنا صحیح ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں؟

جواب نمبر ۱:

"قال مجاهد معنی قوله تعالی (ثم ازدادوا كفرا) الی ماتوا علیه"

"مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: کہ اللہ تعالی کے ارشاد گرامی "ثم ازدادوا کفرا" (پھر وہ کفر میں بڑھے) کا مطلب یہ کہ پھر ان کی موت کفر پر آ گئی، جس کی موت کفر پر آ گئی تو یقینی بات ہے کہ اللہ نے اس کی بخشش نہیں کرنی۔"

جواب نمبر ۲:

"و قیل قوله تعالی (لم یکن الله لیغفر لهم ولا لیهدیهم سبیلا) انه لیستبعد منهم ان یتوبوا من الکفر و یثبتوا علی الایمان فأنه ران علی قلوبهم بکفرهم و عمیت ابصارهم عن الحق"

"اللہ تعالی کے ارشاد گرامی (لم یکن لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی توفیق سے محروم ہوں گے تو وہ کفر سے توبہ کرنے سے ہی دور ہو جائیں گے، یعنی انہوں نے توبہ ہی نہیں کرنی، اور ایمان پر قائم رہنے سے ہی دور ہو

جائیں گے کیونکہ ان کے دل زنگ آلود ہو جائیں گے، اوران کی نظریں حق دیکھنے سے اندھی ہو جائیں گی۔ (ماخوذ از تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ج۲، ۲۶۲)

فائدہ:

آیۃ کریمہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ کفر زیادتی کو قبول کرتا ہے کیونکہ واضح طور پر بیان کیا "ثم ازدادوا کفرا" تقریبا مطلوب یہی ہے کہ "پھران کا کفر زیادہ ہوا" اسی طرح یہ بھی پتہ چل گیا کہ ایمان ضد ہے کفر کی۔ جب ایک ضد میں زیادتی اور کمی پائی جاسکتی ہے تو دوسری ضد میں بھی زیادتی و کمی پائی جاسکتی ہے، یعنی ایمان میں بھی زیادتی کمی پائی جاسکتی ہے، اور رب تعالی کا ارشاد گرامی بھی واضح طور پر دلالت کررہا ہے "فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا"۔

زیادتی کفر کی چند وجوہ:

۱. ان کی موت کفر پر آئی، تو اسی کو زیادتی کفر سے تعبیر کر دیا۔

۲. کہ وہ حالت کفر میں گنا کر کے زیادتی کفر کا سبب بنے لیکن یہ اسی وقت ثابت ہو سکے گا کہ کفر کی حالت میں گناہ کفر کی زیادتی کے سبب بننے کو اہل علم تسلیم کرلیں۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ ثابت ہو جائے گا کہ ایمان کی حالت میں طاعات زیادتی ایمان کا سبب ہیں۔

راقم کے نزدیک قوی صورت یہ ہے کہ کافر کبھی ایک آیۃ کا انکار کرتے اور کبھی دوسری آیۃ کا۔ کبھی ایک حکم کا اور کبھی دوسرے حکم کا، اس طرح وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ ایمان والے جب کوئی آیۃ نازل ہوتی اس پر ایمان لائے، پھر اور نازل ہوتی تو پھر اس پر ایمان لے آتے اس طرح ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی رہی۔

۳. ان کا یہ قول "إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ" (سوائے اس کے نہیں کہ ہم تو ان سے مزاح اڑاتے ہیں) کفر کی زیادتی کا سبب بنا:

" و ذلك يدل على ان الاستهزاء بالدين "اسی سے مسئلہ کھل کر سامنے آگیا کہ دین سے

اعظم درجات الکفر وأقوی مراتبہ" (ماخوذاز کبیر ج٦ جزء١٢ص ٧٨'٧٩)

مزاح اڑاتا کفر کا سب سے بڑا درجہ ہے اور کفر کا سب سے قوی مرتبہ ہے۔"

گذشتہ سے پیوستہ:

اس آیت کریمہ میں شیعہ حضرات کا مذہب دیکھئے کہ صحابہ کرام کی شان میں انہوں نے کیا کیا گستاخیاں کیں۔

آیئے! آنے والے مضمون کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں:

اگر شان صحابہ اس انداز پر بیان کریں جس سے اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخی لازم آئے تو وہ شان صحابہ مردود ہے۔

اگر شان اہل بیت اسی انداز سے بیان کریں جس سے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی لازم آئے تو وہ شان اہل بیت اطہار بھی مردود ہے۔

ہاں! اگر شان صحابہ کرام وشان اہل بیت اطہار میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے مدارج ومراتب پر رکھیں تو یہ ایمان ہے۔

مدعیانِ محبتِ اہل بیت کی شان صحابہ کرام میں گستاخی:

آیئے! شیعہ حضرات کی معتبر کتب سے چند مثالیں بطور نمونہ دیکھیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں:

صحابہ کرام مرتد ہیں (معاذ اللہ):

یہ شیعہ کا مذہب ہے۔

عن أبی عبدالله علیه السلام فی قول الله عزوجل (ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا) "قال نزلت فی فلان وفلان آمنوا بالنبی ﷺ

"(ان الذین آمنوا ثم کفروا) یہ آیت فلاں فلاں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے نبی کریم اور ان کی آل پر ایمان لایا پھر جب نبی علیہ الصلوۃ وآلہ نے ان پر

وآله و کفروا حیث عرضت علیهم الولایة حین قال النبی ﷺ وآله من کنت مولاه فهذا علی مولاه ثم آمنوا بالبیعة لأمیر المؤمنین علیه السلام ثم کفروا حیث مضی رسول الله ﷺ فلم یقروا بالبیعة ثم ازدادوا کفراً بأخذهم من بایعه لهم فهؤلاء لم یبق فیهم من الایمان شئ"۔

(صافی شرح اصول کافی ص ۹۸ کتاب الحجہ جزء سوم حصہ ۲)

ان الفاظ سے "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" (جس کا میں مولی ہوں علی اس کے مولی ہیں) ولایت امیر المومنین کو پیش کیا تو کافر ہو گئے پھر امیر المومنین کی بیعت کر کے ایمان لے آئے، پھر رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بیعت پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے کافر ہو گئے پھر ان کا کفر اور زیادہ ہو گیا جب انہوں نے ان لوگوں سے اپنے لئے بیعت لے لی جنہوں نے امیر المومنین کی بیعت کر لی تھی یہاں تک کہ ان کا ایمان ذرا بھی باقی نہ رہا۔"

عبارت کی شرح "صافی" میں دیکھیں:

کہ فلاں فلاں فلاں سے مراد کون ہیں؟ صافی میں ہے۔ "ایں آیت نازل شد در ابوبکر و عمر و عثمان"۔

ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) شیعہ کی نظر میں مرتد ہیں:

"معاذ اللہ" کہ یہ آیت ابوبکر و عمر و عثمان کے حق میں نازل ہوئی یعنی تینوں حضرات معاذ اللہ مرتد ہو گئے۔

کئی صحابہ مرتد ہو گئے شیعہ کی ترقی:

اس کے بعد صافی میں ہی اسی مقام پر ہے کہ کچھ صحابہ (کرام) معاذ اللہ مرتد ہو گئے اور کچھ گمراہ ہو گئے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے والے تو تمام ہی صحابہ کرام تھے۔ اس لئے ان حضرات کے قول کے مطابق کوئی صحابی گمراہی سے نہ بچ

سکا صافی کی عبارت یہ ہے:

''بعض تابعان ایشاں وہر کدام در باطن مؤمن بود مرتد شد مثل اکثر تابعان ائمہ ضلالت''

''بعض ان کی (ابو بکر وعمر وعثمان) تابعداری کرنے والے جو باطن میں مومن تھے وہ مرتد ہو گئے اور اکثر ان گمراہ اماموں کی تابعداری کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔''

اسی طرح اصول کافی کے اسی باب میں مندرجہ بالا مضمون سے آگے یہ ذکر ہے:

"(ان الذین ارتدوا علی ادبارھم من بعد ما تبین لھم الھدی) فلان وفلان وفلان ارتدوا عن الایمان فی ترک ولایۃ امیر المؤمنین"

''اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''ان الذین ارتدوا'' سے مراد فلاں، فلاں، فلاں ہیں جو امیر المومنین کی ولایت کو چھوڑنے کی وجہ سے ایمان سے مرتد ہو گئے۔''

اس پر شرح صافی کی یہ عبارت دیکھیں:

''امام گفت مراد عثمان وابوسفیان ومعاویہ است بر گشتند از ایمان در مجلس منافقان سبب ترک ولایت امیر المومنین علیہ السلام۔''

''امام نے کہا: اس سے مراد (یعنی فلاں، فلاں، فلاں) سے مراد عثمان و ابو سفیان و معاویہ ہیں جو امیر المومنین کی ولایت کو ترک کرنے کی وجہ سے ایمان سے دور ہو گئے اور منافقوں کی جماعت میں آگئے۔''

سوائے تین کے سب مہاجرین وانصار مرتد ہو گئے، معاذ اللہ:

رافضیوں کی معتبر کتب کی عبارات کو دیکھیں:

"المھاجرون والانصار ذھبوا الیہ واشار بیدہ ثلاثۃ"

(اصول کافی کتاب الایمان باب فی قلۃ عدد المومنین)

''سوائے تین کے تمام مہاجرین وانصار (صحابہ) ایمان سے دور ہو گئے یہ ہاتھ کے اشارے سے حضرت جعفر نے بتایا۔''

"عن سدید عن ابی جعفر علیه السلام قال کان الناس اهل الردة بعد النبی ﷺ الا ثلاثة فقلت من الثلاثة فقال المقداد بن الأسود وابو ذر الغفاری وسلمان الفارسی۔"

(معرفت اخبار الرجال ص ۴، بحوالہ تحفہ شیعہ ص ۶۵)

''سدید کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں: سب لوگ نبی کریم ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد سوائے تین کے مرتد ہو گئے، میں نے کہا کہ وہ تین کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا مقداد ابن اسود، ابو ذر غفاری اور سلمان فارسی۔''

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو دل سے نہیں مانا:

"فلما نزلت الولایة واخذ رسول الله ﷺ المیثاق علیهم لأمیر المؤمنین علیه السلام آمنوا اقراراً لا تصدیقا فلما مضی رسول الله ﷺ وآله کفروا وارتدوا کفرا۔"

(تفسیر قمی جلد اول ص ۱۵۶)

''جب ولایت کا حکم آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان (صحابہ) سے امیر المومنین علی علیہ السلام کیلئے وعدہ لیا انہوں نے صرف زبانی اقرار کیا لیکن دل سے تسلیم نہیں کیا، پھر جب رسول اللہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ کافر ہو گئے اور ان کا کفر زیادہ شدید ہو گیا۔''

صحابہ وعدہ خلاف اور لعنت کے مستحق ''معاذ اللہ''

"فبما نقضهم میثاقهم لعناهم" یعنی نقض (عهد) امیر المؤمنین علیه السلام"۔

(تفسیر قمی جلد اول ص ۱۶۳)

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہود کے بارے میں ہے کہ ان لوگوں کے وعدہ توڑنے کی وجہ سے ان پر ہماری لعنت ہے لیکن شیعہ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ صحابہ نے امیر المومنین کا وعدہ توڑا اور وہی معاذ اللہ لعنت کے مستحق ہوئے۔''

حضرت عمر اور ان کو ماننے والے کافر ہیں "معاذ اللہ"

جلاء العیون ص ۴۵ پر جو عبارت ہے اسے دیکھیں کہ صحابہ کرام کی شان میں کہاں تک گستاخیاں کی گئی ہیں کافر اور مرتد سے کم کسی فتوی پر انحصار نہیں کیا گیا' جلاء العیون میں اس طرح کہا گیا ہے:

"ای عزیز آیا بعد از این حدیث که همه عامه روایت کرده اند هیچ عاقل را مجال آں هست که شك کند در کفر کسیکه عمر را مسلمان داند"

"اے عزیز! کیا اس حدیث کے بعد (حدیث قرطاس) جس کو عام راویوں نے بیان ہے کیا کسی عاقل کیلئے یہ ممکن ہے کہ وہ عمر کے کفر یا جو شخص عمر کو مسلمان جانے اس کے کفر میں شک کرے۔"

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمان جاننے والے تمام مسلمانان عالم اہل تشیع کے نزدیک کافر ہیں کیونکہ تمام مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فقط مسلمان ہی نہیں بلکہ عظیم صحابی اور وزیر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں۔

تنبیہ: تفسیر قمی اور اصول کافی میں صحابہ کرام پر جو آیات پیش کی گئی ہیں وہ یہود و نصاری اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو صحابہ کرام پر پیش کر کے وہ لوگ تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

حدیث پاک سے غلط استدلال:

جس حدیث پاک کی وجہ سے صحابہ کرام کو مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے اس سے استدلال اور اس کے جوابات جو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں پیش کئے ہیں ان کو مختصر طور پر ذکر کیا جا رہا ہے۔

❁ حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام غدیر خم میں جلوہ افروز

ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اس وقت جتنے مسلمان حاضر تھے ان کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یا معشر المسلمین ألست أولی بکم من انفسکم قالو ابلی، قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"

"اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم پر حقدار نہیں ہوں؟ سب نے کہا: ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم تمام سے بلکہ ہماری جانوں سے بھی اولی ہیں (حقدار ہیں) آپ نے فرمایا: جس کا میں مولی ہوں اس کے علی مولی ہیں۔ اے اللہ! جو علی سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو علی سے دشمنی کرے تو بھی اسے اس کی دشمنی کا بدلہ دے۔"

اس حدیث سے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مولی کا معنی "اولی بالتصرف" ہے (یعنی تمام تصرفات کا والی ہونا) اولی بالتصرف اور ولایت ایک ہی چیز ہیں۔ لہذا واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد فرمایا اس وجہ سے جن صحابہ نے ابوبکر کی بیعت کی وہ ایمان سے پھر گئے اور ابوبکر نے جب صحابہ سے بیعت لی تو وہ بھی ایمان سے پھر گئے۔ "معاذ اللہ ثم معاذ اللہ"

<u>پہلا جواب:</u>

اہل عربیت نے "مولی" بمعنی "اولی" لینا غلط قرار دیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ کسی مادے میں اور کسی جگہ بھی "مفعل" کا وزن "افعل" کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا، البتہ ابوزید لغوی نے اسے جائز کہا ہے اور اس نے جواز پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ ابوعبیدہ نے "ھی مولاکم" کی تفسیر "اولی بکم" سے کی ہے لیکن جمہور اہل عربیت نے اس کے استدلال

اور تمسک کو غلط کہا ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص یہ کہنا چاہتا ہو کہ ''فلان اولی منک'' فلاں آدمی تم سے بہتر ہے تو چاہئے یہ کہ وہ یہ بھی کہہ سکے ''فلان مولی منک'' فلاں آدمی تم سے بہتر ہے تو حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابوعبیدہ نے یہ نہیں بیان کیا کہ ''مولی'' بمعنی ''اولی'' ہے بلکہ اس نے حاصل معنی بیان کیا ہے ''مَأْوٰاکُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلَاکُمْ'' کا مطلب یہ ہے کہ آگ تمہارا ٹھکانا ہے اور تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام ہے یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر یہاں مولی بمعنی اولی لیا جائے اور اس سے مراد والی اور خلیفہ لیا جائے تو معنی یہ ہوگا آگ تمہاری حاکم ہوگی اور والی ہوگی، حالانکہ یہ درست نہیں۔

دوسرا جواب:

اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ''مولی'' کا معنی ''اولی'' ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اولی بالتصرف ہوں گے یعنی ان کو ولایت حاصل ہوگی میرے بعد وہ میرے خلیفہ بلافصل ہوں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ محبت اور تعظیم کے لحاظ سے اولی ہیں آپ اس کے حقدار ہیں کہ آپ سے محبت کی جائے اور آپ کی تعظیم کی جائے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

''بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے۔''

یہاں بھی لفظ ''اولی'' استعمال ہوا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ابراہیم علیہ السلام اولی بالتصرف ہیں یہاں یہ مطلب ہے کہ آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کے قرب کے حقدار ہیں۔

تیسرا جواب:

لفظ مولی یا اَولیٰ سے جو ولایت سمجھ میں آ رہی ہے اس کا معنی محبت ہے کیونکہ اس کے بعد آنے والے الفاظ مبارکہ اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ مراد محبت ہی ہے نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کے الفاظ مبارکہ ایک مرتبہ پھر دیکھئے:

" اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" ''اے اللہ! جو شخص حضرت علی سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو آپ سے عداوت کرے تو بھی اسے اس کی عدوات کا بدلہ دے۔''

اگر یہاں مراد ''اولی بالتصرف'' ہوتا تو اس طرح کہا جاتا:

" اللھم وال من کان فی تصرفہ وعاد من لم یکن کذلك" ''اے اللہ! تو اس شخص سے محبت کر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے ولایت میں ہو اور اس شخص کو سزا دے جو آپ کے ولایت تصرف میں نہ ہو۔''

حالانکہ ایسا نہیں فرمایا، بلکہ واضح طور پر محبت اور عداوت کا ذکر ہے، جس سے مقصد بہت ظاہر ہے کہ مراد محبت کا ضروری ہونا اور عداوت سے بچنا ضروری ہے۔

جب ظاہر کلام سے مقصد یہی واضح ہے اگر اس کے بغیر کوئی اور مقصد نکالنے کی کوشش کی جائے تو نبی کریم ﷺ کی شان میں حرف آئے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے واجبات بلکہ مستحسنات و مستحبات بھی لوگوں کو فصیح اور بلیغ زبان میں اس طرح سمجھا دیئے کہ حاضرین نے ان کو سمجھا اور بعد میں آنے والے جو لغت عرب سے واقف ہوں وہ بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے لیکن اگر یہ اتنا اہم مسئلہ ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہو جو ظاہری الفاظ سے اس کا مقصود سمجھ نہ آسکتا ہو تو لازم یہ آئے گا کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ نے تبلیغ اور ہدایت دینے میں سستی اور لاپرواہی سے کام لیا اور فصیح و بلیغ زبان کو نہیں استعمال فرمایا۔

معلوم یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا مقصود یہی تھا جو کلام سے ظاہراً سمجھ میں آ رہا ہے۔

اور عربی زبان کے منشأ کے مطابق ہے یعنی ارشاد مصطفیٰ ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح میری محبت تم پر فرض ہے اسی طرح علی کی محبت تم پر فرض ہے اور جس طرح میرے ساتھ تمہیں عداوت رکھنا حرام ہے اسی طرح علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھنا بھی حرام ہے یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور خود اہل بیت نے بھی اس حدیث کا یہی مقصد لیا ہے۔

اس حدیث کا مطلب اہل بیت سے پوچھئے:

ابو نعیم نے حسن مثنیٰ ابن حسن السبط رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ حدیث " من کنت مولاہ " کیا ہے؟ کیا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ اس سے خلافت کا ارادہ فرماتے تو یقیناً واضح طور پر ارشاد فرماتے جس سے تمام مسلمان سمجھ جاتے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ فصیح کلام کرنے والے تھے یقیناً آپ اس طرح ارشاد فرماتے:

"یا ایھا الناس ھذا والی امری والقائم علیکم بعدی فاسمعوا له واطیعوا" "اے لوگو! یہ (علی) میرے تمام امور کے والی ہوں گے اور میرے بعد تمہارے حاکم ہوں گے تم ان کی بات کو سننا اور اطاعت کرنا۔"

اس کے بعد آپ (حسن مثنیٰ) نے فرمایا: اگر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کیلئے اختیار کیا ہوتا تو آپ پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت لازم ہوتی اور آپ کا اس امر سے پیچھے رہنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کا سبب بنتا جو بہت بڑا گناہ ہے یعنی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس سے گناہگار ہونا لازم آتا۔

اس کے بعد ایک شخص نے کہا: کیا نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا " من کنت مولاہ فعلی مولاہ " حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: یاد رکھو! خدا کی قسم اگر نبی کریم ﷺ خلافت کا ارادہ فرماتے تو آپ واضح طور پر اس طرح ارشاد فرماتے جس طرح نماز اور زکوۃ کو واضح بیان کیا یعنی

اس طرح ارشاد ہوتا:

"یا ایھا الناس ان علیا والی أمر کم من بعدی والقائم فی الناس بأمری" ''اے لوگو! بے شک علی میرے بعد تمہارے حاکم ہوں گے اور لوگوں میں میرے تمام امور کو قائم کریں گے یعنی میرے جانشین ہوں گے۔''

چوتھا جواب:

حدیث پاک سے ظاہر طور پر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ یہاں دونوں ولایتیں یعنی نبی کریم ﷺ کی ولایت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت ایک زمانے میں مجتمع ہیں کیونکہ حدیث شریف میں لفظ ''بعدی'' نہیں ہے، جس سے پتہ چلے کہ حضرت علی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی کا والی ہونا یعنی مسلمانوں کا حاکم ہونا عقلا منع ہے' البتہ اگر ولایت سے مراد محبت لی جائے تو دونوں ولایتوں کا ایک زمانہ میں جمع ہونا منع نہیں کیونکہ دونوں سے ایک زمانہ میں محبت کرنا جائز ہے لیکن دو کا ایک زمانہ میں حاکم ہونا اور امور میں تصرف کا والی ہونا' اس میں کئی خرابیاں ہیں جو محتاج بیان نہیں۔

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت فی الحال نہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہے کہ آپ خلیفہ ہوں گے تو بہت اچھی بات ہے کیونکہ اہل سنت بھی اسی کے قائل ہیں کہ آپ بعد میں خلیفہ ہوں گے لیکن اس سے خلافت بلافصل ثابت نہیں ہوسکتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص کیوں؟

نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم تھا کہ بعد میں اختلافات ہوں گے اور کئی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کریں گے' اس لئے تاکید فرمائی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا بغض وعناد نہ رکھنا جب آپ کی خلافت کا وقت آئے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنا انکار نہ کرنا۔

حدیث شریف میں واقع لفظ ''اولی'' کا مطلب:

حدیث شریف کی ابتداء میں جو لفظ اولی واقع ہے بعض حضرات نے اس کا مطلب اولی بالتصرف کیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں بلکہ اس کا معنی بھی محبت۔ مقصود کلام اس طرح ہوگا" الست أولی بالمؤمنین من انفسهم فی المحبة " کیا میں محبت میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ حقدار نہیں کیونکہ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر جہاں لفظ اولی استعمال ہے وہاں بھی محبت اور شفقت کے معنی میں لیا گیا ہے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنّٰی بنایا ہوا تھا یعنی منہ بولا بیٹا۔ لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے تو اس سے منع فرمایا کہ متبنّٰی بنانے والے کی طرف نسب منسوب نہیں ہوسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں پر باپ کی طرح شفیق بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات اہل اسلام کی مائیں ہیں نسب کے لحاظ پر انسان اپنے اقرباء کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور یہ ہی حق ہے کہ اس کو اپنے آباء واجداد کی طرف منسوب کیا جائے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے' البتہ شفقت غیر سے زیادہ ہوسکتی ہے' تعظیم کے لحاظ سے غیر اپنے آباء سے زیادہ معظم ہوسکتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے نسبی باپ نہیں لیکن باپ سے زیادہ شفیق اور باپ سے زیادہ معظم ہیں اسی مضمون کو قرآن پاک میں ان الفاظ مبارکہ سے پیش کیا گیا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ

(سورۃ الاحزاب ۶:۲۱)

''یہ نبی مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ومہربان ہیں اور آپکی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں، اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔''

اعتراض:

اگراس حدیث سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ہوتو حدیث کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے کہ محبت کرنے کا حکم قرآن پاک میں آچکا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ" "مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں' یعنی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مدد کرتے ہیں۔"

جواب:

اس آیۃ کریمہ سے اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ثابت ہو رہی ہے' لیکن وہ عام مسلمانوں کی محبت کی ضمن میں ہو رہی ہے اور حدیث پاک میں آپ کی محبت کا خصوصی حکم دیا جا رہا ہے۔ عمومی ثبوت اور خصوصی حکم میں بہت بڑا فرق ہے' جیسے کوئی شخص کہے کہ میں تمام انبیاء کرام پر ایمان رکھتا ہوں لیکن وہ خصوصی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو ذکر نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے تو اس شخص کا ایمان معتبر نہیں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے کہ میرا تمام انبیاء پر ایمان ہے۔ انبیاء کرام کے ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آ گئے لیکن خصوصی ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس شخص کا ایمان معتبر نہیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کا خصوصی حکم اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ آیۃ کریمہ سے جو مضمون سمجھ میں آ رہا ہو وہی مضمون اگر حدیث پاک سے سمجھ آ رہا ہو تو اس میں کیا حرج ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے مضامین کی وضاحت اور تاکید فرماتے ہیں۔

(ماخوذ از تحفہ اثنا عشریہ ترجمہ وترتیب از راقم)

اسی حدیث غدیر خم کے متعلق حسنی حسینی سید کے ارشادات:

سید الاولیا حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ اور آپ کے دلائل دیکھئے تاکہ آپ کسی ضال ومضل کے جال میں پھنس کر اپنی عاقبت برباد نہ کریں۔

روایت ہے کہ خم غدیر (ایک جگہ کا نام ہے جہاں پانی کا جوہڑ تھا) میں آنحضرت ﷺ بحضر کل صحابہ کرام سب کو مخاطب بنایا اور فرمایا:

" الستم تعلمون انی اولی بالمؤمنین من انفسھم " "کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایمان والوں سے بنسبت ان کے نفوس کے نزدیک تر اور دوست تر ہوں۔"

یعنی میں مومنوں کا خیر خواہ ہوں اور ان کو انہی امور کی ہدایت کرتا ہوں جو ان کیلئے موجب فلاح ونجات و بہتری ہوں۔ اس کے جواب میں سب نے عرض کیا "بلی یا رسول اللہ" یعنی یقیناً آپ صحیح فرماتے ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا گویا مجھے اس عالم میں بلایا گیا ہے اور میں نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے، جان لو کہ میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان امر چھوڑ چلا ہوں یعنی قرآن اور میرے اہل بیت۔ خبردار! ہوش کرنا اور میرے جانے کے بعد ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھنا اور یہ دونوں امر میرے بعد ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ سب حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے بعد ازاں فرمایا "میرا مولی خدائے عزوجل ہے اور میں سب مومنوں کا مولا ہوں۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

" اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ " "اے اللہ جس کا مولی میں ہوں علی بھی اس کا مولی ہے اے اللہ اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی سے عداوت رکھے۔"

ایک اور روایت میں علاوہ فرمان مذکور یہ بھی آیا ہے:

" وانصر من نصرہ واخذل من خزلہ وادر "مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور رسوا کر

الحق حیث دار" اسے جو علی کو رسوا کرے اور حق کو علی کے ساتھ رکھ یعنی جدھر علی جائے ادھر حق کو لے جا۔"

بلاشبہ اس حدیث شریف سے بدیہی طور پر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی غایت درجہ فضلیت اور تکریم ظاہر ہوتی ہے اور ہر اہل ایمان کیلئے ترغیب بھی ہے کہ وہ عترت پاک کے ساتھ اسی طرح محبت رکھے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ کہ اس پر ایمان کا دارومدار ہے۔اس کے سننے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اثنائے ملاقات کہا کہ اے ابو طالب کے بیٹے! خوش ہو اور تجھے بشارت ہو کہ تو ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کا مولی ہو گیا۔

اس حدیث شریف کی تقریب کے متعلق بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر یمن بھیجا تھا اور میں بھی اس لشکر میں تھا۔فتح کے بعد جب خمس (مال غنیمت کا وہ حصہ جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے اہل بیت وغیرہ کیلئے تھا) غنائم سے علیحدہ کیا گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قیدیوں میں سے ایک نہایت خوبصورت لونڈی لے کر اپنی صحبت میں رکھ لی۔ان کے ایسا کرنے سے میرے دل میں ان کی طرف سے کدورت اور انکار پیدا ہوا۔میں نے خالد بن ولید سے کہا: "تم نے دیکھا یہ مرد (علی) کیا کر رہا ہے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی میں نے کہا یا ابا الحسن آپ یہ کیا کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جاریہ (لونڈی) قیدیوں کے خمس (پانچویں حصہ) اور مال غنیمت میں آئی جو آنحضرت ﷺ کے حصہ میں سے علی کے حصہ میں آ گئی اور میں نے اسے اپنی صحبت میں رکھا ہے، گویا کہ آنحضرت ﷺ کے خمس ذوی القربی کے تقسیم کرنے کا اذن سیدنا علی کو حاصل تھا۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب واپسی پر میں خم غدیر میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو میں نے وہاں بھی یہ ماجرا عرض کیا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اے بریدہ شاید تو

نے علی کو دشمن جانا میں نے عرض کیا' ہاں! یارسول اللہ ﷺ اس پر آپ نے فرمایا: اے بریدہ علی کو دشمن نہ سمجھ' اور اگر پہلے اس سے کچھ محبت رکھتا ہے تو اب اس سے زیادہ محبت رکھ علی کا حصہ خمس میں سے اس لونڈی کے علاوہ اور بھی تھا۔

بریدہ رضی اللہ عنہ سے اسی واقعہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ میری بات سن کر آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اے بریدہ! علی کی طرف سے بدگمان نہ ہو" علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں (یعنی کمال اتحاد) اور وہ تمہارا مولا کیونکہ جس کا مولا میں ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔ بریدہ کہتا ہے کہ اس کے بعد مجھے سب اصحاب میں سے کسی کے ساتھ ایسا پیار نہ تھا جیسا علی سے تھا۔ (تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص۳۲،ص۳۳)

"غدیرخم" والی حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل سے کوئی تعلق نہیں:

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بریدہ اسلمی کے بیان واقعات و مبشرات اور اپنے مقام پر بیان شدہ نصوص قرآنیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ خم غدیر والی حدیث کو سیدنا علی کی خلافت بلا فصل سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اس حدیث کا یہ مطلب ہوتا تو آنحضرت ﷺ ایام مرض میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو نہ فرماتے کہ سامان کتابت لے آ کہ ابوبکر کیلئے عہد نامہ لکھ دوں تا کہ کوئی اختلاف نہ کرے جب عبدالرحمٰن نے سامان کتابت لانے کا قصد کیا تو آپ نے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکر کے بارے میں اختلاف کرنے سے انکاری ہیں۔ ایام مرض میں تین روز کی نمازیں اور بقول بعض سترہ نمازیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھائیں' جو آنحضرت ﷺ کے ارشاد مکرر اور اصرار مؤکد سے امام بنائے گئے اس پر علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا" قد ملك رسول الله فمن ذا الذی یؤخرك "یعنی تمہیں رسول اللہ ﷺ نے مقدم کیا پھر کون ہے جو تمہیں پیچھے کرے۔

حسن بصری حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا نے ابو

بکر کو مقدم کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی اور میں وہاں موجود تھا غیر حاضر نہیں تھا' میں تندرست تھا بیمار نہیں تھا کیونکہ آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا اس لئے ہم سب اپنی دنیا کیلئے بھی اس شخص پر راضی ہوئے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنی رضا سے ہمارا دینی پیشوا بنایا یعنی ہم ابو بکر کی خلافت پر راضی ہوئے۔ (ماخوذ از تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۳۴)

وہ شخص جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر ایمان نہ رکھے وہ دشمن علی رضی اللہ عنہ تو ہوسکتا ہے لیکن محب علی رضی اللہ عنہ نہیں ہوسکتا حضرت علی رضی اللہ عنہ تو یوں کہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میری موجودگی میں ہمارا دینی پیشوا بنایا تو ہم آپ کی خلافت پر بھی راضی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب واضح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے دینی خلیفہ بلافصل بھی ہیں اور سیاسی خلیفہ بلافصل بھی ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ "آپ صرف سیاسی خلیفہ بلافصل ہیں' دینی اور روحانی خلیفہ بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں" تو وہ حقیقت میں دشمن علی رضی اللہ عنہ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کے قول سے انحراف کر رہا ہے۔ محب علی رضی اللہ عنہ تو وہی ہوسکتا ہے جو آپ کے ارشاد گرامی کو تسلیم کرے' جو آپ کے ارشاد گرامی سے انحراف کرے وہ کبھی بھی آپ کی محبت کے دعوی میں سچا نہیں ہوسکتا۔ (راقم)

حدیث ثقلین کا امامیہ کو جواب:

طعنہ دینے والوں کا یہ طعنہ کہ اہل سنت و جماعت نے کبھی حدیث ثقلین پر عمل نہیں کیا۔ اور حضرات امامیہ یعنی ہم رافضی ہی اس پر عمل کر رہے ہیں۔ ان کا یہ دعوی غلط ہے' حقیقت میں معاملہ اس کے الٹ ہے کیونکہ اہل سنت نے تو اسی قرآن کو شرقاً غرباً دستور العمل بنایا ہوا ہے جو ان کے پاس ہے اور غیر محرف و کامل کلام الہی ہے، اور جس کے حق میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی "واعلموا أنه ليس على أحد بعد القرآن حجة" (نہج البلاغۃ) (جان لو کہ قرآن بعد کسی پر کوئی حجت نہیں) فرمایا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان فیصلہ کر دیتا ہے کہ حدیث ثقلین (کتاب اور اہل بیت تم

میں چھوڑ کر جا رہا ہوں) میں عترت (اہل بیت) سے تمسک سے مراد "ثقل اکبر" (قرآن پاک) ہے، جس پر اہل بیت یعنی عترت پاک رضی اللہ عنہم موجود ہوں (خدا کی طرف سے عطا کردہ) اور خداداد فہم کے مطابق عمل کرنا' اور یہ عمل خلافت راشدہ کی تیس سالہ مدت میں باتفاق رائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہوتا رہا' جس سے خدا کے پسندیدہ دین کے غلبہ کا خداوندی وعدہ بھی پورا ہوا۔ اتمام وعدہ الہیہ دربارہ تمکین دین مرتضی بھی ہوا۔

اور حدیث ثقلین کی تعمیل دربارہ تمسک بالعترۃ (اہل بیت سے تمسک) بھی ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف طاعنین کا عقیدہ ہے کہ ثقل اکبر یعنی قرآن کریم کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے غائب کر دیا تھا' اور تیسری صدی ہجری سے امام غائب علیہ السلام کے پاس غار سر من رای" (بغداد کے قریب ایک شہر ہے جسے آجکل سامرہ کہتے ہیں) میں بتایا جاتا ہے' تو ان حضرات کو تو آج تک تمسک بالقرآن نصیب ہی نہ ہوا۔

رہا تمسک بثقل اصغر یعنی اہل بیت سے تمسک تو قرآن پاک کے فقدان اور گم ہو جانے کی صورت میں (جیسے ان کا خیال ہے) وہ موہوبی فہم بھی متحقق نہ ہو سکا، جس کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا" ہم اہل بیت کے پاس خداداد فہم ہے" لہذا ان حضرات کا دعوی تمسک بالثقلین سراسر غلط اور بے معنی ہے"۔

(ماخوذ از تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۳۶ بتسہیل الالفاظ مصنفہ سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ)

اقسام خلافت:

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خلافت اور ریاست از روئے اسلام دو قسم کی ہیں۔ "خلافت عام' اور خلافت خاص"

خلافت عام کی شرائط:

﴿۱﴾ مسلمان ہونا ﴿۲﴾ عاقل ہونا ﴿۳﴾ بالغ ہونا

﴿۴﴾ حر (یعنی آزاد) ہونا ﴿۵﴾ سمع و بصر و کلام میں بے عیب ہونا۔

﴿۶﴾ کافی ہونا یعنی امور خلافت کے سرانجام دینے میں پورا ہونا۔

﴿۷﴾ مجتہد ہونا اگرچہ مستقل نہ ہو منتسب ہی سہی یعنی اچھی رائے رکھنے کی طرف منسوب ہو۔

﴿۸﴾ عادل ہونا ﴿۹﴾ قریشی ہونا

﴿۱۰﴾ کاتب ہونا۔ (یہ اختلافی شرط ہے اس میں اتفاق نہیں)

خلافت خاص کی شرائط:

اس کی شرائط میں علاوہ امور مذکورہ بالا وہ اوصاف بھی ہیں جن کی تصریح قرآن کریم میں موجود ہے۔ اسی خلافت خاصہ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ دنیا میں کچھ عرصہ نبوت و رحمت، پھر میرے بعد تیس سال خلافت و رحمت۔ اس کے بعد آمرانہ سلطنت اور پھر اس کے بعد قہر اور حدود الٰہیہ سے تجاوز ہوگا۔ خلفاء اربعہ اور سیدنا حسن علیہم الرضوان کا زمانہ تیس سال ہے جس پر خلافت و رحمت کا خاتمہ ہو گیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت کو ترک کرنا، اس وجہ سے بھی تھا کہ آپ آمرانہ بادشاہت سے بحکم "الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تصیر ملکا عضوضا" میرے بعد تیس سال خلافت ہوگی اس کے بعد یہ دانتوں سے کاٹنے والی ملوکیت ہو جائے گی۔ بچنا چاہتے تھے۔ (تصفیہ بین السنی والشیعہ ص ۷)

خلافت راشدہ کے اوصاف یہ ہیں:

﴿۱﴾ خلیفہ مہاجرین اولین سے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

"اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو باایمان ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں کہ البتہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور البتہ ان کیلئے ان کا دین جو ان کیلئے پسند فرمایا ہے محکم کرے گا اور البتہ

الْفٰسِقُوْنَ ۝ ان کے حق میں خوف کو امن سے بدل ڈالے گا' وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ مانیں گے اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا پس وہ لوگ فاسق ہیں۔"

(سورۃ النور ۱۸: ۵۵)

ارشاد باری تعالیٰ "لیستخلفنھم" میں استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، اور مہاجرین اولین میں بعض کو اپنا جانشین بنانے کا وعدہ فرمایا ہے یعنی مہاجرین اولین کو بعد از ہلاکت مشرکین خطہ عرب میں صرف جگہ دینے ہی کا نہیں بلکہ ان میں سے بعض کو خلیفہ اور بادشاہ بنانے کا وعدہ بھی فرمایا ہے، کیونکہ استخلاف کے معنی بادشاہ بنانا بھی ہے، اگر کسی گروہ میں سے ایک شخص کو بادشاہ بنا دیا جائے تو اس کا فائدہ سارے گروہ کو پہنچتا ہے، لہذا "لیستخلفن' کی نسبت ضمیر "ھم" کی جانب یعنی جملہ مہاجرین اولین کی طرف بارادہ "لیستخلفن بعضا منھم" (کہ بعض کو ان میں سے وہ خلیفہ بنائے گا) حسب محاورہ درست اور صحیح ٹھہری مثلہ فقرہ "استخلف بنو عباس" اور فقرہ "اثری بنو التمیم" میں گو بنی عباس میں سے بادشاہ اور بنی تمیم میں سے صاحب ثروت وقتاً فوقتاً ایک ہی شخص ہو مگر صورت مذکورہ میں شخصی بادشاہت اور شخصی ثروت کا فائدہ چونکہ سارے عباسی اور سارے بنی تمیم اٹھاتے ہیں لہٰذا خلافت اور ثروت کی نسبت سارے بنو عباس اور بنو تمیم کی جانب درست ٹھہری اور بلحاظ محاورہ اسی معنی ظاہری کہلانے کا استحقاق ہے نہ معنی تاویلی کمافی ازالۃ الخلفاء"۔

حق تعالیٰ جل وعلاء نے مہاجرین اولین کو وعدہ دیا کہ ان میں سے بعض یکے بعد دیگرے خلیفہ بنائے جائیں گے کیونکہ ان میں سے خلیفہ اور بادشاہ بنائے بغیر ظہور معانی تمکین واستحکام دین اسلام وتبدیلی خوف بالامن۔ محالات عادیہ سے ہے "قال صلی اللہ علیہ وسلم الأمام جنۃ

یقاتل من ورائہ" یعنی بادشاہ رعایا کے بچاؤ کیلئے سپر (ڈھال) ہے۔ یہ سب کچھ یعنی وعدہ، موعود بہ اور موعود لہم اپنی اپنی جگہ ٹھیک تھے مگر سخت دِقت (مشکل) یہ تھی کہ قبل از ظہور وتحقق کسی کو معلوم نہ تھا کہ کون کون خلیفہ ہوگا، کون پہلے ہوگا اور کون پیچھے اور ان کی مدت خلافت کتنی کتنی ہوگی۔

مُستخلف یعنی حق سبحانہ تعالیٰ چونکہ علیم وقدیر تھا۔ اس نے جب اپنا وعدہ پورا کرنا چاہا تو خلیفہ یا جماعت کے دل میں پہلے ہی یا رفتہ رفتہ الہامی طریقہ پر ڈال دیا کہ فلاں شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔ سب کو وقتاً فوقتاً اوصاف موعود بھا کے ظاہر ہونے پر صاف صاف معلوم ہو گیا کہ آیۃ استخلاف وغیرہ میں موعود لہم بالخلافۃ اور مالک اوصاف مذکورہ فی النصوص یہی حضرات اربعہ علیہم الرضوان ہیں۔ واقعات پر غور کرنے سے ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ وعدۂ استخلاف کے متحقق اور موجود ہونے کیلئے (آدم علی نبینا وعلیہم السلام کے زمانہ سے لے کر موجود زمانہ تک) کوئی اور خلافت بغیر خلافت اربعہ علیہم الرضوان مستحق نہیں۔ فتح عرب وشام اس عظیم الشان انداز میں اور تالیف واطمینان قلوب مسلمین وتمکین دین اس طریق پر ظہور میں آئیں کہ ان سے اوپر کا کوئی تصور نہیں، اور نہ ہی کسی ملت اور کسی زمانہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر موجودہ زمانہ تک اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بھی ظہور آیا ہوگا۔

(تصفیہ ما بین السنی والشیعہ ص ۴۳)

خلافت خاص کی اور شرائط یہ ہیں:

۲ خلیفہ کا مشاہد خیر مثل بدر وحدیبیہ وغیرہما کے حاضرین میں سے ہونا۔

۳ حسن عبادات الٰہیہ سے مزین ہونا۔

۴ حسن معاملات با خلق (مخلوق سے اچھے معاملات) سے مزین ہونا۔

۵ جہاد "اعداء اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرنا۔

۶ متمم افعال وموعودات نبویہ مثلاً ختم ہو جانے ملت قیصر وکسری وفتح بلدان ونشر علم کا

ہونا بھی شامل ہے۔ یہ سب اوصاف مومنین حاضرین بوقت سورۃ نور میں عموماً اور خلفاء اربعہ علیہم الرضوان میں خصوصاً بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔

پس ثابت ہوا کہ آیۃ استخلاف میں مہاجرین اولین کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ اور انہی سے وعدہ کیا گیا ہے کہ دین پسندیدہ آسمانی کا غلبہ سب ادیان پر ان ہی کے ہاتھوں ہو گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور احادیث میں ''لتفتحن'' کی پیش گوئی بھی ان ہی کے ہاتھ پر اور جن کے زمانہ میں فارس اور روم کو (باج گذاران کے اس وقت تقریباً کل اہل زمین تھے) فتح کیا گیا، اور ان کے خزائن مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں صرف یمن، تہامہ، نجد اور بعض نواح شام ہی آپ کے تصرف میں تھے' پھر خلفاء اربعہ علیہم الرضوان کی وساطت سے جو بمنزلہ جوارح نبویہ کے تھے ''لیظھرہ علی الدین کلہ'' (تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے) کا کامل ظہور ہو کر اسے آنحضرت ﷺ کے حسنات کے پلہ میں رکھا گیا۔ رفتہ رفتہ واقعات نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ اس آیۃ استخلاف اور اس قسم کی آیات مبارکہ اور پیش گوئی والی احادیث کا مصداق یہی خلفائے راشدہ تھے نہ کوئی اور ''ذالك فضل الله یؤتیه من یشاء''۔

(ماخوذ از تصفیہ مابین السنی والشیعہ مصنفہ سید الاولیا حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ ص ۹)

فائدہ جلیلہ:

حسنی و حسینی سید' سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان ''آیۃ استخلاف کے نتائج کا خلاصہ' ارشاد فرماتے ہیں:

''سورۃ النور کی آیۃ استخلاف میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوتے ہیں۔''

① ''لیستخلفنهم'' سے یہ مطلب نہیں کہ سارے مہاجرین اولین حاضرین مشاہد خیر سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تم سب کو خلیفہ بنایا جائے گا' بلکہ مراد یہ ہے کہ تم میں سے بعض کو اقامت دین الہی کیلئے خلیفہ و نائب رسول ﷺ اور صاحب تصرف عام

بنایا جائے گا، جس سے ثمرات ونتائج خلافت سب پر مرتب ہوں گے، جیسا کہ اوپر تشریحاً اور تفصیلاً لکھا گیا۔

۲ جب اللہ تعالی نے دین مرضی وپسندیدہ کی اقامت کیلئے ان حضرات کو نائب رسول ﷺ بنایا تو ان کی اطاعت اہل اسلام پر واجب ٹھہری۔

۳ اللہ تعالی نے انہیں اپنا خلیفہ بنانے کا مقصد اس طرح پورا فرمایا کہ امت موجودہ کے قلوب میں اصلاح عالم کیلئے الہامی طریق پر یہ ڈال دیا کہ فلاں شخص کو نائب رسول ﷺ واجب الاطاعۃ ٹھہرایا جائے ورنہ اسلامی سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔

۴ "لیستخلفن" میں استخلاف کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے جو خلفاء کیلئے اعلی درجہ کا شرف ہے چنانچہ الفاظ "عبادی بیت اللہ" میرے بندے اللہ کا گھر ہیں۔

"وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" "میں نے پھونکی اس میں اپنی (جانب سے) روح۔" (سورۃ ص ۲۳:۷۲)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى "لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا اور نہیں پھینکی آپ نے جب پھینکی آپ نے اور لیکن اللہ نے پھینکی۔" (سورۃ الانفال ۹:۱۷)

میں گو سب حوادث من وجہ منسوب بحق سبحانہ وتعالیٰ ہیں، مگر بعض حوادث بوجہ الہام وسبب خیر ہونے کے دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لہذا امداد غیبی وتصرف الٰہی وخرق عوائد کہلانے کا استحقاق ان ہی کیلئے ہے، کیا کہ اس خلافت کو غصب وظلم کہا جائے۔

۵ آیۃ استخلاف میں لفظ "منکم" کے مخاطب ومراد وہ لوگ ہیں جو نزول آیۃ کے وقت مشرف بایمان واعمال صالحہ تھے۔

۶ اس آیۃ میں استخلاف میں تاکیدات بلیغہ یکے بعد دیگرے کس قدر بشارت ہذا کے قطعی التحقق ہونے کا ثبوت دے رہی ہیں۔ لفظ (وعدہ) ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ بحسب

"ان الله لا یخلف المعیاد" اپنے وعدہ کوضرور پورا فرماتا ہے "لیستخلفن" "ولیمکنن" "اور" ولیبدلن " کالام قسم محذوف پر دلالت کر رہا ہے یعنی واللہ " لیستخلفنھم " مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ضرور ضرور مؤمنین اولین کو خلیفہ بناؤں گا، ان الفاظ میں نون تاکید ہے۔

(تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۱۰)

خلفائے اربعہ کو آیۃ استخلاف کا مصداق تسلیم نہ کرنے کے مفاسد:

حسنی حسینی سید، سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آیۃ استخلاف کو اگر خلفاء اربعہ علیہم الرضوان کے حق میں نہ مانا جائے تو مفاسد ذیل کا سامنا ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ تخلف در وعدۂ الٰہیہ یعنی معاذ اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے حسب اعتقاد شیعی سائر ائمہ کے ہاتھوں پر دین مرتضی وپسندیدہ کے قائم کرنے کا وعدہ فرما کر پھر اسے پورا نہ فرمایا، اور "مستخلفین" موعودین کے بجائے ظالمین اور غاصبین دین غیر مقبول کی اشاعت کرتے رہے، حالانکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ کبھی وعدۂ خداوندی خلاف واقعہ نہیں ہوتا۔

﴿۲﴾ حق سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ایسا برتاؤ کرنا جو دیگر انبیاء ومفضولین سے جائز نہیں رکھا گیا، حالانکہ "لیظھرہ علی الدین کلہ" تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ اور "انا لہ لحافظون" بے شک ہم اس کے محافظ ہیں۔ اسی دن کے غلبہ اور محفوظ رکھنے کیلئے وارد ہو چکے ہیں یعنی وفات شریف نبوی کے روز ہی قبل از تکفین وتدفین غصب وظلم شروع ہو گیا۔ (معاذ اللہ)

﴿۳﴾ حق سبحانہ وتعالیٰ کی پیشین گوئی کا مندرجہ آیۃ استخلاف میں (معاذ اللہ) جھوٹا اور کاذب ہونا لازم آئے گا۔

﴿۴﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیۃ اور تعلیمات اور آپ کی صحبت مبارک کا اس قدر بے

اثر و بے فیض ثابت ہونا کہ آپ کے فوراً بعد سوائے چند اشخاص قلیل التعداد کے آپ کے جمیع صحاب مرتد۔ (معاذ اللہ)

﴿۵﴾ اگر خلفائے ثلاثہ غاصب و ظالم ٹھہرائے جائیں تو سب روایات واردہ در مدح وثنائے مہاجرین اولین واہل بیت شجرہ وانصار جو ان خلفاء کے معاون و ناصر تھے (معاذ اللہ) بے معنی اور غلط ہوں گی اور کلام الٰہی میں تدلیس ماننا پڑے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ تدلیس سے منزہ ہے، ایسے ہی وہ آیات واحادیث جو بالخصوص شخصی طور پر فرداً فرداً ان خلفاء کے بارہ میں ہیں وہ بھی غلط ہو جائیں گی۔

(تصفیہ مابین السنی والشیعہ ۱۱)

اعتراض:

استخلاف کا معنی ایک قوم کو دوسری قوم کی جگہ بٹھانے کا ہے، جیسے ایک قرن کے لوگ مر گئے ان کے بعد دوسرے لوگ آ گئے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک شخص کو پہلے کا جانشین اور بادشاہ بنایا۔ لہٰذا آیۃ استخلاف سے خلافت خلفاء ثابت نہیں ہوتی۔

جواب:

بقول حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے استخلاف کا معنی خلیفہ بنانے کا ہے، امام بغوی اس آیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قال قتادة كما استخلف داؤد وسليمان وغيرهما من الانبياء عليهم السلام"

"جیسا کہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور دیگر انبیاء کرام نے خلفاء مقرر کئے۔"

بالفرض دوسرے معنی لئے جائیں تو بھی بلحاظ "وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم" مآل دونوں معانی کا ایک ہی ہو جاتا ہے، کیونکہ تمکین فی الارض باقامت دین بغیر اس کے مختار قوم کو امام اور والی امر مانا جائے ہو ہی نہیں سکتا۔ آیۃ "وان الله على نصرهم لقدير" نیز "وليبدلنهم من خوفهم أمنا" سے قطعاً واضح ہے کہ دین مرتضٰی و پسندیدہ کے اظہار

کے وقت خلفاء مطمئن اور با امن ہوں گے اس سارے بیان سے پھر یہ ثابت ہو گیا کہ لوگوں کا یہ کہنا کہ دین الٰہی اور دین مرتضٰی ہمیشہ مخفی رہا ہے اور اہل بیت علیہم الرضوان ہمیشہ تقیہ فرماتے رہے ہیں اور کبھی اس کے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوئے نصوص قرآنیہ کے بالکل خلاف ہے۔
(تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۱۶)

اعتراض:

جمیع امور عموماً خواہ جائز ہوں یا ناجائز بغیر ارادہ ومشیت ایزدی عز اسمہ ہرگز نہیں ہو سکتے تو باری تعالٰی کے مستخلف اور ممکن اور مبدل ہونے سے خلافت کی حقانیت بہ ترتیب کذائی کیسے ثابت ہوئی کاروائی اگر غاصبانہ ہو تو پھر بھی تو ''فعال لما یرید'' وہی ہے۔

جواب:

کہ ارادۂ الٰہیہ کا تعلق سب مکونات سے ہے، مگر یہاں پر وعدہ الٰہیہ بمقابلہ ایمان واعمال صالحہ موعود لہم اور تقید وتوصیف دین بوصف ارتضٰی لہم اور تزکیہ موعود لہم کا بقولہ تعالٰی ''یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا'' (وہ میری عبادت کرتے ہیں اور کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے) صاف بتلا رہے ہیں کہ امر استخلاف وخلافت خلفاء مراد ہونے کے علاوہ منجملہ مرضیات حق سے بھی ہیں، یعنی آیۃ استخلاف کے مصداق لوگ فقط سربراہ ہی نہیں ہوں گے بلکہ وہ امت مسلمہ کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کے نیک اور پسندیدہ بندے بھی ہوں گے جنہیں ان کے نیک عقائد واعمال کے پیش نظر یہ مقام عطا ہو گا۔
(تصفیہ مابین السنی والشیعہ تا ص ۲۱)

تمام صحابہ کرام مغفور و جنتی ہیں:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(سورۃ الحدید ۲۷:۱۰)

''تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اوران سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔'' (کنزالایمان)

"(و کلا) من الفریقین (وعد الله الحسنی) ای الجنة"

(جلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

''فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والوں سے ہر ایک فریق سے رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔''

(الحسنی) کا معنی ''جنت'' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے اور حضرت عطا نے بھی یہی معنی لیا ہے (کمالین) راقم کے نزدیک اس پر اجماع امت ہے۔

اس آیۃ کریمہ کے بعد بھی کوئی یہ کہے گا ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی علیحدہ مرفوع حدیث دکھاؤ۔'' راقم نے تو قرآن پاک کی آیۃ کریمہ سے ثابت کردیا ہے کہ ہر صحابی جنتی ہے۔

کیا تمام صحابہ کرام کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ جس صحابی کے متعلق علیحدہ حدیث نہیں ملے گی اس کی شان کو ہم نہیں مانیں گے۔ کسی کے نہ ماننے سے صحابہ کرام کی شان میں تو فرق نہیں آئے گا، البتہ ایسا کہنے والا شخص اپنی عاقبت برباد کردے گا۔

کیا کوئی مولوی یہ کہہ سکے گا کہ میں سب انبیاء کرام کے نام جانتا ہوں اور ہر نبی کی

شان میں علیحدہ علیحدہ کوئی آیۂ کریمہ اور کوئی حدیث جانتا ہوں؟ یقیناً ایسا دعویٰ کرنا قرآن پاک کی صریح نص کے مخالف ہے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی تو یہ ہے:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (سورۃ النساء ٦:١٦٤)

"بعض رسولوں کے واقعات ہم نے بیان کر دیئے ہیں آپ پر اس سے پہلے اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے آپ پر۔"

لوگ تو یقیناً تمام انبیاء کراموں کے ناموں سے بے خبر ہیں سوائے چند انبیاء کرام کے اسماء گرامی کے۔ ہر نبی کی شان میں علیحدہ کوئی آیت یا کوئی حدیث پیش کرنا ممکن ہی نہیں۔ جب نام ہی کوئی نہیں جانتا تو علیحدہ علیحدہ شان کیا جانے گا؟

انبیاء کرام کی شان میں مجموعی ذکر ہی کافی ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

"سب رسول بشیر و نذیر (خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے) بن کر آئے۔"

اس طرح کی مختلف آیات مبارکہ میں تمام انبیاء کرام کا مجموعی ذکر کیا گیا ہے، اس لئے یہ ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ"

"اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں رسالت کو رکھنا ہے۔"

اس سے واضح ہوا کہ منصب رسالت کا کوئی اہل نہیں سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لائق بنایا ہے۔ یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ تمام انبیاء کرام کی بلند شان ہے، کوئی غیر نبی کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ واضح ہوا:

کہ تمام صحابہ کرام کی شان غیر صحابہ پر بلند و بالا ہے۔ کوئی غیر صحابی کسی صحابی سے بلند نہیں ہو سکتا۔ غیر صحابی کی تمام عمر کی نیکیاں ایک طرف اور صحابی کا ایک لمحہ بھر نبی کریم ﷺ کی صحبت اختیار کرنا ایک طرف کر کے پھر موازنہ کریں۔ کسی صاحب ایمان اہل علم سے

پوچھئے تو آپ کو یہی پتہ چلے گا کہ صحابی کا ایک لمحہ بھر رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کرنا بہت ہی بلند و بالا ہے اس کے مقابل کسی غیر صحابی شان میں برابر نہیں ہو سکتیں۔

تنبیہ:

یہ کہنا تو ممکن ہے کہ کسی غیر صحابی کے سجدے زیادہ ہوں، حج زیادہ ہوں، روزے وغیرہ زیادہ ہوں لیکن غیر صحابی کی نیکیاں کبھی صحابی کی صحابیت کے شان کے برابر نہیں ہو سکتیں۔

مہاجرین وانصار کے جنتی ہونے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(سورہ التوبہ ۱۱: ۱۰۰)

"مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہوئے اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"

(کنز الایمان)

مہاجرین صحابہ کرام کے بہت بڑے اجر کا ذکر رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ النحل ۱۴: ۴۱)

"جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اپنے مظلوم ہونے کے بعد ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور قیامت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش وہ جانیں۔"

مہاجرین صحابہ کرام کی بہت بڑی کامیابی:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَاللّٰہِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ O

(سورۃ التوبہ ۱۰:۲۰)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔''

مہاجرین صحابہ کرام کو رحمت و جنت کی خوشخبری:

خدا ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے اور بہشتوں کی جہاں وہ عیش حاصل کریں گے۔

صحابہ کرام کی مغفرت اور اجر عظیم کا رب تعالیٰ کی طرف سے وعدہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ ۚ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا O

(سورۃ محمد ۲۶:۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں اور آپس میں محبت کرنے والے ہیں تو ان کو دیکھتا ہے رکوع اور سجود کرتے ہوئے وہ خدا کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان موجود ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کی داستان ایسے ہے جیسے کھیتی (پہلے) اپنے سبز گھاس کو نکالے پھر اسے قوی کرلے پس وہ موٹی ہو جائے اور اپنی جڑوں پر کھڑی ہو جائے (اسے دیکھ کر) کھیتی والے خوش ہوتے ہیں اور کفار غصہ سے بل کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

اچھے کام کیے بخشش اور ثواب بزرگ کا وعدہ دیا ہے۔“

آیۃ کریمہ کی وضاحت:

اس تمہید کو سمجھئے! ظہور اسلام کے وقت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس دین پاک کو اپنی ارتقاء (ترقی) میں چار مراحل سے گزرنا پڑا۔“

① بعثت نبوی جو مکہ معظمہ میں واقعہ ہوئی، گویا اسلام کا تولد اس وقت ہوا (یعنی اعلان نبوت پر اسلام کا دور شروع ہوا) مگر اس وقت کے مسلمانوں کو اس کے اظہار کی قدرت نہ تھی۔ یہ مرحلہ ہجرت مدینہ منورہ تک رہا۔

② دوسرا مرحلہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ جا کر شروع ہوا اس دور میں مشرکین مکہ سے قصداً اور اوروں سے تبعاً جہاد وقتال شروع ہوگیا مکہ فتح ہونے پر بادشاہی کی صورت ظہور میں آئی، سارا حجاز مطیع ہوا' اور پھر آپ انتقال فرما کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

③ تیسرا مرحلہ آپ کے انتقال کے بعد شروع ہوا، اس میں غلظت وقوت اسلام یہاں تک بڑھی کہ دو نامی اور زبردست بادشاہوں یعنی قیصر (روم کا بادشاہ جو نصرانی تھا) اور کسریٰ (ایران کا بادشاہ جو مجوسی تھا) کو جن کی حکومت اس وقت تقریباً ساری دنیا پر پھیلی ہوئی تھی' جہاد و مقاتلہ کرنے کے بعد مغلوب ونیست ونابود کر دیا گیا۔

④ بلادِ مفتوحہ میں اسلام کی ترویج اور مساجد کی تعمیر، پہلے اور دوسرے مراحل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گزرے، تیسرا مرحلہ بعہد صدیقی وفاروقی طے ہوا، اور چوتھا جسے تیسرے کا ثمرہ سمجھنا چاہئے بعہد عثمانی ومرتضوی واقعہ ہوا۔

اس مذکورہ آیۃ شریفہ میں اسلام کے چاروں ادوار مذکورہ بالا کا ذکر ہے' اخرج شطاہ ”کھیتی پہلے اپنا سبز گھاس نکالے“ بیان ہے اسلام کے پہلے دور کا یعنی بعثت نبوی سے ہجرت تک“ ”فآزرہ“ (پھر اسے قوی کرے) بیان ہے دوسرے دور کا، یعنی اس زمانے کا جو

ہجرت سے لے کر وفاتِ سرورِ کائنات علیہ افضل التحیات تک ہے۔

"فاستغلظ" (پھر وہ موٹی ہو جائے) بیان ہے اسلام کے تیسرے دور کا' اور "فاستوی علی سوقه" (اپنی جڑوں پر کھڑی ہو جائے) بیان ہے اسلام کے چوتھے دور کا۔

فائدہ جلیلہ:

اس ترجمہ سے معلوم ہوا کہ "ذلك" اشارہ ہے مابعد یعنی "کزرع" کی طرف اور یہ اشارہ بجانب مابعد حضرات ناظرین کے لئے تعجب نہ ہو کیونکہ قرآن کریم میں اس کے علاوہ بھی "ذلک" سے اشارہ مابعد کی طرف واقع ہوا ہے: ارشاد باری تعالیٰ:

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ○ (سورہ حجر ۱۴:۶۶)

"اور ہم نے (لوط کی طرف) وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوئے کاٹ دی جائے گی۔"

تنبیہ:

"فاستغلظ" بیان ہے اسلام کے تیسرے دور کا اور درجہ کی ترقی کا اسی طرح "لیظهره علی الدین کله" (سورۃ الصف آیۃ ۹) بھی دال ہے تیسرے دور پر گویا ان آیات کے یہ دونوں جملے بطریق پیشن گوئی عہد صدیقی و فاروقی سے خبر دے رہے ہیں۔ اس وقت کسریٰ و قیصر زمین پر دو زبردست بادشاہ تھے اور ان ہی کا دین سب ادیان پر غالب تھا روم' روس' فرنگ' الیمان' افریقہ' شام' مصر و بعض بلادِ مغرب و حبشہ نصرانی قبضہ میں تھے' اور قیصر کے تابع تھے' اور خراسان' توران' ترکستان' زابلستان' باختر وغیرہ مجوسی تھے اور کسریٰ کے تابع تھے، باقی ادیان مثل یہودیت و دینِ مشرکین و دین ہنود و دین صائبین پامال اور ضعیف ہو گئے تھے، حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب چاہا کہ دین حق دین اسلام کو سب ادیان پر" کما قال الله تعالیٰ ا" "لیظهره علی الدین کله" اور "فاستغلظ" غالب و ظاہر کرے تو بحسب وعدہ مندرجہ آیۃ " ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم" صحابہ کرام بر سرپرستی شیخین جن

کی مدح میں آیۃ سورۃ فتح "محمد رسول الله والذین اشداء علی الکفار" بھی وارد ہے، اقامت دین حق کی توفیق ان ہی کو عطاء فرمائی اور ان ہی کے ذریعے قیصر و کسری اور ان کا دین پامال اور نیست و نابود ہو گیا۔

عہد نبوی میں چونکہ مسلمانوں کا غلبہ نصاری نجران اور مجوسی ہجر اور یہود خیبر تک محدود تھا، اور ان ہی سے خراج اور جزیہ لینا ٹھہرا تھا' اس لئے " فاستغلظ "اور "لیظھرہ علی الدین کلہ" کا مصداق حضور کا زمانہ نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ختنین (دو دامادوں حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما) کا زمانہ کہا جا سکتا ہے جو یوماً فیوماً (روز بروز) تنزل کا دور تھا۔

(تصفیہ ما بین السنی والشیعہ ص ۱۴)

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ خلفاءِ ثلاثہ کی شان بیان کرتے ہیں:

آیئے! حسنی و حسینی سید سے قرآن پاک سیکھئے تمہاری زبان گنگ ہو جائے لیکن ایمان کے بغیر زبان کو بند کرنا ممکن ہی نہیں' آپ فرماتے ہیں:

''دوسری آیۃ جس میں بیان شدہ پیشن گوئی خلفاء ثلاثہ کے عہد میں متحقق ہوئی وہ سورۃ فتح کی مندرجہ ذیل ہے:

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۝

(سورۃ فتح ۲۶:۱۶)

''جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو کہ تم جلد ایک جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے، یا وہ اسلام لے آئیں گے۔ اگر تم حکم مانو گے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو گے جیسے پہلی دفعہ پھیرا تھا تو وہ تم کو بڑی تکلیف کی سزا دے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسی کوئی دعوت وقوع میں نہیں آئی جس کا ذکر اوپر آیا ہے، اس آیۃ کا نزول واقعہ حدیبیہ میں ہوا ہے اور حدیبیہ کے متصل غزوہ خیبر میں ہوا ہے اور اس غزوہ میں اعراب کو نہیں بلایا گیا بلکہ ان لوگوں کے علاوہ جو حدیبیہ میں حاضر تھے سب روک دیئے گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ؕ "آپ فرما دیجئے تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو گے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہی فرما دیا ہے۔"

بعد ازاں فتح مکہ کا غزوہ ہوا۔ اس میں بھی ایسی قوم کے لئے دعوت نہ تھی جو پہلی قوم سے مغائر، حدیبیہ اور فتح مکہ دونوں مواقع پر دعوت قریش ہی کو قریش ہی کے مقابلہ کے لئے ہوئی تھی، اور آیۃ مذکورہ کے نظم کلام سے پایا جاتا ہے کہ ہر دو قوم متغائر ہوں گی۔

درصورت اتحاد بجائے الفاظ "ستدعون الی قوم" کے "ستدعون الیھم مرة اخری" فرمائے جاتے۔ اسی طرح غزوہ حنین بھی مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ اس غزوہ میں مقابلہ قوم ہوازن کے ساتھ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب دس ہزار افراد کا لشکر تھا جن کے مقابل ہوازن جیسی حقیر اور کمزور قوم (جو چار ہزار تھے) (اولی باس شدید) سے تعبیر نہیں کی جاسکتی۔ ایسے ہی غزوہ تبوک بھی مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ غزوہ تبوک میں مقصود صرف اہل شام وروم کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب وہیبت کا قائم کرنا تھا۔

ہرقل (بادشاہ) نے جنبش نہ کی اور نہ کوئی فوج مقابلہ پر آئی۔ اس لئے آپ نے جنگ کے بغیر مراجعت فرمائی (لوٹے) جبکہ مندرجہ بالا آیۃ میں صاف فرمایا گیا ہے کہ "تقاتلونھم اویسلمون" یعنی تمہارے ان سے لڑنے کی غایت اور انتہاء یہ ہوگی کہ وہ مسلمان ہوجائیں گے غرضیکہ عہد نبوی میں کوئی دعوت ایسی نہ ہوئی جو اس آیت کا مصداق ٹھہرائی جا سکے۔ ایسا ہی اس دعوت تحقق عہد مرتضوی میں بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس عہد میں جو دعوت ہوئی تھی وہ خلافت کی پختگی اور مسلمان باغیوں کی شکست کے لئے دی گئی تھی، نہ کہ ایسی دعوت

جو کسی قوم "اولی باس شدید" کے لئے ہو اور مقاتلہ کا انجام اس قوم کا اسلام قبول کرنا ہو۔

اسی طرح بعد انقضائے زمانہ خلافت راشدہ جس کی میعاد حدیث صحیح میں تیس سال فرمائی گئی ہے، بنوامیہ اور بنوعباس اور جوان کے بعد ہوئے ہیں کسی کے عہد میں کبھی حجاز اور یمن کے اعراب یعنی بادیہ نشین مقاتلہ کفار کے لئے نہیں بلائے گئے بلکہ آج ترکوں کے زمانہ میں بھی نہیں بلائے گئے۔ لہذا قطعی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ یہ دعوت مندرجہ آیۃ مذکورہ بالا بغیر عہد خلفاء ثلاثہ وقوع میں نہیں آئی۔ ان ہی کے دور میں نصرانیوں اور مجوسیوں کے خلاف جو دونوں غیر قوم تھے۔ جنگ کرنے کے لئے اعراب کو دعوت دی گئی، اور ان ہی جنگوں کا نتیجہ ان کے اسلام قبول کر لینے کی صورت میں نکلا' اور چونکہ یہ دعوت ایسی تھی کہ جس کی تعمیل پر اجر حسن اور تخلف پر عذاب الیم مرتب ہے۔

پس ثابت ہوا کہ دعوت کرنے والے اور کفار کے ساتھ جنگ کے لئے بلانے والے واجب الاطاعات ہیں اور یہی معنی ہے خلافت کا یعنی ان خلفائے ثلاثہ کی خلافت ہر حق اور عین منشائے ایزدی کے مطابق تھی۔ (تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۱۵)

صحابہ کرام کی شان میں خوبصورت عقیدہ:

"واتفق اهل السنة على ان افضلهم ابو بكر ثم عمر قال جمهور هم ثم عثمان ثم علي' وقال بعض اهل السنة من اهل الكوفة بتقديم علي على عثمان و الصحيح المشهور تقديم عثمان قال ابو منصور البغدادي اصحابنا مجمعون على ان افضلهم الخلفاء الاربعةعلى الترتيب المذكور۔"

"اہل سنت کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ سب صحابہ سے افضل ابوبکر پھر عمر' جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان کا درجہ ہے۔ ہاں! بعض اہل سنت علماء کوفہ نے کہا ہے کہ حضرت علی کا درجہ مقدم ہے حضرت عثمان سے لیکن صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ حضرت عثمان کا درجہ مقدم ہے حضرت علی پر۔ ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں:

کہ ہمارے اصحاب کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ چار خلفاء کی افضلیت کی جو ترتیب ہے وہی ان کی خلافت کی بھی ترتیب ہے۔" (رضی اللہ عنہم)

(نووی شرح مسلم ج۲ص۲۸۰)

"ثم تمام العشرة ثم اهل بدر ثم احد ثم بيعة الرضوان و ممن له مزية اهل العقبتين من الانصار و كذلك السابقون الاولون"۔

(نووی شرح مسلم ج۲ص۲۸۰ فضائل صحابہ)

چار خلفاء کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ صحابہ کرام کا درجہ ہے، اس کے بعد بدر میں شریک صحابہ کرام کا درجہ ہے، اس کے بعد انصار میں سے عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ میں بیعت کرنے والے، پھر السابقون الاولون تمام صحابہ کرام کا درجہ ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت میں شہید ہوئے:

"واما عثمان رضی الله عنه فخلافته صحيحة بالاجماع وقتل مظلوما"۔

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر اجماع امت ہے، آپ کو مظلومیت کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں:

"ولم يشارك فی قتله احد من الصحابة وانما قتله همج ورعاء من غوغاء القبائل وسفلة الاطراف والارذال تخربوا وقصدوه من مصر فعجزت الصحابة الحاضرون عن دفعهم فحصروه حتى قتلوه رضی الله عنه"۔

(نووی ج۲ص۲۸۰)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں کوئی ایک صحابی شریک نہیں ہوا، آپ کو قتل کرنے والے شتر بے مہار اور بے لگام گھوڑوں کی طرح لوگ تھے۔ خیال رہے "ہمج" (اس فوج کو کہتے ہیں جس کا کوئی سربراہ نہ ہو) اور آپ کو شہید کرنے والے مختلف قبائل کے شوروغل کرنے والے چرواہے تھے، آپ

کو شہید کرنے والے مختلف اطراف کے کمینے اور ذلیل لوگ تھے جو مصر کے علاقہ سے حالات کو خراب کرنے کیلئے آئے تھے۔مدینہ طیبہ میں حاضر صحابہ کرام ان کا دفاع کرنے سے عاجز ہو گئے تو ان کمینوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور آپ کو شہید کر دیا گیا۔''

(سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں سے لڑائی کرنے کی اس وجہ سے اجازت نہیں دے رہے تھے کہ میری وجہ سے مدینہ طیبہ کی سرزمین خون سے رنگین نہ ہو۔)

تنبیہ:

تاریخ کی کتابوں میں رطب ویابس بھرا ہوا ہے' واقعہ کربلا کو افسانہ بنا دیا گیا، اگر کوئی تواریخ کے حوالہ سے صحابہ کرام کو قاتل عثمان کہے تو وہ کذاب ہوگا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنے والا کسی تاریخ کا حوالہ دے گا تو ایسے شخص کی کوئی بات نہ سنی جائے' وہ اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے' کسی کا کوئی نقصان نہیں کر رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہے:

"واما علی رضی الله عنه فخلافته صحیحة بالاجماع وکان هو الخلیفة فی وقته لاخلافة لغیره"۔

(نووی ج۲ص۲۸۰ فضائل صحابہ)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے دور میں صحیح برحق تھی اس پر اجماع امت ہے۔جب آپ خلیفہ تھے اس وقت میں کوئی خلیفہ نہ تھا نہ ہی خلافت کا کوئی حقدار تھا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نجباء صحابہ میں سے تھے:

واما معاویة رضی الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء واما الحروب التی فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصویب انفسها بسببها وکلهم عدول رضی الله عنهم ومتأولون فی حروبهم وغیرها ولم یخرج

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور فاضل حضرات سے ہیں یعنی آپ عادل اور فاضل صحابی ہیں' اور آپ شرفاء صحابہ میں شریف صحابی ہیں اور آپ شریف خاندان سے ہیں' (النجباء جمع ہے نجیب کی' النجیب' شریف'

شئ من ذلك احدامنهم من العدالة لأنهم المجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم فی مسائل من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذالك نقص احد منهم"۔

(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸۰ فضائل صحابہ)

شریف خاندان (المنجد) یہ اس لئے حوالہ نقل کیا ہے کہ کوئی راقم کے ترجمہ کو غلط نہ کہہ سکے) جو لڑائیاں صحابہ کرام کے درمیان ہوئیں ہر طرف کے حضرات کو کچھ شبہات حاصل تھے ہر فریق اپنے آپ کو صحیح کہہ رہا تھا کہ اس مسئلہ میں میرا عقیدہ ہی صحیح ہے۔ میں ہی حق بجانب ہوں اس لئے سب صحابہ کرام عادل صحابہ تھے کوئی صحابی (معاذ اللہ) ظالم نہیں تھا۔ ان کی لڑائیاں اور اختلافات تاویلات پر مبنی تھے ان لڑائیوں اور خلاف کی وجہ سے کسی صحابی کی عدالت ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سب اپنے اپنے اختلاف میں مجتہد تھے، ان کا اختلاف اجتہادی اختلاف تھا۔"

طلباء کرام بخوبی جانتے ہیں:

کہ اجتہادی اختلاف میں مُصِیب (حق راہ پر) تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن دوسرے خطاء کار نہیں ہوتے بلکہ اجتہاد کا ثواب ان کو بھی ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا اختلاف اجتہادی ہونے کی وجہ سے یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی خطاء کے باوجود عادل فاضل اور شریف صحابی تھے اور اجتہاد کا ثواب ان کو بھی حاصل تھا۔

کوئی صحابی ثواب سے محروم نہ تھا یہ اجتہاد بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ بعد میں آنے والے امامین مجتہدین کا کئی مسائل میں اختلاف ہوا قتل کے مسائل میں اختلاف ہوا قتل شبہ عمد کیا

ہے؟ وغیرہ دیگر کئی مسائل میں اختلاف تھا لیکن مسائل میں اختلاف کے باوجود ائمہ مجتہدین کی شان میں کوئی نقص لازم نہیں آیا۔ اب کوئی شخص یہ کہے کہ میں امام شافعی، امام مالک، امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے فضائل کو نہیں مانتا اور نہ ہی بیان کرتا ہوں کیونکہ میرے راہنما غیر مقلدین بھی ان کی شان نہیں بیان کرتے۔

تیرے یا تیرے راہنماؤں کی شان ائمہ کرام نہ بیان کرنے سے کیا بزرگان دین کی شان کم ہو جائے گی؟ نہیں نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا "ان شاء اللہ" سورج و چاند اپنی آب و تاب سے قائم و دائم ہیں، روشن ہیں چمک رہے ہیں۔ مخالف لوگ صدیوں سے ان کی چمک و دمک کو دیکھ رہے ہیں، مخالفین ختم ہوتے گئے لیکن چاند اور سورج کی شان میں کوئی فرق نہ آیا۔

صحابہ کرام کے اختلاف میں علماء ربانیین کا عقیدہ:

واعلم ان سبب تلك الحروب ان القضايا كانت مشتبهة فلشدة اشتباهها اختلف اجتهادهم وصاروا ثلاثة اقسام قسم ظهرلهم بالاجتهاد وان الحق فی هذا الطرف وان مخالفه باغ فوجب عليهم نصرته وقتال الباغی عليه فيما اعتقدوه ففعلوا ذلك ولم يكن يحل لمن هذه صفته التأخر عن مساعدة امام العدل فی قتال البغاة فی اعتقاده وقسم عكس هؤلاء ظهرلهم بالاجتهاد وان الحق فی الطرف الآخر فوجب عليهم مساعدته وقتال الباغی عليه وقسم ثالث اشتبهت عليهم

صحابہ کرام کے درمیان لڑائیاں اور اختلاف کے اسباب یہ تھے کہ ان پر واقعات مشتبہ تھے کہ کس کی بات حق ہے اور کس کی بات غلط اور کس کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط ہیں، اس شدت اختلاف کی وجہ سے ان کے اجتہاد میں بھی اختلاف ہوا۔ صحابہ کرام اپنے اپنے اجتہاد کی وجہ سے تین قسموں پر منقسم ہو گئے۔ (۱) ایک قسم وہ تھے جنہوں نے ایک فریق کو حق سمجھا اور دوسرے کو باغی سمجھا، ان پر یہ واجب ہو گیا کہ وہ اس شخص کی امداد کریں جسے وہ حق سمجھتے ہیں اور دوسرے کو قتل کریں جسے وہ باغی سمجھتے ہیں، انہوں نے

القضية وتحيروا فيها ولم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين فاعتزلوا الفريقين وكان هذا الاعتزال هوالواجب فى حقهم لأنه لا يحل الاقدام على قتال مسلم حتى يظهر أنه مستحق لذلك ولو ظهر لهؤلاء رجحان احد الطرفين وان الحق معه لما جازلهم التأخر نصرته فى قتال البغاة عليه فكلهم معذورون رضى الله عنهم ،ولهذا اتفاق اهل الحق ومن يعتدبه فى الاجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضى الله عنهم اجمعين۔

(نووی شرح مسلم ج۲ص۲۸۰ فضائل صحابہ)

اپنے عقیدہ کے مطابق دوسرے سے قتال کیا، ان کا یہ فعل صحیح تھا، بلکہ ان کیلئے جائز ہی نہ تھا کہ وہ امام عادل کی امداد نہ کریں اور باغی سے قتال نہ کریں، کیونکہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایک کو امام حق سمجھا اور دوسرے کو باغی۔(۲) صحابہ کرام کی دوسری قسم یہ ہے کہ انہوں نے پہلے حضرات کے مخالف اجتہاد سے کام لیا جسے پہلا فریق امام حق سمجھ رہا تھا اسے انہوں نے باغی سمجھا اور جسے پہلا فریق باغی کہہ رہا تھا انہوں نے اسے امام حق سمجھا ان پر اپنے اجتہاد کی وجہ سے واجب ہو گیا کہ وہ امام حق کا ساتھ دیں اور باغی سے قتال کریں۔"

(۳) تیسری قسم صحابہ کرام وہ تھے جن پر فیصلہ مشتبہ ہو گیا وہ اس میں حیران ہو گئے' ان پر یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ کس کو ترجیح دیں وہ دونوں فریقوں سے جدا ہو گئے۔ یہ جدا ہونا ان پر واجب تھا کیونکہ کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں جب تک اس کا مستحق قتل ہونا ظاہر نہ ہو۔ اگر ان پر ایک فریق کا راجح ہونا حق پر ہو جاتا تو ان کا باغیوں سے قتال اور اہل حق کی امداد سے پیچھے ہٹنا جائز ہی نہ ہوتا۔ اس لئے سب صحابہ کرام کا عذر سمجھا جائے گا' اسی وجہ سے اہل حق کا اس میں اتفاق ہے جو اجماع میں معتبر ہیں کہ سب صحابہ کرام کی شہادت اور روایات قبول ہیں' اور سب کامل عادل ہیں "رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

﴿شان صحابہ میں احادیث مبارکہ﴾

بغض صحابی درحقیقت بغض خدااور رسول ﷺ ہے:

"عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله ومن آذی الله فیوشك ان یاخذه"۔

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

''عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سے ڈرتے رہو میرے صحابہ کے بارے میں۔ان کو میرے بعد (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بنانا، جس شخص نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ہی تو ان سے محبت کی' اور جس شخص نے ان سے بغض رکھا' اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے بغض رکھا' اور جس شخص نے صحابہ کو اذیت پہنچائی تو تحقیق اس نے مجھے اذیت پہنچائی' اور جس شخص نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت دی، جس نے اللہ کو اذیت دی قریب ہے کہ اللہ اسے اپنی گرفت میں لے لے۔''

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

① نبی کریم ﷺ کو یہ علم حاصل تھا کہ میرے بعد صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے لوگ آئیں گے، اسی لئے فرمایا کہ "میرے بعد صحابہ کو (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بنانا۔

② صحابہ کرام کی محبت حقیقت میں محبت رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام سے محبت نہ کرنے

والا محبت مصطفیٰ کے دعویٰ میں کذاب ہے۔

۳ بغض صحابہ بغض رسول اللہ ﷺ ہے، صحابہ کرام سے بغض رکھنے والا ہزار دعوے کرے کہ مجھے تو نبی کریم ﷺ سے کوئی بغض نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے میں رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھوں؟ اس کا یہ کہنا درست نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد واضح ہے ''صحابہ سے بغض رکھنے والا میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہی تو ان سے بغض رکھ رہا ہے۔

۴ صحابہ کرام کو کسی طرح بھی اذیت پہنچانا' خواہ بغض رکھ کر اذیت پہنچائے، خواہ کسی اور طریقہ سے ان کو اذیت پہنچائے وہ درحقیقت مصطفیٰ کریم ﷺ کو اذیت پہنچا رہا ہے۔ اور جو رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچا رہا ہے' اور جو اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائے وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔

یعنی صحابہ کرام سے بغض رکھنے اور اذیت پہنچانے والا کسی کا کوئی نقصان نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے والوں کا انجام کیا ہوگا۔ آئیے! ارشاد باری تعالیٰ دیکھئے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ○ (سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۷)

''بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (کنز الایمان)

نتیجہ واضح ہوا:

صحابہ کرام کو اذیت پہنچانے والے پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ دنیا والے ہر طرف سے لعنت پہنچا رہے ہیں جسے ہم سن رہے ہیں۔ بہت لوگوں سے سن چکے ہیں اور ان شاء اللہ سنتے رہیں گے۔ اور آخرت کی لعنت پر اس لئے یقین ہے کہ ''اِنَّ اللّٰـهَ لَا

یُخْلِفُ الْمِیْعَادِ" اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور ان کو اللہ تعالیٰ ذلت کا عذاب دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دینے والوں پر اللہ کی لعنت ہے دنیا و آخرت میں اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایمان والوں کو ایذاء پہنچانا کھلا بہتان ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۝ (سورۃ احزاب۲۲:۵۸)

اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں، انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔ (کنزالایمان)

شان نزول:

یہ آیۃ کریمہ ان منافقین کے حق میں نازل ہوئی جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایذا دیتے تھے اور ان کے حق میں بدگوئی کرتے تھے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کتے اور سور کو بھی ناحق ایذا دینا حلال نہیں تو مومنین و مومنات کو ایذا دینا کس قدر بدترین جرم ہے۔ (خزائن العرفان)

حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو ایذاء دینا حرام ہے:

قرآن پاک کے الفاظ کے عموم کے پیش نظر یوں کہنا پڑے گا کہ کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا درحقیقت صحابی کو ایذاء دینا ہے جو حرام ہے، حلال نہیں۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی گستاخی کرے تو وہ بھی منحوس ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کی شان میں گستاخی کرے تو وہ بھی منحوس ہے، بلکہ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار سے مومنین و مؤمنات دل و جان سے محبت کرتے ہیں، اس لئے اہل بیت اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والا حقیقت میں سب ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ایذاء دے رہا ہے، جو کھلے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ (راقم)

اعتراض:

تم نے جو حدیث بیان کی ہے وہ تو ضعیف ہے اس کا اعتبار کیسے کیا جائے؟

جواب:

یہ اعتراض جہالت وحماقت پر مبنی ہے' ترمذی نے حدیث بیان کر کے کہا ہے "ہذا حدیث غریب" یہ نہیں کہا (ہذا حدیث ضعیف' یہ حدیث ضعیف ہے) غریب کو ضعیف کہنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے غریب کا تعلق راویوں کی تعداد سے ہے' ضعیف کا تعلق راوی کی صفات سے ہے۔

غریب حدیث:

وہ ہے جس کے راوی دو ہوں۔ اگر دونوں راوی ثقہ عادل ہوں ان میں وہ صفات پائی جائیں جو صحیح کے راویوں میں پائی جاتی ہیں' تو وہ حدیث غریب ہونے کے ساتھ صحیح بھی ہے۔

غریب حدیث کو کب چھوڑا جاتا ہے؟:

اگر غریب حدیث نص قطعی کے مخالف ہو' یعنی قرآن پاک کے مخالف ہو' یا حدیث متواتر یا حدیث مشہور کے مخالف ہو' کوئی وجہ' اجتماع کی تاویل نہ پائی جائے تو حدیث غریب کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص قرآن پاک کی آیۂ مبارکہ یا حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے مندرجہ بالا حدیث غریب کے خلاف یہ ثابت کردے کہ "صحابہ کرام سے محبت رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں اور صحابہ کرام سے بغض رکھنا نبی کریم ﷺ سے بغض نہیں اور صحابہ کرام کو ایذاء دینا نبی کریم ﷺ کو ایذاء دینا نہیں اور مصطفیٰ کریم ﷺ کو ایذاء دینا اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا نہیں۔ اور اللہ کو ایذاء دینے سے اللہ اسے اپنی گرفت میں نہیں لے گا" تو حدیث غریب کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر کوئی صرف زبانی طور پر کہتا پھرے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس ضعیف الایمان کی بات کو کون تسلیم کرے گا؟

صحابہ کرام اصلاح امت تھے:

وعن انس قال قال رسول الله ﷺ مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لایصلح الطعام الا بالملح قال الحسن فقد ذھب ملحنا فکیف نصلح"

(رواہ فی شرح السنۃ مشکوۃ مناقب صحابہ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کی مثال امت میں ایسے ہے جیسے نمک طعام میں ہوتا ہے' کھانا سوائے نمک کے درست نہیں ہوتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہمارا نمک چلا گیا اب ہم کیسے صلاحیت (وخیر) میں ہوں گے؟''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وضاحت:

قوله فکیف نصلح ای فی حالناقلت نصلح بکلامھم ورو ایاتھم ومعرفۃ مقاماتھم وحالاتھم وبالاقتداء بأخلاقھم وصفاتھم فان العبرۃ بھذہ الاشیاء دون صورھم وذواتھم"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ)

''حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''فکیف نصلح'' کا مطلب یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کے کلام اور ان کی روایات اور ان کے مقامات کی معرفت اور ان کے حالات کو دیکھنے اور ان کے اخلاق وصفات کی اقتداء سے اپنے احوال کو باصلاحیت بناتے تھے اب ہم اپنے حالات کو کیسے سنواریں گے؟''

اصل اعتبار ان مذکورہ بالا اشیاء کا ہی ہے جو صحابہ کرام میں کامل طور پر پائی جاتی ہیں' صرف صورتوں اور ذاتوں کا نہیں۔

تنبیہ: نبی کریم ﷺ نے یہ شان تمام صحابہ کرام کی بیان فرمائی ہے' کوئی صحابی بھی اُس

سے مستغنی نہیں۔ (راقم)

"عن عبد الله بن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ مامن أحد من اصحابی یموت بأرض الا بعث قائدا ونورا لهم یوم القیامة"۔
(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب' مشکوۃ مناقب صحابہ)

"عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ میں سے کوئی ایک میرا اصحابی نہیں جو کسی زمین پر فوت ہو مگر یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کیلئے (جن میں وہ فوت ہوا) اسے قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔"

سبحان اللہ! ہر صحابی جس سرزمین پر فوت ہوتا ہے' ان لوگوں کی قسمت جاگ اٹھتی ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کیلئے قیامت میں قائد ہوگا۔ جسے صحابی رسول ﷺ کی قیادت نصیب ہو جائے وہ بھٹک نہیں سکتا' پھر اس زمین کے لوگوں کیلئے قیامت کے دن وہ صحابی نور ہوں گے۔ صحابی جب اس کیلئے راہ کو منور کریں گے تو کون ہوگا جو اسے تاریکی میں مبتلاء کرے؟ (راقم)

صحابہ کرام کو گالی دینے والے پر اللہ کی لعنت بھیجو:

"عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم۔"
(رواہ الترمذی مشکوۃ مناقب الصحابہ)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالی دیتے ہوں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر۔"

وضاحت حدیث:

"قوله لعنة الله علی شرکم ای لعنة الله علیکم بناء علی شرکم او هو احتیاط اللعن علی فعله دون ذاته ورعایة للانصاف

"نبی کریم ﷺ کے ارشاد "فقولوا لعنة الله علی شرکم "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کہو تم پر اللہ کی لعنت ہو بوجہ تمہارے شر کے'

وان كان في الحقيقة راجعا الى الفاعل فافهم"۔ (لمعات)

(یعنی صحابہ کرام کو گالیاں دینا ان کا شر ہے۔ وہ شر ہی ان پر لعنت بھیجنے کا سبب ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ لعنت میں احتیاط یہ ہے کہ لعنت فعل پر بھیجی جائے، نہ کسی کی ذات پر ۔ یہ صرف انصاف کا تقاضا تھا ورنہ حقیقت میں لعنت فاعل کی طرف ہی جاتی ہے۔"

تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں:

"وعن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول سألت ربي عن اختلاف اصحابي من بعدي فأوحى الیّ يامحمد ان اصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها اقوى من بعض ولكل نور فمن أخذ شيأ مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى قال وقال رسول الله ﷺ اصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم"۔

(رواہ رزین، مشکوۃ مناقب صحابہ)

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے میرے بعد میرے صحابہ میں ہونے والے اختلاف کے متعلق سوال کیا، تو میری طرف وحی کی گئی، اے محمد (ﷺ)! بیشک تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں بعض ان ستاروں میں سے بعض پر زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کو نورانیت حاصل ہے، جس شخص نے ان کے اختلاف میں سے کچھ حصہ لے لیا۔ (یعنی کسی صحابی کی تابعداری کر لی) وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی اقتداء کر لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔"

وضاحت حدیث:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ میرے رب نے کہا کہ آپ کے صحابہ میں اختلافات پائے جانے کے باوجود جو شخص کسی صحابی کی اقتداء کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔

اسی سے یہ فائدہ حاصل ہوگیا"ان اختلاف الائمة رحمة للأمة"ائمہ کا اختلاف امت کیلئے رحمت کا سبب ہے"ہاں البتہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"المراد به الاختلاف فی الفروع لافی الأصول "اختلاف اگر فروع دین میں ہو تو وہ رحمت ہے۔اگر اختلاف اصول دین میں ہو تو وہ رحمت نہیں (بلکہ راقم کے نزدیک وہ بربادی کا سبب ہے' بلکہ باطل راہ پر چلنے والے کو وہ اختلاف کفر تک پہنچائے گا)۔

لیکن خدارا!!انصاف کریں کیا صحابہ کرام میں اصول دین میں اختلاف تھا؟نہیں نہیں ایسا نہیں کوئی ایمان والا شخص تو کبھی نہیں کہہ سکتا بلکہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ہاں کوئی ایمان سے ہی خالی ہو تو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

"قال السید جمال الدین الظاهر ان مراده ﷺ الاختلاف الذی فی الدین من غیر اختلاف للغرض الدنیوی"

"سید جمال الدین نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مراد وہ اختلاف ہے جو دین میں تھا،دنیاوی غرض کی وجہ سے اختلاف مراد نہیں۔"

اعتراض:

صحابہ کرام کا اختلاف فروع دین میں اختلاف تو نہیں تھا بلکہ وہ اختلاف تو حکومت کا اختلاف تھا'اس اختلاف کو ہدایت کیسے کہا جائے؟

جواب:

"قلت الظاهر ان اختلاف الخلافة ایضا من باب اختلاف فروع الدین لنا شئ عن

"علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:ظاہر بات یہی ہے کہ اختلاف خلافت بھی فروع

اجتهاد کل لا من الغرض الدنیوی الصادر عن الحظ النفسی فلایقاس الملوك بالحدادین"۔ (مرقاۃ)

دین کا ہی اختلاف تھا کیونکہ وہ اختلاف حقیقت میں اختلاف اجتہاد تھا۔اس میں دنیاوی اغراض نہیں تھیں اور نہ ہی اس میں نفسانی مفاد کا حصول تھا۔صحابہ کرام کے اختلاف کو عام بادشاہوں کے اختلاف جیسا نہ سمجھا جائے جوایک دوسرے کو کاٹ کھاتے ہیں۔"

سبحان اللہ! علماء ربانیین ہادیین ومہتدین نے کیا خوب مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

اہل سنت کا شاندار عقیدہ:

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام سے بھی محبت کرے اوران کی اتباع کرے اوراہل بیت اطہار سے بھی محبت کرے اوران کی اتباع بھی کرے۔صحابہ کرام تمام ستاروں کی طرح ہیں جس صحابی کی بھی کوئی اقتداء کرے ہدایت پا جائے گا۔یہ حدیث ابھی بمع شرح کے ذکر ہو چکی ہے۔

آیئے !ایک اور حدیث اہل بیت کی شان میں سنئے پھر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شاندار وضاحت اورصحابہ کرام اوراہل بیت اطہار کی شان میں حسین امتزاج دیکھئے۔

"عن ابی ذر انه قال وهو آخذ بباب الکعبة سمعت النبی ﷺ یقول الا ان مثل أهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلك"
(مسند احمد)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کعبہ شریف کے دروازہ کو پکڑ کر فرمارہے تھے میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا خبردار! تم میں میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔''

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
صنعانی نے کشف الحجاب میں کیا خوب فرمایا کہ دنیا و راس میں کفر، گمراہیاں، بدعات، جہالتیں اور غلط قسم کی خواہشات کو

فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

''یا جیسے اندھیرے کسی گہرے دریا میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر موج، اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک

سے تشبیہ دی۔ گہرے دریا کی ظلمات سے بغیر کشتی کے نکلنا ممکن نہیں۔ اور وہ کشتی اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ہے۔

کتنا ہی خوب نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ارشادات میں رابطہ قائم فرمایا ہے صحابہ کرام کو ستاروں سے تشبیہ دی اور فرمایا جس نے ان کی اقتداء کی وہ ہدایت پا جائے گا، اہل بیت کو کشتی نوح سے تشبیہ دی:

"ونعم ما قال الامام فخر الدین رازی فی تفسیره نحن معاشر أهل السنة بحمد الله رکبنا سفینة محبة اهل البیت واهتدینا بنجم هدی اصحاب النبی ﷺ فنرجوا

''علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا ہی اچھا اپنی تفسیر میں بیان فرمایا: ہم اہل سنت بحمداللہ محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار ہیں اور صحابہ کرام کی ہدایت کے ستاروں سے

النجاة من أھوال القیامه ودر کات الجحیم والھدایة الی مایوجب درجات الجنان والنعیم المقیم"

ہدایت حاصل کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمیں قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے تمام طبقات سے نجات حاصل ہوگی اور ایسے راستے کی ہدایت حاصل ہوگی جو ہمیں جنت کے اعلی درجات اور نعیم مقیم میں پہنچادے گا۔"

ضال و مضل اور ہادی ومہتدی میں فرق:

ابھی علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول بیان کیا ہے اس سے "ہادی ومہتدی" کا پتہ چل گیا کہ جو صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار دونوں سے محبت کرتا ہے وہ صاحب ایمان ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہے اور سیدھی راہ دکھانے اور سیدھی راہ پر چلانے والا ہے۔

ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ کرنے والوں) کے متعلق علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں حدیثوں کی وضاحت یہ ہے۔

کہ جو شخص خارجیوں کی محبت سے اہل بیت کی کشتی میں داخل نہ ہوا وہ ابتدائی مرحلہ میں ہی تباہ ہونے والوں کے ساتھ تباہ ہو جائے گا۔ اور رافضیوں کی طرح جو شخص محبت اہل بیت کی کشتی میں داخل ہو گیا لیکن صحابہ کرام کی ہدایت کے ستاروں سے راہنمائی حاصل نہ کی وہ بھٹک جائے گا ایسا تاریکیوں میں پھنسے گا کہ اس کا نکلنا ممکن نہیں رہے گا۔

ہادی ومہتدی علماء کرام کی شان حدیث پاک سے:

رواه احمد عن انس مرفوعا ان مثل العلماء فی الأرض کمثل النجوم فی السماء یھتدی بھا فی ظلمات البر والبحر

"حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا حدیث بیان فرمائی: بیشک زمین میں علماء اس طرح ہیں جس طرح

فاذا انطمست النجوم اوشك ان تضل الھداۃ"

آسمان میں ستارے ہیں۔ان سے خشکی اور دریاؤں میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے جب ستارے (رات کی تاریکی میں) تو راہ پر چلانے والوں کا بھٹک جانا قریب ہو جاتا ہے۔"

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ جب علماء دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ان کی جگہ جہلاء آ جائیں گے تو وہ خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں لیکن دوسروں کو بھی بھٹکاتے ہیں۔

اہل بیت اطہار باعث امن ہیں:

"قال رسول الله ﷺ النجوم أمان لأهل السماء فاذا ذهبت النجوم ذهب اهل السماء واهل بيتى أمان لأهل الأرض فاذا ذهب أهل بيتى ذهب أهل الأرض"۔

(تمام بحث ماخوذ از مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱، ص ۳۹۹، ۴۰۰)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستارے آسمان والوں کیلئے امن کا سبب ہیں۔جب ستارے چلے جائیں تو آسمان والے چلے جائیں گے۔اور میرے اہل بیت زمین والوں کیلئے امان ہیں جب میرے اہل بیت چلے جائیں گے زمین والے چلے جائیں گے۔"

کوئی عمل صحابیت کے برابر نہیں:

شرح مسلم باب تحریم سب الصحابہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فضيلة الصحبة ولو لحظة لايوازيها عمل ولاينال درجتها بشئ والفضائل لا تؤخذ بقياس ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء"

"نبی کریم ﷺ کی ایک لحظہ بھر صحبت کا حاصل ہونا وہ فضیلت رکھتا ہے، جس کے برابر کوئی عمل بھی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی صحابیت کے درجہ کو کوئی اور عمل حاصل کر سکتا ہے۔

فضائل کا دارومدار عقل پر نہیں، بلکہ اس کا دارومدار اللہ کے فضل پر، اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے۔"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے یہ واضح ہوگیا کہ صحابہ کرام کو افضلیت اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی صحابی کی فضیلت کو نہیں مانتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتراض کررہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقام معاویہ رضی اللہ عنہ:

"وقیل للأمام الجلیل عبد الله بن المبارك أمعاویة افضل أم عمر بن عبدالعزیز قال غبار فرس معاویة اذا غزا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر"۔

"امام جلیل عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ انہوں نے فرمایا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوہ میں گھوڑے کو استعمال فرمایا: اس گھوڑے کے پاؤں سے اٹھنے والا غبار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔"

(نبراس شرح شرح عقائد ص ۵۵۱)

"قال القاضی عیاض المالکی فی الشفاء قال مالك من شتم أحدا من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أبابکر أوعمر أو عثمان أومعاویة أو عمرو بن العاص رضی الله عنهم فان قال کانوا علی کفر وضلال قتل وان شتمهم بغیر هذا من مشاتمة الناس نکل نکالا شدیدا"۔

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء میں فرماتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس شخص نے صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو گالی دی خاص کر کے حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت امیر معاویہ یا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی ایک کو گالی دیں یعنی ان کو کافر یا گمراہ کہا تو وہ واجب القتل ہے، یعنی قاضی اور حاکم اسکے

(نبراس ص ۵۵۱)	قتل کرنے کا حکم نافذ کریں، اور اگر کفر یا گمراہی کی گالیوں کے بغیر اور گالی دی (یعنی کسی طرح بھی گستاخی کی) اسے سخت سزا دی جائے"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقام معاویہ رضی اللہ عنہ ومقام یزید:

"وسبه (ای معاویة) رجل عند خلیفة الراشد عمر بن عبدالعزیز فجلده وقال آخر امیر المؤمنین یزید فجلده"۔ (نبراس، ص ۵۵۱)	"ایک شخص نے نیک، رشد وہدایت والے خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں آپ نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا، ایک اور دوسرے شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کہا "امیر المومنین یزید" تو آپ نے اسے بھی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔"

کتنا ہی خوبصورت عقیدہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کر دیا، یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے اور واجب التعظیم تھے۔ اسی وجہ سے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے والے کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔

یزید حقیر و ذلیل تھا، ظالم تھا، امیر المومنین کہلانے کا حقدار نہیں تھا، اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو "امیر المومنین" کہنے والے کو بھی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔

من گھڑت حدیثوں کو پیش کرنے والے جہنمی ہیں:

آیئے! پہلے من گھڑت حدیثوں کو دیکھئے، اور حدیثیں گھڑنے والوں کی جہالت کو

دیکھئے پھر ان کا انجام دیکھئے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی یزید یحمله معاویة فقال اهل الجنة یحمل اهل النار" (هذه الحکایة موضوع)"

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید کو دیکھا کہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا: جنتی نے جہنمی کو اٹھایا ہوا ہے' یہ حکایت من گھڑت ہے۔"

وکذا ماذکره الشیعة انه رآهما فقال هما فی النار" (ای هذا موضوع ایضا)

"اسی طرح شیعہ من گھڑت حدیث پیش کرتے ہیں: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاویہ اور یزید دونوں کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ دونوں جہنمی ہیں"۔

ان دونوں حدیثوں کو وضع کرنے (گھڑنے) والوں کی جہالت کو دیکھئے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے دس سال مکمل کرنے کے بعد وصال فرما گئے۔ اس وقت مکمل کیلنڈر نہیں تھا۔ سن نبوی یا سن ہجری کا حساب ہوتا تھا' محرم سے سال کی ابتداء والا کیلنڈر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہوا۔ اس کیلنڈر کے مطابق یزید کی پیدائش دیکھئے:

"ولد سنة خمس وعشرین وقیل ست وقیل سبع"

"یزید کی پیدائش پچیس یا چھبیس یا ستائیس سن ہجری کو ہوئی۔"

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کم از کم ساڑھے پندرہ سال بعد یزید پیدا ہوا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ و یزید کو کیسے دیکھا؟

آیئے! احادیث گھڑنے والوں کا انجام دیکھئے:

جان بوجھ کر موضوع (من گھڑت) حدیثوں کو پیش کرنے والوں کا انجام دیکھئے:

"عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیة وحدثوا عن

"عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے طرف

بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار"۔

(رواہ البخاری، مشکوۃ باب العلم)

سے پہنچا دو خواہ ایک آیۃ ہی ہو، اور بنی اسرائیل کے متعلق بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا۔"

"قولہ فلیتبوأ ای فلیتخذ منزلۃ من النار وھو امر معناہ الخبر"

(مرقاۃ)

"یعنی اس نے جہنم کے مقاموں میں سے اپنے لئے ایک مکان بنالیا اور ساتھ ہی علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت بھی فرمائی کہ یہ لفظ اگرچہ امر ہے لیکن معنوی لحاظ پر خبر ہے۔"

اس لئے راقم نے خبر کا ہی معنی کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں احادیث:

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء فرمائی:

"اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدبہ" ھذا حدیث حسن غریب۔" (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب معاویہ ابن ابی سفیان)

"اے اللہ! ان کو ہدایت دینے والا بنا' ہدایت پر قائم فرما اور ان کے ذریعے اوروں کو ہدایت فرما۔"

(نبراس ص ۵۵۰' البدایہ والنہایہ ج ۸' ص ۱۲۱ ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان)

"اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب" (مسند احمد ای فی بحث مسند عرباض بن ساریہ نبراس ص ۵۵۰' البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۲۰ ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان)

"حضرت عرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطاء فرما اور ان کو عذاب سے بچا۔"

عمیر بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر سوائے بھلائی کے نہ کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ "اللھم اھدہ"

(ترمذی ابواب المناقب باب مناقب معاویۃ ابن ابی سفیان البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۲۲ ترجمۃ معاویۃ ابن ابی سفیان)

تنبیہ: جو روایت مسند احمد سے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی وہی حدیث مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور البدایہ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۱ میں بھی مذکور ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واكتفينا بما أوردناه من الأحاديث الصحاح والحسان والمستجادات عما سواها من الموضوعات والمنكرات"

"ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں وہ صحیح اور حسن ہیں اور جن کی سند جید ہے کوئی موضوع اور منکر حدیث نہیں بیان کی۔"

(البدایہ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۲ ترجمہ معاویۃ ابن ابی سفیان)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں احادیث کا ذکر نہ ہونا غلط ہے:

"وما قيل من أنه لم يثبت في فضله حديث فمحل نظر"

(نبراس ص ۵۵۰)

"جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی حدیث مذکور نہیں، یہ قول محل نظر ہے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ تھے:

"وقيل لابن عباس ان معاوية صلى الوتر ركعة واحدة قال دعه فانه فقيه صحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، كما في صحيح البخاري"

(نبراس ص ۵۵۱)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی۔ آپ نے فرمایا: انکو چھوڑ دو وہ فقیہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔"

حدیث ترمذی کی وضاحت مرقاۃ سے:

"عن عبدالرحمن بن أبي عميرة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال لمعاوية اللهم اجعله هاديا

مهدیا واهدبہ" (رواہ الترمذی، مشکوۃ جامع المناقب)

"**ابی عمیرۃ**" بفتح وکسر یعنی لفظ مکبر ہے مصغر نہیں (عن النبی ﷺ لمعاویۃ) "الظاھر المتبادر من الاطلاق أنه معاویة بن أبی سفیان والا فمعاویة بن الحکم ومعاویة بن جاھمة ایضا من الصحابة" صحابہ میں "حضرت معاویہ" جب مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس سے مراد "معاویة بن ابی سفیان" ہوتے ہیں اگرچہ "معاویہ بن الحکم اور معاویہ بن جاہمہ" بھی صحابی ہیں لیکن وہ مراد نہیں۔

طلباء کرام بخوبی جانتے ہیں جب مطلقاً (عبداللہ) ذکر کیا جائے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعود ہوتے ہیں اور جب مطلقاً ابن عمر ذکر کیا جائے تو اس مراد عبداللہ بن عمر ہوتے ہیں اور جب مطلقاً "انس" ذکر کیا جائے تو اس سے مراد انس ابن مالک ہوتے ہیں وغیرہ کئی اور مثالیں موجود ہیں۔ (راقم)

"**اللھم اجعلہ ھادیا**" ای للناس اودالا علی الخیر" (نبی کریم ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا: اے اللہ! اس کو ہادی بنا) اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے لوگوں کو ہدایت دینے والا بنا اور اے اللہ! اسے خیر کی دلالت کرنے والا بنا۔ "**مھدیا**" "بفتح المیم و تشدید الیاء ای مھتدیا فی نفسه"

نبی کریم ﷺ نے اپنی دعا میں جو یہ فرمایا: اے اللہ! اسے مہدی بنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! اسے ہدایت پر قائم رکھ۔

(**واھدبہ**) ای بمعاویة الناس فیه تاکید لمعنی الھدایة المتعدیة" نبی کریم ﷺ نے جب یہ جمع فرمایا "اے اللہ! اس کے ذریعے ہدایت دے" اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! معاویہ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے اس میں تاکید ہے ہدایۃ متعدیہ کی۔

طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"**واھد**" متعدی ہے اس کے بعد باء کا ذکر ہے جس سے معنی متعدی کی تاکید کی گئی ہے۔

فائدہ جلیلہ:

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا ارتیاب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن کان ھذا حالہ کیف یرتاب فی حقہ"

(از مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱ ص ۴۳۸ جامع المناقب)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء قبول ہوچکی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے دعاءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت دینے والا بنایا اور ہدایت پر قائم رکھا اور اس کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت دی تو اس شخصیت کے بارے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔''

خدا کا خوف کیجئے!

جس شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فقیہ اور صحابی رسول کہیں۔ اس کی فقاہت و صحابیت میں شک کرنے والے کیسے ہیں؟ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کریں: اے اللہ! اسے کتابت کا علم عطا فرما' اسے حساب کا علم عطا فرما' اسے عذاب سے بچا۔ اس کے بارے میں شک کرنا کہ وہ عذاب میں مبتلاء ہوگا' اس سے بندہ اپنی عاقبت ہی خراب کرے گا۔

کوئی کہے کہ وہ کاتب وحی نہیں تھے تو اس کی بات کو مانوں یا اکابر کی بات کو مانوں۔ آیئے! اکابرین کی کتب' البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱' اور مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۰۷' اور الاستیعاب تحت الاصابہ ج ۳ ص ۳۷۵، کا مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چل جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔

طلباء کرام بخاری شریف کے بین السطور میں کرمانی کے حوالہ سے آپ کے کاتب وحی ہونے کو دیکھیں۔ کیا تمام صحابہ کرام کاتب وحی تھے' کاتب وحی ہونا تو اضافی فضیلت ہے' حقیقی فضیلت تو صحابی ہونے میں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتابت حدیث پاک سے:

"حدثنا عکرمۃ حدثنا ابوزمیل حدثنی ابن عباس قال کان المسلمون لا ینظرون الی ابی سفیان ولایقاعدونہ فقال یا نبی اللہ ثلاث اعطنیھن قال نعم قال عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبۃ بنت ابی سفیان ازوجکھا قال نعم، قال و معاویۃ تجعلہ کاتبا بین یدیک قال نعم قال و تؤمرنی حتی اقاتل الکفار کما کنت اقاتل المسلمین قال نعم' قال ابوزمیل ولولاانہ طلب ذلک من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یکن یسأل اعطاہ ذلک لأنہ لم یکن یسأل شیئا الاقال نعم"۔

(مسلم ج۲ص۳۱۲باب فضائل ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمان (حضرت) ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کی طرف نظر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھتے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تین چیزیں آپ مجھے عطاء فرمائیں، تو آپ نے فرمایا: ہاں (ٹھیک ہے)! انہوں نے عرض کیا: میرے پاس عرب کی حسین و جمیل ام حبیبہ بنت ابی سفیان ہے (یعنی میرے بیٹی ام حبیبہ جو عرب کی عورتوں سے زیادہ حسینہ و جمیلہ ہے) میں اس کا نکاح آپ سے کروں، تو آپ نے فرمایا: ہاں (ٹھیک ہے)! پھر انہوں نے عرض کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ اپنا کاتب بنالیں' آپ نے فرمایا: ہاں! (ٹھیک ہے)

پھر انہوں نے عرض کیا آپ مجھے کسی جنگ کا امیر بنا دیں یہاں تک کہ میں کافروں سے جنگ کروں جب میں مسلمانوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہاں (ٹھیک ہے) ابوزمیل راوی (اپنی رائے بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں اگر یہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ طلب کرتے تو آپ ان کو نہ عطا کرتے کیونکہ انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا مگر یہ کہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "نعم" ہاں (ٹھیک ہے)۔

وضاحت حدیث:

آخری دوسوالوں میں تو کوئی بحث نہیں اس لئے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب عرض کیا کہ آپ (میرے بیٹے) معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب بنالیں، تو میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب بنالیا۔

حدیث پاک کو دیکھ کر اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، کیا یہ منصب کم ہے؟ محبّ صحابہ تو یوں کہے گا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس لئے فضیلت رکھتے تھے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ آپ کا کاتب وحی ہونا بھی محققین کے نزدیک ثابت ہے لیکن کاتب مراسیل وخطوط ہونا کیا کم درجہ فضیلت ہے؟

لیکن جس کے دل میں بغض معاویہ رضی اللہ عنہ ہوگا وہ یہی راگ الاپتا رہے گا: ''معاویہ کاتب وحی نہیں تھے''۔ اس کا یہ کہنا ہی دلالت کر رہا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے بغض رکھتا ہے۔ بغض صحابہ سے وہ اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے کسی کا کوئی نقصان نہیں۔

تیسرے سوال میں جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کرتے ہوئے کہا "تؤمرنی" زیادہ حضرات نے تو اس لفظ کو باب تفعیل سے لیا ہے اسی کے مطابق راقم نے ترجمہ کیا ہے مجھے (کسی جنگ) میں امیر بنادو لیکن باب افعال سے بھی لیا جا سکتا ہے، جس کا معنی یہ کہ آپ میرے لئے حکم فرمادیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو بھی قبول فرمالیا۔ کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دے دی۔

خیال رہے کہ صحابہ کرام کے اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کی دشمنی کا ذکر کرنا بدترین جہالت ہے، اس لئے کہ "الاسلام یھدم ما مضی" اسلام تو پہلے تمام جرائم کو مٹادیتا ہے جب کفر مٹ جاتا ہے تو اور پیچھے کیا رہا۔ (راقم)

سب سے پہلے سوال میں یہ اشکال پیش کیا گیا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن آٹھ سن ہجری میں اسلام قبول کیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پہلے سے اسلام قبول کیا

ہوا تھا' ان کا نکاح چھ یا سات سن ہجری میں حبشہ میں حاکم حبشہ کی وکالت سے ہوا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ کیسے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں؟

پہلا جواب:

"انه سأله تجديد عقد النكاح تطييبا لقلبه" انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید نکاح کا مطالبہ کیا تا کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ کیونکہ وہ اپنے خاندان کے رئیس تھے ان پر یہ عیب لگایا جاتا تھا کہ تمہاری بیٹی نے تمہاری اجازت کے بغیر نکاح کر لیا ہے۔ (لیکن یہ جواب زیادہ قوی نہیں کیونکہ صراحتاً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے تجدید نکاح کا مطالبہ نہیں کیا، اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید نکاح کا ثبوت ملتا ہے۔ (راقم)

دوسرا جواب:

"فلعله صلی اللہ علیہ وسلم اراد بقوله نعم ان مقصودك يحصل و ان لم يكن بحقيقة عقد" والله اعلم"۔

(نووی شرح مسلم ج۲ ص۳۱۲)

""نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "نعم" (ہاں! ٹھیک ہے) کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہاں تمہارا مقصود تو پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے' حقیقی عقد مراد نہیں۔""

ابن حزم کی غلطی:

ابن حزم نے اسی اعتراض کو دیکھ کر کبھی یوں کہا:

"هذا الحديث وهم من بعض الرواة لأنه لاخلاف بين الناس ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم تزوج أم حبيبة قبل الفتح بدهر وهي بأرض الحبشة وابوها كافر"

""یہ حدیث بعض راویوں کا وہم ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ سے فتح مکہ سے پہلے ہی کچھ زمانہ نکاح کر لیا تھا جبکہ وہ حبشہ میں تھیں اور ان کا باپ کافر تھا۔""

اور ابن حزم نے کبھی یوں کہا:

" أنه موضوع"" قال والافة فيه من عكرمة بن عمار الراوی عن ابی زمیل" (مصغر)

''کہ یہ حدیث موضوع ہے' اس میں عکرمہ بن عمار راوی ہے جو ابو زمیل سے روایت کرتا ہے۔ (وہ ضعیف ہے)۔''

ابن حزم کا رد:

شیخ ابوعمرو بن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزم کا رد بلیغ فرمایا۔ اس کی بدگوئی کو بہت ہی زیادہ واضح بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

" وهذا القول من جسارته فانه كان هجو ما على تخطئة الائمة الكبار واطلاق اللسان فيهم قال ولانعلم أحد من ائمة الحديث نسب عكرمة بن عمار الى وضع الحديث وقد وثقه وكيع ويحيى بن معين وغيرهما وكان مستجاب الدعوة قال توهمه ابن حزم من منافاة هذا الحديث لتقدم زواجها غلط و غفلة و جهل"۔
(نووی شرح مسلم ج۲ص۳۱۲)

''ابن حزم کا یہ قول اس کی جسارت ہے کیونکہ اس نے بڑے بڑے ائمہ کرام کی خطا بیان کر کے ان پر حملہ کیا ہے' اور ان کے حق میں اس نے زبان کھول دی ہے' پھر آپ نے کہا کہ ہمیں تو یہ کوئی پتہ نہیں چلا کہ ائمہ حدیث نے حضرت عکرمہ بن عمار کی نسبت وضع حدیث کی طرف کی ہو' حالانکہ عکرمہ بن عمار کو تو وکیع اور یحیی بن معین وغیرہ نے ثقہ راوی کہا ہے اور وہ مستجاب الدعا تھے۔ (حدیثوں کو گھڑنے والا جہنمی تو ہو سکتا' مستجاب الدعاء نہیں ہو سکتا) پھر شیخ ابو عمر نے کہا کہ ابن حزم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ام حبیبہ سے پہلے نکاح کی وجہ سے اس حدیث کے متعلق جو چہ میگوئیاں کی ہیں یہ اس کی غلطی اور غفلت اور جہالت ہے۔''

اس کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جواب نقل فرمائے ہیں جو راقم نے پہلے ذکر کر دیئے ہیں۔

فائدہ:

شیخ ابوعمرو کی بحث سے یہ پتہ چل گیا کہ اکابرین کے خلاف زبان کو کھولنے والا اور ان پر بدگوئی کے حملے کرنے کی جسارت کرنے والا غلط راہ پر چلتا ہے، وہ دین حق کو سمجھنے سے غافل ہوتا ہے اور وہ بدترین جاہل ہوتا ہے۔ (راقم)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک طویل حدیث میں مذکور ہے:

(جب انصار نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا قریش کو کاٹ دو تو ابوسفیان نے سمجھ لیا وہ اسلام قبول کر چکے تھے)

" فجاء ابو سفیان فقال یا رسول الله ابیحت خضراء قریش لا قریش بعد الیوم ثم من دخل دار أبی سفیان فهو آمن "۔
(مسلم ج۲ص۱۰۲باب فتح مکہ)

" تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ کیا قریش کی جماعت کو (قتل کر دینا) مباح قرار دیا گیا؟ اس طرح تو قریش آج کے بعد ختم ہو جائیں گے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہو گیا وہ امن میں ہے۔"

اس حدیث پاک کو دیکھ کر خدارا انصاف کیجئے! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے سابقہ کفر اور مسلمانوں کی دشمنی کو دیکھا؟ یا کہ ان کے اسلام کو دیکھا؟ یقیناً بات یہی ہے کہ آپ نے ان کے اسلام کو دیکھا اور اس کو عظیم انعام سے نوازا کہ جو بھی ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر داخل ہو کر دروازے بند کر دے گا وہ ہماری پناہ میں ہے اسے کچھ بھی نہیں کہا جائے گا۔

آئیے! انصار کی محبت کو بھی دیکھتے چلیں:

اسی حدیث میں آگے آ رہا ہے:

"فقالت الانصار بعضهم لبعض اما الرجل فادركته رغبة فی قريته ورأفه بعشيرته' قال ابو هريرة وجاء الوحی وكان اذا جاء الوحی لا يخفی علينا فاذا جاء فليس أحدی يرفع طرفه الی رسول الله ﷺ حتی ينقضی الوحی فلما انقضی الوحی قال قال رسول الله ﷺ يا معشر الانصار قالوا لبيك يا رسول الله قال قلتم أما الرجل فادركته رغبة فی قريته قالوا قد كان ذالك قال كلا انی عبدالله ورسوله هاجرت الی الله واليكم والمحيا محياكم والممات مماتكم فاقبلوا اليه يبكون ويقولون والله ما قلنا الذی قلنا الا الضن بالله وبرسوله ﷺ فقال رسول الله ﷺ ان الله يصدقانكم ويعذرانكم قال فاقبل الناس الی دار أبی سفيان واغلق الناس ابوابهم"۔

(مسلم ج۲ص۱۱۰)

''انصار بعض کو کہنے لگے اس شخص کو اپنی بستی سے رغبت ہو گئی اور اپنے قبیلے پر مہربان ہو گئے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پر وحی آ گئی آپ پر جب وحی آتی تھی تو ہم پر پوشیدہ نہیں رہتی تھی' جب وہ وحی ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے انصار کے قبیلہ! انہوں نے عرض کیا'' لبیک یا رسول اللہ'' آپ نے فرمایا یہ کیا تم نے کہا کہ اس شخص کو اپنی بستی سے رغبت ہو گئی؟ انہوں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' میں نے اللہ کی رضا کیلئے ہجرت کی اور تمہاری طرف ہجرت کی میری زندگی تمہاری زندگی کیساتھ ہے' میری (ظاہری) وفات تمہاری وفات کے ساتھ ہے۔ انصار صحابہ کرام آپ کی طرف روتے ہوئے متوجہ ہوئے، اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہم نے یہ بات صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے حرص رکھنے کی وجہ سے کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور (تمہارے عذر کو قبول کرتے ہیں) لوگ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہو کر دروازے بند کرنے لگے۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا "انی عبداللہ ورسولہ" اس کے دو مطلب ہیں:

پہلا مطلب:

"انی رسول الله حقا فيأتيني الوحي واخبر بالمغيبات كهذه القضية وشبهها فثقوابما اقوله لكم واخبركم به في جميع الأحوال"

"آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے: "بیشک میں اللہ کا رسول ہوں یہ حق بات ہے میرے پاس وحی آتی ہے میں غیبی خبریں دیتا ہوں جب یہ واقعہ اور اس کی مثال اور واقعات میں آپ نے غیبی خبریں دیں، تا کہ میں جو تمہیں بتاؤں اس پر وثوق حاصل ہو جائے اور جو خبر بھی میں تمہیں تمام حالات کی دوں اس پر تمہیں وثوق حاصل ہو جائے۔"

"نبی کریم ﷺ غیبی خبریں دیتے ہیں" یہ علامہ نووی کا قول ہے مجھے کوئی کچھ نہ کہے کہ یہ تو نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے قائل ہیں۔ ہاں! ہاں! قائل تو ضرور ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور بزرگان دین اور علماء محققین کو دیکھ کر۔ (راقم)

دوسرا مطلب:

"لا تفتتنوا بأخباري اياكم بالمغيبات وتطروني كما اطرت النصارى عيسى صلوات الله عليه فاني عبد الله ورسوله"

"میں تمہیں غیبی خبریں دیتا ہوں ان کی وجہ سے فتنہ میں نہ پڑ جانا، اور میری حد سے زیادہ تعریف نہ کرنا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی نصاری نے حد سے زیادہ تعریف کر کے کسی فرقہ نے ان کو خدا کہا اور کسی نے خدا کا بیٹا کہا مجھے ایسے نہ کہنا کیونکہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔"

۞ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میری زندگی اور میری موت آپ کے ساتھ ہے۔ "ھذا ایضامن المعجزات" اور یہ بھی نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے معجزہ ہے۔ کہ آپ نے بتادیا کہ میرا وصال مدینہ طیبہ میں ہی ہوگا کسی اور جگہ نہیں ہوگا۔

اسی سے "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" کا مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ امور خمسہ کا علم نبی کریم ﷺ کو ذاتی طور پر نہیں تھا عطائی طور پر آپ کو علم حاصل تھا۔ (حوالہ کیلئے مشکوۃ شریف کی دوسری حدیث کی شرح اشعۃ اللمعات کو دیکھئے)

"وما قلنا الذی قلنا الا الضن بك" ھو بكسر الضاد ای شحابك ان تفارقنا ويختص بك غيرنا"

"ان کا یہ کہنا "وما قلنا الذی قلنا الا الضن بك" کا لغوی معنی تو یہ ہے (کہ ہم نے نہیں کہا جو کہا مگر آپ کے ساتھ بخل کرتے ہوئے) کہ آپ ہم سے جدا نہ ہو جائیں اور ہمارے بغیر اوروں کو اپنا خاص نہ بنالیں۔"

لیکن اس کا مرادی معنی یہ ہے:

"الا حرصا علیك وعلی مصاحبتك ودوامك عندنا لنستفيد منك ونتبرك بك وتھدینا الصراط المستقیم"۔ کما قال اللہ تعالیٰ (وانك لتھدی الی صراط مستقیم)

"ہم نے نہیں کہا جو کہا مگر آپ پر حرص کرتے ہوئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ کی مصاحبت اور آپ کا دوام ہمیں ہی حاصل رہے تا کہ ہم آپ سے فائدہ حاصل کرتے رہیں اور ہم آپ سے برکت حاصل کرتے رہیں اور یہ کہ تم ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دیتے رہو جیسے (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (ترجمہ) "اور بیشک آپ ہدایت دیتے ہیں سیدھی راہ کی۔"

اعتراض:

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو معاویہ کو استخلاف سے خارج کیا آپ کا استخلاف سے خارج کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ کی کوئی خاص فضیلت نہ تھی۔

جواب:

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے سیاق وسباق سے ہٹ کر ایک جملہ پیش کر کے بغض معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ آیئے! آپ کی عبارت دیکھئے شاید آپ کو اپنی جہالت کی وجہ سے بات نہ سمجھ آئے' اس لئے راقم کچھ وضاحت بھی ان شاء اللہ کردے گا۔

سورۃ نور میں مندرجہ بالا آیۃ استخلاف "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات" (الآیۃ) کے مصداق بھی یہی حضرات اربعہ (چار خلفاء راشدین) مع الاعوان من الصحابہ (صحابہ کرام سے بمع مددگاروں کے) ہیں' بنوامیہ' جناب معاویہ رضی اللہ عنہ وبنوعباس آیۃ استخلاف سے خارج ہیں کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' مراد آیۃ استخلاف سے وہ لوگ ہیں جو سورۂ نور کے نزول کے وقت حاضر تھے۔

اس آیۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ مہاجرین اولین حاضرین بروقت نزول سورہ نور میں سے بعض کو وعدہ دیتا ہے۔ کہ میں ان کو خلیفہ بناؤں گا اور زمین میں ان کو تمکین اور تصرف وسلطنت مع اقامت دین عطا کر دوں گا جس طرح ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا (مثلاً حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یوشع اور حضرت داؤد کے بعد حضرت سلیمان علی نبینا (صلوات اللہ وعلیہم) الفاظ "کما استخلف الذین من قبلھم" کے بڑھانے سے یہ دکھلانا مقصود ہے کہ جس طرح توراۃ میں بیان شدہ ایک سفر میں اللہ تعالیٰ نے بلاد شام کی فتح کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا جو بمقتضائے حکمت الٰہیہ موسوی زمانہ میں پورا نہ ہوا بلکہ ان کے خلیفہ یوشع علیہ السلام کے ہاتھ پر اس بلاد کے فتح ہونے کے بعد پورا ہوا جو بحسب وصیت موسوی بنی اسرائیل

پر تقسیم ہوئی۔

اسی طرح سید الاولین والآخرین ﷺ سے جو وعدہ دین اسلام کو سارے ادیان پر غالب کرنے کا قرآن کریم میں کیا گیا تھا وہ بمقتضائے الٰہی خلفائے اربعہ کے عہد میں متحقق ہوا۔ چنانچہ اسی آیۂ استخلاف میں فرمایا "ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم" یعنی اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اولین حاضرین نزول سورۃ نور سے بدیں معنی خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے کہ مشرکین عرب کی ہلاکت کے بعد یہ لوگ نہ صرف عرب میں بسیرا کریں گے اور ان کے جانشین ہوں گے بلکہ ان کو سلطنت اور تصرف عطاء فرما کر ان ہی کے ہاتھ پر خدائی اور پسندیدہ دین قائم کیا جائے گا تمکین فی الارض با اقامت دین اسلام ہی معنی ہے خلافت راشدہ کا۔ (تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۶،۵)

سید الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کی وضاحت:

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے نتیجہ یہ نکلا کہ چند امور کو مد نظر رکھا جائے۔

① اللہ تعالیٰ نے وعدۂ استخلاف فرمایا کہ "اللہ نے وعدہ فرمایا ایمان والوں اور اچھے عمل کرنے والوں سے کہ ان کو ضرور بر ضرور خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

② دوسری چیز آپ نے خلافت خاصہ کا ذکر فرمایا (جس کا ذکر راقم نے گذشتہ اوراق میں کر دیا ہے) اس میں خلافت عامہ والی تمام شرائط پائے جانے کے ساتھ ایک خصوصی شرط کا ذکر آپ نے یوں فرمایا اسی خلافت خاصہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی کہ دنیا میں کچھ عرصہ نبوت و رحمت پھر میرے بعد تیس سال خلافت و رحمت اس کے بعد آمرانہ سلطنت اور پھر اس کے بعد کبر اور حدود الٰہیہ سے تجاوز ہوگا۔ خلفاء اربعہ اور سیدنا حسن علیہم الرضوان کا زمانہ تیس سال ہے

جس پر خلافت ورحمت کا خاتمہ ہو گیا۔ (تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۸)

نتیجہ واضح ہوا:

کہ پہلی قسم وعدہ استخلاف جو خلفائے اربعہ پر پورا ہوا۔ دوسری قسم خلافت ورحمت تیسری قسم آمرانہ سلطنت لیکن ظالمانہ نہیں لیکن چوتھی قسم کبراور حدود الٰہیہ سے تجاوز۔

اعتراض:

ایک روایت میں اگر یہ ہے:

"الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا"

"میرے بعد خلافت تیس سال ہو گی اس کے بعد بادشاہت ہو گی۔"

لیکن دوسری روایت میں ہے:

"عن سماك بن حرب قال سمعت جابر بن سمرة یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة ثم قال کلمة لم افهمها فقلت لأبی ما قال فقال کلهم من قریش"۔

(مسلم ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب الامارة)

"سماک بن حرب کہتے ہیں میں نے جابر بن سمرہ کو کہتے سنا وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا بارہ خلفاء تک اسلام ہمیشہ عزیز رہے گا۔ اس کے بعد آپ نے کچھ ارشاد فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے فرمایا وہ تمام قریش سے ہوں گے۔"

ان دونوں حدیثوں میں تعارض پایا گیا ہے اس لئے کہ تیس سال خلفاء اربعہ تک مکمل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اختتام تک تیس سال مکمل ہوتے ہیں اسی طرح تیس سال پانچ خلفاء تک مکمل ہو جاتے ہیں، بارہ خلفاء کا ذکر کیسے؟

جواب:

"والجواب عن هذا ان المراد فی حدیث الخلافة ثلاثون سنة خلافة النبوة وقد جاء مفسرا فی بعض الروایات" خلافة النبوة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا ولهم یشترط هذا فی اثنی عشر"۔

(نووی شرح مسلم ج ص ۱۲۷)

"اس سوال کا جواب یہ کہ نبی کریم ﷺ نے جس خلافت کا ذکر فرمایا ہے وہ خلافت نبوت ہے۔ اس لئے کہ بعض روایات میں واضح طور پر ذکر ہے خلافت نبوت میرے بعد تیس سال ہو گی، پھر بادشاہت ہو گی، خلافت نبوت کی شرط بارہ خلفاء میں ہو گی۔"

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے راقم نے یہ سمجھا:

پانچ خلفاء یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ تک خلافت نبوت ہو گی۔ ان کے علاوہ اور وہ ہوں گے جن کے دور میں اسلام عزیز رہے گا' اسلام کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ بارہ خلفاء لگا تار نہیں ہوں گے' وہ سب قریشی ہوں گے۔

ذرا غور کریں تو بہت واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں' قریشی ہیں۔ تمام شرائط خلافت آپ میں پائی گئیں آپ کو خلافت نبوت تو حاصل نہیں لیکن آپ بارہ خلفاء میں یقیناً آتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بارہ خلفاء میں کیا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بارہ خلفاء میں نہ کیا جائے۔

اعتراض:

نبی کریم ﷺ نے تو فرمایا کہ تیس سال کے بعد بادشاہت قائم ہو گی تم کہتے ہو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے میں کہتا ہوں وہ بادشاہ تھے' خلیفہ نہیں تھے۔

جواب:

کاش! میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کا ارشاد سمجھ آئے' آپ کا ارشاد گرامی یہ

ہے "ثم ملکا" ذرا ان الفاظ کو اہل علم غور سے دیکھیں کہ لفظ "ثم" ذکر ہے۔

لفظ "ثم" تراخی زمانی کو چاہتا ہے تراخی کی کوئی حد نہیں قانون یہ کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی بن سکے تو مجازی معنی نہیں لیا جا سکتا کون سا صحیفہ آسمانی ظالموں پر اترا ہے جس سے وہ معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بادشاہ اور ظالم کہہ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔

آیئے! بیہقی کی حدیث دیکھئے:

"عن ابی عبید و معاذ بن جبل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان هذا الأمر بدأ نبوة ورحمة ثم یکون خلافة و رحمة ثم ملکا عضوضا ثم کائن جبریة و عتوا و فسادا فی الارض یستحلون الحریر والفروج والخمور یرزقون علی ذلك و ینصرون حتی یلقوا اللہ"

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ باب الانذار و التحذیر)

"حضرت عبید اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک یہ امر نبوت و رحمت سے شروع ہوا پھر خلافت و رحمت ہوگی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی پھر جبر (ظلم) سرکشی اور زمین میں فساد ہوگا وہ ریشم کو حلال سمجھیں گے، اور زنا کو جائز سمجھیں گے اس پر انہیں شراب پلایا جائے گا اور ان کی امداد کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے آملیں گے۔"

وضاحت حدیث:

راقم کی رائے یہ ہے کہ جس طرح قرآن پاک بعض بعض کا بیان ہے، اسی طرح احادیث بھی ایک دوسری کا بیان ہیں۔ اس لئے اگر یوں بیان کیا جائے کہ ابتداء اس اُمر کی یعنی دین اسلام کی ابتداء نبوت و رحمت سے ہوئی پھر میرے بعد خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر مختلف دور میں بارہ خلفاء میں خلافت رہے گی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔

اس کے بعد جبر و تشدد سرکشی اور زمین میں فساد ہوں گے یہ ان لوگوں کا دور ہوگا جن کی حکومت کے دوران ریشم اور زنا حلال سمجھے جائیں گے۔ اسی خوشی میں شراب پلائے

جائیں گے اوران کی (بے دینی کے رواج میں امداد کی جائے گی رب سے جب ملیں گے تو اپنا انجام دیکھ لیں گے۔(راقم)

آیئے! راقم کی رائے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ''لمعات'' میں دیکھئے:

"قوله ان هذا الأمر و معنى هذا الحديث انه كان اول الدين نزول الوحي والرحمة ثم بعد انقضاء زمن الخلفاء الراشدين زمان رحمة و شفقة و عدل ثم يوهن الأمر و ظهر بعض الظلم ثم كائن الخ"۔

''حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ بیشک دین کی ابتداء نزول وحی اور رحمت سے ہوئی، پھر خلفاء راشدین کے زمانہ کے ختم ہونے پر بھی رحمت وشفقت وعدل کا زمانہ قائم رہا۔اس کے بعد اس میں کمزوری آتی گئی، بعض مظالم ظاہر ہونے لگے' پھر یہ سلسلہ جاری رہے گا۔''

لمعات کی اس مذکورہ عبارت سے راقم کو یہی سمجھ آیا کہ دین کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہے پھر خلافت نبوت رہی پھر رحمت وشفقت اور عدل قائم رہے یہ وہ زمانہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے۔اجتہادی اختلاف بے دینی اور ظلم نہیں۔

تنبیہ:

خلفاء راشدین کے بعد کوئی سلسلہ بھی لگا تار جاری نہ رہا۔نہ ہی بارہ خلفاء لگا تار آئے اور نہ ہی ظالم حکمران لگا تار آئے کبھی کوئی خلیفہ برحق آ گیا' کبھی ظالم حاکم آ گیا' پھر کوئی خلیفہ برحق آ گیا' پھر کوئی ظالم آ گیا' یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔

اعتراض:

"السوال الثاني انه قد ولي اكثر من هذا العدد قال و هذا اعتراض باطل لأنه صلی اللہ علیہ وسلم لم يقل لايلي الااثنا عشر خليفة و انما قال

''دوسرا سوال (پہلا سوال تیس سال خلافت اور بارہ خلفاء کے تعارض کا بیان ہو چکا ہے) یہ ہے کہ خلفاء تو بارہ سے زیادہ ہوئے ہیں۔

وقد ولي هذا العدد ولایضر کونه وجد بعد هم غیر هم"۔

بارہ کی حد کس طرح صحیح ہے۔"

جواب:

نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ صرف بارہ خلفاء ہوں گے بلکہ بارہ کا ذکر فرمایا بارہ کو خلافت حاصل ہونی ہے زیادہ کی نفی نہیں "ولا بد من تمام هذا العدد قبل قيام الساعة" "یہ تعداد قیامت سے پہلے ضرور مکمل ہونی ہے۔ (نووی شرح مسلم ج۲ص۱۲۷)

بہتر جواب:

بارہ خلفاء کے علاوہ سب خلفاء کو نبی کریم ﷺ نے ظالم نہیں کہا' بلکہ مراد یہ ہے کہ بارہ خلفاء کو عدل وانصاف خلفاء راشدین کی طرح حاصل ہوگا وہ دیندار ہوں گے' دین کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔

ہاں! بارہ کے علاوہ خلفاء راشدین کی طرح کامل عادل تو نہیں ہوں گے لیکن ان میں بہت تعداد میں ایسے ہوں گے' جن کی اچھائیاں زیادہ ہوں گی اور برائیاں کم ہوں گی' عدل زیادہ ہوگا' ظلم کم ہوگا۔ ہاں! بہت سی تعداد میں وہ بھی ہوں گے جن میں ظلم زیادہ ہوگا' انصاف تلاش کرنے پر نہیں ملے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب) (راقم)

راقم کے اس جواب کو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ سے تائید مل رہی ہے:

"ویحتمل، ان یکون المراد مستحق الخلافة العادلين"۔ (نووی ج۲ص۱۲۷)

"بارہ خلفاء کے متعلق یہ ہے کہ خلافت کے مستحق اور کامل عادل ہوں گے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہ ماننے سے شانِ امام حسن رضی اللہ عنہ میں گستاخی لازم آتی ہے۔

"عن أبي بكرة قال رأيت رسول الله ﷺ على المنبر والحسن بن علي الى جنبه وهو

"حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا جبکہ

یقبل الناس مرۃ و علیہ أخری و یقول ان ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین"۔

(رواہ البخاری، مشکوۃ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کی ایک طرف میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں اور کبھی امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ بیشک یہ میرا بیٹا سردار ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔"

وضاحت حدیث:

"ان ابنی ھذا سید" اس کا ایک مطلب یہ ہے:

" وھو من لایغلبہ غضبہ"

"کہ اس پر غصہ غالب نہیں ہوتا۔"

اور دوسرا مطلب یہ ہے:

" وھو الذی یفوق فی الخیر یعنی نسباً و حسباً علماً و عملاً"

"کہ اسے خیر میں فوقیت حاصل ہے، یعنی حسب و نسب اور علم و عمل ہر لحاظ پر آپ کو فوقیت حاصل ہے۔"

(ولعل اللہ)"أتی بصیغۃ الرجاء ایماء الی عدم وجوب شئ علی المولی فالمعنی أرجو منہ سبحانہ"(ان یصلح بہ) ای بسببہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین)

"ترجی (امید کا اظہار کرنا) کا کلمہ "لعل" ذکر کیا ہے۔ اشارہ ہے کہ مولی پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اسلئے معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالی سے امید کرتا ہوں۔ اس (میرے بیٹے) کے ذریعے اللہ تعالی مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔"

اسی سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی عظیم شان سمجھ آ گئی۔ اس لئے کہ رسول ﷺ نے ان کو "سید" کہا ہے کہ یہ حسب و نسب اور علم و عمل میں عظیم مقام رکھتا ہے۔

سبحان اللہ! جس کی سیادت کو میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ بیان فرمائیں اس سے بڑھ کر اس وقت جب خلفشار تھا کون بڑا ہو سکتا تھا؟

مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں سے مراد ایک جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی کہ ان کے ساتھ بھی کثیر مسلمان تھے اور دوسری جماعت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تھی ان کے ساتھ بھی کثیر تعداد میں مسلمان تھے۔ چالیس ہزار شخص تو آپ پر جان قربان کرنے کی بیعت کر چکے تھے۔ لیکن آپ نے کامل تقویٰ کی وجہ سے اپنے نانا رسول ﷺ کی امت پر شفقت کرتے ہوئے بلکہ رسول ﷺ کے ارشاد کو بجالاتے ہوئے دنیا سے اور دنیا کی حکومت سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم مرتبہ کو پالیا:

"وقال واللہ ما اجبت منذ علمت ما ینفعنی و یضرنی ان لی امر محمد ﷺ علی ان یھراق فی ذلك محجمة دم"۔

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی مجھے یہ پسند نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی امت کا معمولی مقدار میں بھی خون بہایا جائے، میرے سامنے رسول ﷺ کا حکم بھی موجود ہے اور مجھے یہ پتہ ہے کہ دنیا کی حکومت کے رہنے میں کوئی نفع نہیں۔ اور اس کے جانے سے کوئی نقصان نہیں۔''

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے شیعہ کی گستاخی:

"وشق ذلك علی بعض شیعته حتی حملته العصبیة علی ان قال عند الدخول السلام علیك یا عار المومنین فقال العار خیر من النار"

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے شیعہ (گروہ) میں سے کسی خاندانی عصبیت کی وجہ سے اس شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر یوں کہا: تم پر سلام ہو اے مسلمانوں کو شرم دلانے والے! حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے کیا خوب جواب دیا: شرم دلانا آگ

سے بہتر ہے۔"

"وفی شرح السنة فی الحدیث دلیل علی ان واحدا من الفریقین لم یخرج بما کان معه فی تلك الفتنة من قول أوفعل عن ملة الاسلام لأن النبی ﷺ جعلهم کلهم مسلمین"

"شرح سنہ میں بیان کیا گیا ہے یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی "اس فتنہ کے دور میں خواہ وہ فتنہ قولی ہو یا فعلی" ملت اسلامیہ سے نہیں نکلا' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے دونوں گروہوں' یعنی دونوں بڑی جماعتوں کو مسلمان کہا۔"

مقام افسوس!

حضور ﷺ تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف کریں کہ یہ سید ہے یعنی بہت بڑے منصب والا ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا، لیکن لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دشمنی کی وجہ سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا نام لینا پسند نہیں کرتے' ان کی شان نہیں بیان کرتے کاش! "حسین' حسین" کہنے والو! کبھی "حسن' حسن" بھی کہہ لیا کرو۔

(1) نبی کریم ﷺ تو دونوں جماعتوں کو مسلمان کہیں تم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں (جن میں اکثریت صحابہ کرام کی ہے) کو کبھی ظالم کہو' کبھی صحابیت سے نکالو' کبھی اسلام سے خارج کرو۔ تف ہے تمہاری عقل پر' اپنی عاقبت کو کیوں برباد کر رہے ہو؟ سمجھ جاؤ! توبہ کر لو' ایمان بچا لو۔

(2) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فتنہ میں پڑنے کو نار (آگ) سے تعبیر کیا۔ جب شرح السنۃ سے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ فتنہ کی دو قسمیں ہیں قولی اور فعلی تو اسی سے واضح ہو گیا کہ زبان سے ایسے الفاظ نکالنا جو صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا سبب بنیں وہ خواہ صراحتاً ہوں یا کنایۃً ہوں' ذریعہ نار (آگ) ہیں۔

راقم نے یہ مسئلہ اپنے پیر نواسہء رسول ﷺ دوش مصطفیٰ کریم ﷺ پر سوار ہونے والے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے قول سے سمجھا جو ذکر کیا جا چکا ہے۔

علماء ربانیین نے کیا خوب کہا:

"واختار السلف ترك الكلام في الفتنة الأولى وقالوا تلك دماء طهر الله عنها ايدينا فلا نلوث به ألسنتنا"۔

(تمام بحث ماخوذ مرقاۃ ج ۱۱ ص ۷۳۹)

"سلف صالحین نے یہی پسند کیا ہے کہ ہمیں صحابہ کرام کے اختلاف اور ان کی جنگوں کے بارے میں کلام نہیں کرنا چاہیے جبکہ ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے خون سے پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان پر طعنہ زنی سے ملوث نہیں کرتے۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور شوریٰ کی صحت اور اس کا ذریعہ خلافت ہونا:

جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کی خیر خواہی اور بھلائی کیلئے اور باہمی کشت و خون اور حرب و قتال کو ختم کرنے کیلئے خلافت و امامت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو اس وقت جو عہد و پیمان ہوا اور جن شرائط پر یہ مصالحت انجام پذیر ہوئی ان کا مطالعہ کر لو تاکہ واضح ہو جائے کہ شوریٰ اور انتخاب کا مطالبہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر اہل بیت کرام کے نزدیک اس کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کا مطالبہ کیوں کرتے۔" عبارت ملاحظہ ہو کشف الغمہ جلد اول ص ۵۷۰، مطبع جدید۔

بسم الله الرحمن الرحيم

"هذا ماصالح عليه الحسن بن علي بن أبي طالب معاوية بن أبي سفيان صالحه على ان يسلم عليه ولاية امر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ وہ معاہدہ اور پیمان ہے جس پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ مصالحت کی ہے کہ ان کو ولایت اہل اسلام اور خلافت اس شرط پر سونپی جاتی

الله ﷺ وسيرة الخلفاء الراشدين وليس لمعاوية بن ابی سفيان ان يعهد الى أحد من بعده عهدا بل يكون الأمر من بعده شوری بین المسلمين الخ"

ہے کہ ان میں اللہ تعالی کی کتاب اور سنت رسول ﷺ اور خلفاء راشدین کی سیرت کے مطابق عمل کرے۔ اور امیر معاویہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اپنے بعد کسی کیلئے وصیت کرے اور عہد و پیان (کسی سے کرے) بلکہ امر خلافت ان کے بعد اہل اسلام کے درمیان شوری اور انتخاب کے ساتھ طے ہوگا۔"

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی شوری پر اعتماد کیا اور اس کو انعقاد امامت وخلاف کا ذریعہ قرار دیا اور "الـولـد سر لابيه" (بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے، یعنی باپ کے نقش قدم پر چلتا ہے) کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔

فائدہ:

نیز اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلفاء راشدین سمجھتے تھے ورنہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر فرماتے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا چونکہ اختلاف رہا۔ لہذا یہ شرط تو قرین قیاس ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر ہو سکتی ہے تو صرف خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم والی شرط ہو سکتی ہے اور صاحب کشف الغمہ نے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے معتقد اور قائل ہیں اور انہوں نے ابتداء کتاب میں تصریح کی ہے کہ میں ایسی روایات نقل کرتا ہوں جو سب کے نزدیک قابل قبول ہوں اور سنی شیعہ کے نظریہ وعقیدہ کے موافق ہوں۔ شیعہ صاحبان کو بھی اس پر ایمان لانا چاہیے اور اہل سنت کے ساتھ موافقت کرنی چاہیے تا کہ باہم اختلاف ونزاع کم ہو کر بلکہ ختم ہو کر ملکی سلامتی کا ضامن بن سکے اور آخرت میں بھی سب کا بھلا ہو سکے۔

(تحفہ حسینیہ ج دوم ص ۴۵، ۴۶)

اعتراض:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے تو صلح نامہ میں یہ لکھا کہ (معاویہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اپنے بعد کسی کیلئے وصیت کرے) تو پھر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنی زندگی میں ہی کیوں خلیفہ مقرر کر دیا۔ یزید کو خلیفہ بنانے میں امیر معاویہ سے تین قصور ہوئے:

① ایک یہ کہ خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہونا چاہئے انہوں نے خود خلیفہ بنا دیا۔

② دوسرے یہ کہ ایک اپنے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا اسلامی قانون کے خلاف ہے۔

③ تیسرے فاسق و فاجر کمینہ بیٹے کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دے دینا بڑا جرم ہے، کربلا کے تمام مظالم کی ذمہ داری امیر معاویہ پر ہے جب فاسق و فاجر کو نماز کا امام نہیں بنا سکتے' تو اسے امام المسلمین بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

ضروری نوٹ:

تعجب ہے کہ یہ اعتراض وہ شیعہ بھی کرتے ہیں جن کے نزدیک خلافت الہیہ موروثی جائیداد کی طرح صرف علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خاندان کے بارہ افراد میں بطور میراث محدود ہے اور لطف یہ کہ اس موروثیت پر نہ کوئی قرآنی آیت گواہ نہ کوئی حدیث صرف اپنی ذاتی رائے ہے۔ جب ان کی ذاتی رائے سے خلافت الہیہ موروثی جائیداد بن سکتی ہے تو امیر معاویہ بھی اپنا ولی عہد اپنے بیٹے کو کر سکتے ہیں۔

راقم کی وضاحت:

یہ جواب جو حضرت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔ یہ محض الزامی جواب ہے' تحقیقی جواب آگے آرہا ہے۔

جواب:

یہ تینوں اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔

پہلے کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کا دوسرے کو اپنی زندگی میں خلیفہ کرنا درست ہے۔خلافت کے چند طریقے ہیں:

۱ رائے عامہ سے خلیفہ بننا جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت۔

۲ پہلے خلیفہ کے انتخاب سے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود اپنی زندگی میں آپ کو خلیفہ بنا گئے۔

۳ خاص اہل حل وعقد کے انتخاب سے جیسے خلافت عثمانی ومرتضوی۔

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا خلیفہ بنایا ہی نہیں ایسے اقوال شیعہ کے من گھڑت ہیں۔تاریخ کا یہ سیاہ جھوٹ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لوگوں سے لینے کی کوشش کی۔

راقم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ مؤرخ کا کام ہوتا ہے اقوال نقل کرنا وہ جھوٹے اقوال بھی نقل کرتا ہے اور سچے بھی، جھوٹ اور سچ کی تمیز ایمان والے علماء ہی کر سکتے ہیں۔اگر یزید با قاعدہ خلیفہ پہلے ہی بن چکا تھا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اپنی بیعت کیلئے کیوں کوشش کرتا اور پھر بیعت کے جھگڑے کیوں پیدا ہوئے۔لہذا یہ اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اگر بالفرض ثابت ہو جائے:

کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنایا اور اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنانا بہت بڑا جرم ہے اور شریعت سے انحراف ہے۔

جواب:

یہ کہنا ہی غلط ہے کہ خلیفہ اپنی زندگی میں اپنا جانشین نہیں بنا سکتا۔اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں جانشین بنانے کی وجہ سے قصور وار ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی اعتراض ہوگا (معاذ اللہ)۔یہ اعتراض تو تمام صحابہ کرام پر بھی ہوگا کیونکہ تمام

صحابہ کرام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا بلکہ یہ اعتراض تو حضرت علی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم پر بھی آئے گا کہ ان تمام حضرات نے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔

اعتراض:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نہیں فرمایا۔ معاویہ نے تو اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنا کر بہت بڑا جرم کیا ہے اور شریعت سے انحراف کیا ہے۔

جواب:

صرف زبانی دعوے تو معتبر نہیں کوئی آیہ کریمہ اور حدیث پاک بیٹے یا بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار کو جانشین مقرر کرنے سے مانع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء و مشائخ اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار کو اپنا جانشین مقرر کرتے ہیں آج تک کسی نے ان کو قصوروار جرم دار اور کافر نہیں ٹھہرایا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شریعت میں اس کی ممانعت ہی نہیں کہ یہ کہا جائے کہ بیٹے کو جانشین مقرر کرنا شریعت سے انحراف ہے۔

بیٹے کو خلیفہ مقرر کرنا اگر جرم ہے تو بیٹے کا خلیفہ بننا کیسے صحیح ہے؟

بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہیں کہ ان کی زبان سے اہل بیت اطہار کی گستاخی بھی ہو رہی ہے۔

آیئے! غور کریں شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کا جانشین بنا تو وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تھے جب بیٹا اپنے باپ کا جانشین بن سکتا ہے اور یقیناً بن سکتا ہے۔ نواسۂ رسول اپنے باپ کا جانشین بنا' ان کا جانشین بننا بالکل حق تھا' تو باپ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنائے تو اس میں کیا جرم ہے؟ اور شریعت سے انحراف پر جاہل مفتیوں کے فتوے کیوں؟

بیٹے یا بھائی کی معاونت کی دعاء انبیاء کرام سے:

① حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ O هٰرُوْنَ اَخِی O اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ O وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ O (سورہ طٰہٰ ۱۶: ۲۹ تا ۳۲)

"اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان سے میری کمر مضبوط کرا اور انہیں میرے کام میں شریک فرما دے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعاء کو قبول کیا اور آپ پر ناراضگی نہیں کی کہ تم معاون وزیر کی درخواست بھائی کیلئے کیوں کر رہے ہو کسی اور کیلئے کیوں نہیں کرتے۔

② حضرت زکریا علیہ السلام نے رب کے حضور دعا کی۔ رب تعالیٰ سے بیٹے کے پیدا ہونے کی دعا کی اور ساتھ ہی یہ دعاء کی کہ میرے بیٹے کو میرا جانشین بنانا رب تعالیٰ نے دعا قبول کی اور یہ نہیں فرمایا کہ تم بیٹے کو جانشین بنانے کی دعا کیوں کر رہے ہو یہ تو ناجائز ہے۔

سبحان اللہ! رب تعالیٰ جسے جائز کہے لوگ اسے ناجائز کہیں۔ کیسی عجیب عقل کیا ناقص علم کیسی جہالت وحماقت؟

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا O یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا O (سورۃ مریم ۱۶: ۵، ۶)

"تو عطاء کر مجھے اپنی طرف سے میرا کام اٹھانے والا وہ میرا جانشین ہو اور آل یعقوب (کے علم) کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر۔"

رب تعالیٰ نے اس دعاء کو قبول کر کے بشارت دی:

یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ یَحْیٰی (سورۃ مریم ۱۶: ۷)

"اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے۔"

نتیجہ واضح ہوا:

اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ ہے بلکہ انبیاء کرام کی سنت ہے اور منشاء ایزدی ہے۔

اعتراض:

جھگڑا اس بات پر نہیں کہ بیٹے کو جانشین بنانا منع ہے، بلکہ جھگڑا اس بات پر ہے کہ یزید فاسق و فاجر تھا، اسی وجہ سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت نہیں کی۔ جب معاویہ کو پتہ تھا کہ میرا بیٹا فاسق و فاجر ہے تو اسے اپنی زندگی میں جانشین بنانا بہت بڑا جرم ہے۔

جواب:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں یزید کو خلیفہ نامزد نہیں کیا یہ روایات ہی کمزور یا موضوع ہیں۔

یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے فاسق و فاجر ہونے کا علم تھا یہ قول ہی غلط ہے کیونکہ یزید آپ کے پاس نہیں رہتا تھا اور آپ حکومت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کو یزید کے فسق و فجور کا کوئی علم نہیں تھا بلکہ اس کا فسق و فجور بعد میں ظاہر ہوا بعد والے فسق سے ابھی کوئی فاسق نہیں ہوتا۔

''ابلیس کا کافر ہو جانا'' اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر کے ظاہر ہونے سے پہلے اسے جنت سے نہیں نکالا بلکہ اس کے کفر کے ظاہر ہونے پر اسے کہا گیا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ ''یہاں (جنت) سے نکل جا! بے شک تو رانده ہوا ہے۔''
(سورہ حجر ۱۴:۳۴)

اسی طرح یزید اس وقت فاسق و فاجر ہوا جب اس سے فسق و فجور ظاہر ہوا اس سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زندگی میں اسے کیسے فاسق و فاجر کہا جائے اگر فاسق و فاجر تھا تب آپ کو اس کا کوئی علم نہیں تھا۔

تنبیہ: اگر کوئی روایت ایسی مل جائے جس سے معلوم ہو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

یزید کے فسق و فجور سے خبردار ہوتے ہوئے اسے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تو وہ روایت جھوٹی ہے اور راوی یا شیعہ ہے یا کوئی دشمن اصحاب جو روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی کا فسق ثابت کرے وہ مردود ہے اس کا راوی بھی مردود ہے کیونکہ وہ روایت قرآن پاک کے خلاف ہے اور راوی بھی منکر قرآن پاک ہے تمام صحابہ بحکم قرآن پاک متقی و مغفور اور جنتی ہیں۔

(ماخوذ از حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مصنف حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ بالفاظ دگر و بوضاحت)

طلباء کرام! ایک قانون یاد رکھو:

جس شخص کی کتب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات پر اور صحابہ کرام کے کمالات پر اور اولیاء کرام کے کمالات پر نوٹ لگے ہوں اور وہی نوٹ دوسروں کو بھی دکھائے تو سمجھ لو کہ یہ شخص محبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و محبّ صحابہ کرام و محبّ اولیاء کرام ہے۔

اور جس شخص کی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاجزانہ کلام یا متشابہ کلام وغیرہ پر نوٹ لگے ہوں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کم کر کے لوگوں کو دکھائے سمجھ لو کہ اس کے دل میں بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص تاریخ کے رطب و یابس اقوال پر نوٹ لگائے بیٹھا ہو اور کوئی اسے کہے تو شان صحابہ میں کیوں گستاخیاں کر رہا ہے تو وہ کتابیں سامنے رکھے کہ دیکھو ان میں معاویہ کے خلاف عبارات ہیں، مجھے کچھ نہ کہو۔ ایسا منحوس بغض صحابہ دل میں جمائے ہوئے ہے۔

اسی طرح اولیاء کرام کے کمالات کے خلاف نوٹ لگائے اور ان کے بے اختیار ہونے پر نوٹ لگائے ہوئے ذاتی عطائی کا فرق نہ کرے لوگوں کو اولیاء کرام کے خلاف لگائے ہوئے نوٹ دکھائے تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں اولیاء کرام کے خلاف کدورت پائی جاتی ہے۔

یہ قانون یاد کر لیں ان شاء اللہ محبّ اور مبغوض کا فرق آپ کو سمجھ آتا رہے گا۔

(راقم)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسند رسول کس نے دی؟

شیعہ کے علامہ ڈھکو صاحب نے کہا:

''قاتلان حسین تھے وہ جنہوں نے یزید کو چھٹا خلیفہ بنایا اور اس کے باپ کو مسندِ رسول کا پانچواں خلیفہ تسلیم کیا بلکہ حسین رضی اللہ عنہ تو سقیفہ کے دن ہی قتل ہو گئے تھے۔''

آیئے! واقعات اور حقائق کے آئینہ میں دیکھیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس نے دی؟

حقیقت یہ ہے کہ انہیں یہ مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے جگر گوشہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے سونپی تھی اور شیعانِ کوفہ کے حالات اور عادات و کردار دیکھ کر یعنی فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے اور اسلام کو بیخ وبن (جڑوں) سے اکھیڑنے کی سازشوں کو دیکھا اور سبائی شیطنت کو خون مسلم کی ارزانی پر تالیاں بجاتے اور چراغ جلاتے دیکھا تو صلح کر لی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی فرمان کو سچ ثابت کر دکھایا۔

"ان ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فئتین من المسلمین عظیمتین"

''میرا یہ بیٹا سردار اور عالی ہمت ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اہل اسلام کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔''

نیز اپنے تجربات اور مشاہدات کے تحت بھی یہ قدم اٹھایا اسی لئے فرمایا:

"أری والله ان معاویة خیرلی من هؤلاء یزعمون انهم لی شیعة ابتغواقتلی وانتهبوا ثقلی واخذوامالی"

(کتاب الاحتجاج مطبع جدید ص ۲۹۰)

''بخدا میں دیکھتا ہوں کہ معاویہ میرے لئے ان لوگوں سے بہتر ہے جو دعوی کرتے ہیں میرے شیعہ ہونے کا اور انہوں نے میرے قتل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور میرا سارا

قیمتی سامان لوٹ لیا ہے۔"

طبرسی کی اسی کتاب الاحتجاج ص ۲۹۱ پر مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا:

"انھم لاوفاء لھم ولا ذمة فی قول ولا فعل یقولون ان قلوبھم معنا وان سیوفھم لمشھورة علینا"

"ان اہل کوفہ میں نہ وفاء ہے اور نہ عہد کا پاس، نہ قول میں نہ عمل میں وہ زبانی دعوی کرتے ہیں کہ ان کے دل ہمارے ساتھ ہیں حالانکہ ان کی تلواریں ہمارے خلاف اور ہم پر سونتی ہوئی ہیں۔"

علامہ ڈھکو صاحب ہی بتلائیں کہ اس وقت بھی کوفہ میں کوئی خالص شیعہ تھا یا نہیں؟ اور عقیدۂ خلافت پر کار بند کوئی فرد تھا یا نہیں؟ کیونکہ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیس سالہ دور حکومت اور شیعہ کے تہ تیغ ہو جانے کے بعد کا دور نہیں تھا یہ تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد متصل دور کا معاملہ ہے۔

الغرض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند نے اور سونپنے پر مجبور کرنے والے وہ تھے جو محبّ وموالی تھے۔ تو کہیے! قاتلان حسین کون ہوئے؟ رہا! یزید کا چھٹا خلیفہ ماننے والا معاملہ تو عملاً سب اہل کوفہ نے اس کو خلیفہ مانا ہوا تھا اور دل سے بھی نہیں مانتے تھے تو بھی تلواریں ان کی اسی کی امارت وخلافت کو مستحکم کرنے کیلئے اہل بیت کرام کا خون پی رہی تھیں۔ رہے اہل مدینہ اور اہل مکہ تو جب تک کی اصلی کیفیت وحالت سامنے نہیں آئی تھی خاموش تھے اور جب حقیقت منکشف ہوگئی تو پھر جان ومال عزت وآبرو قربان کر دی مگر اس کی اطاعت قبول نہ کی اور اس سکوت میں جملہ بنو ہاشم بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف سب ہی برابر کے شریک تھے حتی کہ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت عبداللہ بن عباس بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی بیوفائی اور غداری کے تحت منع کرتے رہے۔

الغرض اہل مدینہ کی بغاوت اور اہل مکہ کے عمل وکردار کے معلوم ہونے کے باوجود

حضرات اہل سنت کو الزام دینا انصاف سے بہت بعید ہے، بلکہ سراسر ظلم ہے۔

① نیز علامہ ڈھکو صاحب کا یہ کہنا کہ حسین رضی اللہ عنہ تو سقیفہ کے دن قتل ہو گئے تھے یہ انہوں نے کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ صحیح دعوی تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعوی کیا تھا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابرین اہل بیت بس اسی روز شہید ہو گئے تھے، نعوذ باللہ من ذلک۔

② اگر سبب بعید دیکھیں تو دعوائے رسالت ہے، اور اگر سبب قریب دیکھیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری ہے، اور خلافت کو امیر معاویہ کے سپرد کرنا، تو یہ کہاں کا انصاف ہوگا کہ اول و آخر کو چھوڑ کر درمیان والوں پر ہی یہ ذمہ داری ڈال دی جائے۔

③ سقیفہ والوں نے تو محدود سلطنت لی، جس میں وصال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تزلزل آچکا تھا، اور ڈانواں ڈول ہو چکی تھی، پھر اس کو مضبوط و مستحکم کیا اور وسیع و عریض ملک بنایا پھر اہل بیت کے حوالے کر دیا۔ وہ قاتل کیسے ہو گئے؟ یہ تو امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی کہ اسے اپنے بھائی کے حوالے کرتے اور امیر معاویہ کو اس مسند رسول اور مسند مرتضی کے قریب نہ پھٹکنے دیتے اور نہ ہی پھر یزید اس پر قابض ہو سکتا۔

④ علاوہ ازیں اس کی ضمانت کیا ہے کہ اگر خلافت بلافصل حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو مل جاتی تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید نہ ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا رعب و دبدبہ اور جاہ جلال والا خلیفہ دوران خلافت شہید کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس طرح بے دردی کے ساتھ دوران خلافت شہید کر دیا گیا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو کس طرح بے دردی کے ساتھ دوران خلافت شہید کر دیا گیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو ترک کرنے میں عافیت سمجھی۔ لہذا خلافت کو جان بچانے کا حصن حصین سمجھ لینا کسی عقلمندی اور دانائی کا مظاہرہ نہیں ہے۔

(تحفہ حسینیہ بحذف از ص ۱۴۴، ۱۴۸، مصنفہ استاذی المکرم حضرت مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی)

نتیجہ واضح ہوا:

۱. حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خونریزی سے بچانے کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی۔

۲. حضرات امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے شہید ہونے کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا خطرہ تھا اس لئے آپ نے صلح کی ایسا کہنے والا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا گستاخ ہوگا۔

۳. حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا حق دار سمجھ کر ان سے صلح کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار نہیں تھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی لازم آئے گی کہ آپ نے نااہل کو خلافت کیوں عطاء کی۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ (راقم)

"معاویہ" کے نام پر اعتراض:

تم تو معاویہ کی بڑی شان بیان کر رہے ہو حالانکہ معاویہ نام ہی ایسا ہے جو حقارت پر دلالت کر رہا ہے۔ آیئے! علامہ تفتازانی کی مختصر المعانی کو دیکھیں' آپ رقمطراز ہیں:

"اوتعظیم اواھانة کما فی الالقاب الصالحة لذلك مثل رکب علی وھرب معاویة"۔ (مختصر المعانی ص ۷۱)

"علم (نام) کبھی تعظیم اوراہانت (توہین) پر دلالت کرتا ہے، جیسے کہا جائے علی سوار ہوا اور معاویہ بھاگ گیا۔"

اسی مثال سے علامہ تفتازانی نے صاحب تلخیص المفتاح کے قول (او تعظیم او أھانة) کی وضاحت کی ہے کہ لفظ "علی" مشتق ہے "علو" سے، جو عظمت پر دلالت کر رہا ہے جس کا نام ہی حقارت پر دلالت کرے وہ ذیشان کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

"والمتبادر ان المراد بعلی ومعاویة صاحبا

"مختصر المعانی کی مشہور شروح تجرید اور دسوقی

رسول الله ﷺ ولا یخفی ما فیه من سوء الادب فی حق سیدنا معاویة رضی الله عنه والجرأة علیه بما لا یلیق بمنصبه بل لو حملنا علی غیرهما لم یخل من سوء الادب لما فیه من الایهام کذا فی دسوقی وتجرید۔"

نے علامہ تفتازانی کے اس قول پر گرفت فرمائی ہے اسلئے کہ بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ "علی" اور معاویہ" سے مراد رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، یہ کوئی مخفی بات نہیں یعنی بہت واضح روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی پائی گئی ہے۔"

علامہ تفتازانی کے منصب کے لائق یہ نہیں تھا کہ اس قسم کی مثال دیتا۔ اگر "علی" اور "معاویہ" سے مراد عام "علی" اور عام "معاویہ" ہو، یعنی صحابی مراد نہ ہوں تو پھر بھی یہ مثال بے ادبی سے خالی نہیں کیونکہ ان ناموں کو دیکھ کر وہم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناموں کی بھی یہی کیفیت ہے۔

آیئے! ذرا لغات کو دیکھئے:

"عوی" الکلب والذئب وابن آوی۔ "عواء" لوی خطمه ثم صاح صیاحا ممدودا لیس بنباح فهو عاو وعواء والقوم دعا هم الی الفتنة والشئ عطفه ولواء یقال عوی الحبل والشعر والقوس وعن فلان رد عنه و کذب مغتابه عاواهم صایحهم۔ (معجم الوسیط)

"**عوی**" یعوی عواء "الکلب او الذئب وابن آوی" کتے کا بھونکنا بھیڑیئے کا چنگھاڑنا ابن آوی (بھیڑیئے سے چھوٹا درندہ) کا چنگھاڑنا۔

"فلان ما یعوی وما ینبح" "کمزور ہے" (یعنی گرجدار آواز سے نہ بات کرسکتا ہے نہ نجات حاصل کرسکتا ہے)

'القوم الی الفتنة" قوم کا فتنہ کی طرف بلانا۔ "عواه یعوی عیا" عن الشئ۔ باز رکھنا۔
"عوی القوس ونحوه" کمان کو جھکانا (تلوار وغیرہ کو جھکانا)۔

"الحبل او الشعر" رسی یا بال کا موڑنا۔

"عن الرجل" جواب دینا اور غیبت کرنے والے کو جھٹلانا۔ (المنجد عربی اردو)

"لوی خطمه ثم صاح" اسی کو لپیٹنا پھر بلند آواز دی' یہ بھونک نہیں۔

محبانِ صحابہ! گستاخوں کو جواب دو:

صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو تم صرف "عوی الکلب" (کتے کی بھونک) سے ماخوذ کر کے کیوں مراد لے رہے ہو؟ کیا تمہیں (عوی الذئب یا عوی ابن أوی یا عوی السبع) نظر نہیں آتا؟ جن میں بہادری کا معنی پایا گیا ہے۔

کیا بھیڑیئے کی چھنگاڑ میں' کیا درندے کی چھنگاڑ میں' کیا شیر کی گرج میں بہادری ہے یا نہیں۔ ہاں! ہاں! معاویہ کا معنی بہادر بھی ہے' معاویہ کا معنی کمزور بھی ہے۔

دونوں معانی کو بیک وقت اعتبار کریں تو "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کی تفسیر نظر آئے گی۔

جب "عوی" کا معنی باز رکھنا لیا جائے' تو اب مطلب ہوگا کہ "معاویہ" اسے کہا جاتا ہے جو اپنے اجتہاد سے کسی کو غلطی پر دیکھے تو اسے باز رکھنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اجتہادی خطا ہی کیوں نہ ہو اس پر ثواب تو ہے گناہ نہیں' گرفت نہیں۔

جب "عوی القوس ونحوه" سے معاویہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کمان اور تلوار کو جھکانے والا یہ بہادری اور صلح دونوں پر دلالت کر رہا ہے کہ جہاں کمان یا تلوار کو لہرانے اور تاننے کی ضرورت در پیش آئی وہاں بہادری کا مظاہرہ کیا' جہاں صلح کی ضرورت در پیش آئی وہاں کمان یا تلوار کو جھکا دیا۔

جب "عوی الحبل او الشعر" سے لیں تو معاویہ کا معنی بہادر ہوگا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگوں میں کافروں کی گردن کو موڑ دیا' بلکہ توڑ دیا۔

جب "عوی عن فلان ای رد عنه و کذب مغتابه " سے لیں تو اب معاویہ کا معنی یہ ہوگا کہ وہ فصاحت سے جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرے تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے یہ دونوں معانی بھی بہادر عظمت پر دلالت کر رہے ہیں۔

بغضِ صحابہ سے اپنی عاقبت خراب نہ کریں:

کیا "عاواھم " کا ایک معنی المعجم الوسیط میں "صایحھم "نہیں کیا گیا۔ کیا اردو میں تمہیں اس کا معنی آتا ہے یا نہیں۔ ہاں اگر نہیں آتا تو راقم تمہیں بتاتا ہے اس کا معنی ہے فلاں شخص نے ان (لوگوں) کو زوردار آواز دی۔

اگر میں یوں کہوں "عاوی الخطیب الناس بخطابه" (خطیب نے لوگوں کو زوردار آواز سے خطاب کیا) کیا اس کا معنی یوں بھی کیا جائے گا' خطیب لوگوں کو کتے کی طرح بھونکا۔

کیا تم عربی زیادہ جانتے ہو یا عرب زیادہ جانتے ہیں:

کیا اہل لسان نے بغیر سوچے سمجھے یوں ہی نام نہیں رکھ دیئے؟ نہیں بلکہ وہ معانی سے باخبر تھے لغت اور گرائمر کے محتاج نہیں۔ عجمی حضرات عربی سیکھتے ہیں گرائمر پڑھتے ہیں لغات دیکھتے ہیں تو پھر کچھ بات سمجھتے ہیں ان کا عرب لوگوں پر عربی میں زیادہ ماہر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

آیئے چند نام دیکھئے:

"عفان" اگر یہ "عفن" سے لیں تو اس کا معنی ہوگا "بدبودار" اور معنی ہوگا "خراب' برباد" اور اگر "عفو " سے لیں اور الف ونون زائدتان مانیں تو معنی ہوگا معاف کرنے والا کیا کوئی شخص تمام عفان نامی لوگوں کو "بدبودار یا خراب" ہونے والا معنی دے گا؟ نہیں۔ یہ عقل ودانش سے دوری کی بات ہے۔

آیئے! ذرا ہوش والوں سے پوچھئے وہ کہیں گے "عفان" کا معنی معاف کرنے والا ہے۔

عتبان:

عتبان بن مالک بدری صحابی۔ان کی شان کے مطابق معنی یہ ہوگا: ''کسی کی غلطی پر سرزنش کرنا، خفگی کرنا'' یا معنی یہ ہوگا ''کسی کو غلطی پر ملامت کرنا'' لیکن یہ معانی صحابی کی شان کے لائق نہیں: ''ایک پاؤں پر کودنا' تین ٹانگوں پر چلنا' لنگڑا ہونا' ایک دوسرے سے ناز سے گفتگو کرنا' چوکھٹ کو پھلانگ جانا' چوکھٹ پر چمٹے رہنا۔''

عابس بن ربیعہ:

صحابی ہیں ان کی شان کے مطابق صحیح معنی یہ ہوگا: ''ترش رو ہونا' یعنی آپ کافروں کے ساتھ ترش روئی سے در پیش آتے' کافر سے بات کرتے تو چیں بہ جبیں ہو کر بات کرتے' لیکن صحابی کی شان کے لائق یہ معانی نہیں: ''اونٹ کی دم پر مینگنی کا خشک ہو جانا' میلا ہونا۔''

ماعز بن مالک:

صحابی ہیں ان کی شان کے مطابق معنی یہ ہوگا: ''ما امعز رأیه '' وہ کس قدر مضبوط رائے والا ہے' لیکن ماعز'' بکری کی کھال'' کو بھی کہا جاتا ہے کیا کوئی شخص حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو بکرا یا بکرے کی کھال کہے گا؟ عقل تمہاری کہاں چلی گئی۔؟

طارق:

بن سوید صحابی ہیں' صحابی کی شان کے مطابق یہ معانی ہوں گے: '' خاموش ہونا' نیچے سر ڈال کر زمین کی طرف دیکھنا' سر جھکا کر چلنا' ہتھوڑا مارنا' یعنی بہادر ہونا' سخت گیر ہونا' لیکن صحابی کی شان کے لائق یہ معانی نہیں : ''رات کو آنے والا چور کمزور' عقل والا ہونا' ٹیڑھی پنڈلی والا ہونا' تاریک ہونا' اوپر نیچے کپڑے پہننا۔

حمار:

ایک صحابی کا نام ہے' کیا کوئی شخص یہ کہے گا کہ صحابی کا نام'' حمار'' تھا اسلئے

وہ ''معاذ اللہ'' گدھا تھا۔نہیں!نہیں!یہ بالکل غلط ہے۔ہاں!البتہ صحابی کی شان کے لائق دو معنی ہیں ''حمر الرجل'' غصہ سے بھڑک اٹھا'یاحمرۃ سے لیں جس کا معنی ہے''سرخ۔''

خدیجہ:

رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ'اور نبی کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ان کے علاوہ آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (کے بطن) سے ہی ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پراعتراض کرنے والوں سے یوں کہوں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی امی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

خدج:

''ض'ن'' خدوجا'چیز کا ناقص ہونا'گھٹیا ہونا۔''خدرج صلاتہ'' بعض ارکانِ نماز میں کمی کرنا۔''خدجت الناقۃ'' اونٹنی کا ناتمام بچہ گرانا۔(المنجد)

آیئے!لغت کے ان تمام معانی کو مدنظر رکھئے'پھر فیصلہ کیجئے کیا بظاہر لغت کے تمام معانی میں سے کسی ایک معنی کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خدیجہ کہا جاسکتا ہے؟

نہیں!نہیں'یقیناً نہیں۔کیا آپ کا نام بے معنی ہے کیا آپ کا نام کسی عجمی نے بغیر سوچے سمجھے رکھ دیا ہے۔جب ایسا نہیں تو یہی کہا جائے گا کہ آپ کا نام عربیوں نے رکھا مرادی مطلب کو مدنظر رکھا کہ یہ بچی عجز وانکساری کی چلتی پھرتی تصویر ہوگی۔

سودہ:

مومنوں کی ماں رسول اللہ ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ کا نام حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں کیا ان کا نام ساد' یسود' سوادا (ن) سے لیا ہوا ہے جس کا معنی سیاہ ہونا ہے۔کیا ان کا رنگ سیاہ تھا کیا وہ حبشیہ تھیں کہ ان کا نام ان کے گھر والوں نے''سودہ'' رکھا تھا ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ آپ کا نام مندرجہ ذیل معانی کی وجہ سے رکھا گیا:

"ساد، یسود، سیادة، سیدودة سوددا" (ن) شریف ہونا بزرگ ہونا
(قومه) قوم کا سردار ہونا شان وشرافت میں کسی پر غالب ہونا۔ (المنجد)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

"ولیسوا کفارا ولا فسقة ولا ظلمة لما لهم من التاویل وان کان باطلا فغایة الأمر أنهم اخطأوا فی الاجتهاد وذالك لایوجب التفسیق فضلا عن التکفیر ولهذا منع علی رضی الله عنه اصحابه من لعن اهل الشام وقال اخواننا بغوا علینا"
(شرح مقاصد ص۳۰۵، المبحث السابع اتفق اہل الحق علی وجوب تعظیم الصحابہ)

"(حضرت امیر معایہ اور ان کی جماعت کے لوگ) نہ کافر تھے اور نہ ہی فاسق تھے اور نہ ہی ظالم تھے، اسلئے کہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل (یعنی کوئی نہ کوئی وجہ) تھی اگرچہ ان کی تاویل باطل تھی لیکن زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کی اجتہادی خطاء تھی اجتہادی خطاء (پر ثواب ہوتا ہے) سے فسق بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ کفر لازم آئے اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو اہل شام پر لعنت کرنے سے منع فرما دیا تھا کہ وہ ہمارے بھائی ہی تو ہیں جنہوں نے ہم پر زیادتی کردی۔"

نام معاویہ پر معترضین پچیس راویوں کے گستاخ ہیں:

احادیث کے راویوں میں پچیس حضرات وہ جن کے اسماء گرامی معاویہ ہیں۔ ان میں تین صحابہ کرام ہیں اور کچھ تابعین ہیں اور کچھ جلیل القدر مشائخ حدیث ہیں۔

کیا ان تمام ناموں والے حضرات کے والدین عربی سے بے خبر تھے کیا سب کے نام اس لئے رکھے گئے تھے کہ یہ بڑے ہو کر کتے کی طرح بھونکیں گے (معاذ اللہ) یا انہوں نے اس لئے نام رکھے تھے کہ یہ فصیح ہوں گے، بڑے خطیب ہوں گے، بڑے بہادر ہوں گے،

کافروں پر سخت ہوں گے، اپنوں پر رحم دل ہوں گے۔

آیئے! معاویہ نام والے راویوں کی تفصیل دیکھئے۔

"معاویہ" نام والے راوی:

(۱) معاویہ بن اسحاق بن طلحہ بن عبیداللہ التیمی ابوالازہر کوفی (تابعی) ہیں۔

(۲) معاویہ بن جاہمہ سلمی۔ (صحابی ہیں)

(۳) معاویہ بن خدیج بن جفنہ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن زیادہ ان پر ابونعیم "بضم النون وفتح العین" مصری کندی کا اطلاق ہوتا تھا، ان کی صحابیت میں اختلاف ہے، مفضل اور ابن حبان نے ان کو صحابی کہا ہے اور ابن اثرم اور حرب نے امام احمد رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ صحابی نہیں تھے۔ (واللہ اعلم)

(۴) معاویہ بن خدیج کوفی جعفی۔ (پہلے جن کا ذکر کیا وہ مصری، کندی ہیں)

(۵) معاویہ بن الحکم "بفتح الحاء والکاف" سلمی (صحابی ہیں)

(۶) معاویہ بن حکیم بن معاویہ النمیر ی، شامی۔

(۷) معاویہ بن حیدہ بن معاویہ بن قشیر، قشیری۔

(۸) معاویہ بن سبرۃ بن حصین السوائی العامری۔

(۹) معاویہ بن سعید بن شریح بن عروہ التجیبی، فہمی۔

(۱۰) "معاویہ بن یحییٰ طرابلسی" ان کو معاویہ بن یزید کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۱۱) "معاویہ بن ابی سفیان" فتح مکہ کے دن بلکہ اس سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان کی روایات بغیر کسی واسطہ کے نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہیں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان (جو معاویہ کی بہن ہیں) کے واسطہ سے بھی مروی ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد خلیفہ بنایا۔ رجب کی چار راتیں رہتی تھیں

تو ان کا وصال ہوا۔

(۱۲) ''معاویہ بن سلمہ بن سلیمان نصری'' ان کی کنیت ابو سلمہ تھی، دمشق میں بسیرا تھا' کوفی کہلاتے تھے۔

(۱۳) معاویہ بن سلام بن ابی سلام۔

(۱۴) معاویہ بن صالح بن حدیر بن سعید بن سعد بن فہر الحضرمی۔

(۱۵) معاویہ بن صالح بن الوزیر ان کا نام معاویہ بن عبیداللہ بن یسار اشعری۔

(۱۶) معاویہ بن عبدالکریم ثقفی۔

(۱۷) معاویہ بن عمار بن ابی معاویہ الدہنی البجلی الکوفی۔

(۱۸) معاویہ بن عمرو بن المہلب بن عمرو بن شبیب الازدی المعنی الکوفی ابو عمر البغدادی۔

(۱۹) معاویہ بن عمرو ابو المہلب الجرمی ان کی کنیت ابو نوفل بن ابی عقرب۔

(۲۰) ''معاویہ بن غلاب'' ان کی کنیت ابن عمر۔

(۲۱) معاویہ بن قرۃ بن اباس المزنی۔

(۲۲) معاویہ بن ابی مزود۔

(۲۳) معاویہ بن ہشام القصار الازدی۔

(۲۴) معاویہ بن یحییٰ صدفی۔

(۲۵) معاویہ بن یحییٰ دمشقی۔ (الماخوذ من تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی)

اعتراض:

تم تو کہتے ہو کہ حضرت امیر معاویہ نے کوئی خلاف شرع کام کا حکم نہیں دیا' حالانکہ انہوں نے بیع کی اجازت دی جس میں ربا (سود) پایا گیا تھا۔ آیئے! حدیث پاک دیکھئے:

"عن ابی قلابة قال کنت بالشام فی حلقة ''ابو قلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں شام میں

فیها مسلم بن یسار فجاء ابو الاشعث قال قالوا ابو الاشعث فقلت ابو الاشعث فجلس فقلت له حدث اخانا حدیث عبادة بن الصامت قال نعم غزونا غزاة وعلی الناس معاویة فغنمنا غنائم کثیرة فکان فیما غنمنا آنیة من فضة فأمر معاویة رجلا ان یبیعها فی اعطیات الناس فتسارع الناس فی ذلك فبلغ عبادة بن الصامت فقام فقال انی سمعت رسول الله ﷺ ینهی عن بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح الاسواء بسواء عینا بعین فمن زاد وازداد فقد اربی فرد الناس ما اخذوا فبلغ ذلك معاویة فقام خطیبا فقال الا ما بال رجال یتحدثون عن رسول الله ﷺ احادیث قد کنا نشهده ونصحبه فلم نسمعها منه فقام عبادة فاعاد القصة فقال لنحدثن بما سمعنا من رسول الله ﷺ وان کره معاویة او قال وان رغم ما أبالی ان لا اصحبه فی جنده لیلة سوداء"۔
(مسلم ج۲ص۳۲،۳۳باب الربوا)

ایک حلقہ (محفل) میں تھا ان لوگوں میں مسلم بن یسار بھی تھے تو اتنے میں ابو الاشعث آ گئے، لوگوں نے کہا: ابوالاشعث آ گئے تو میں نے بھی کہا ابوالاشعث آ گئے تو وہ بیٹھے تو میں نے انہیں کہا کہ ہمارے بھائی عبادۃ بن صامت کی حدیث ہمیں بیان کرو، انہوں نے کہا: ہاں! ٹھیک ہے، ہم نے ایک غزوہ (جہاد) کیا، لوگوں کے قائد معاویہ تھے، ہمیں وہاں بہت مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس مال غنیمت میں چاندی کے برتن تھے معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان برتنوں کو لوگوں کے عطیات میں (یعنی دراہم سے) فروخت کر دو، لوگ اس خرید و فروخت میں جلدی کرنے لگے، جب یہ خبر عبادہ بن صامت کو ملی تو وہ کھڑے ہوئے، تو کہا: بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ منع فرما رہے تھے سونے کی بیع سونے سے، چاندی کی بیع چاندی سے گندم کی بیع گندم سے، جو کی بیع جو سے چھوہارے (کھجور) کی بیع چھوہارے سے، نمک کی بیع نمک سے سوائے برابر اور ہاتھ بہ ہاتھ کے جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا

تو تحقیق اس نے ربا کالین دین کیا تو لوگوں نے جو برتن لئے تھے وہ واپس کر دیئے۔ جب یہ خبر حضرت معاویہ کو ملی تو آپ کھڑے ہوئے خطبہ دیا' تو فرمایا: خبردار! کیا حال ہے ان لوگوں کا جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی حاضر ہوتے تھے اور آپ کی مصاحبت میں ہوتے تھے ہم نے یہ احادیث نہیں سنیں تو عبادہ کھڑے ہوئے دوبارہ واقعہ کو لوٹایا تو فرمایا: ہم ضرور بضرور وہ حدیث بیان کریں گے جو رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ اگرچہ معاویہ ناپسند کریں۔ (راوی کو شک ہے) یا انہوں نے یہ کہا اگرچہ معاویہ کا ناک خاک آلود ہو جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ وہ مجھے سیاہ رات میں اپنے لشکر کے ساتھ نہ رکھیں۔

اس حدیث پاک سے یہ اعتراض واضح طور پر سمجھ آرہا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے چاندی کے برتنوں کو چاندی کے دراہم سے بغیر برابری کے بیچنے کی اجازت دی' اور حضرت عبادہ بن صامت کے حدیث بیان کرنے پر یہ بھی کہا کہ یہ حدیث ہم نے نہیں سنی، کیا یہ غیر شرعی حکم نہیں تو اور کیا ہے؟

جواب:

کئی احادیث کئی صحابہ کرام نے نہیں سنی ہوئی تھیں۔ کسی محفل میں کوئی حضرات ہوتے اور کسی محفل میں دوسرے حضرات ہوتے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا برتنوں کے بیچنے کا حکم عدم علم کی وجہ سے تھا۔ جہاں تک حدیث سن کر آپ نے کہا ہم نے یہ حدیث نہیں سنی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسئلہ تحقیق سے واضح ہو جائے جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حدیث کو حاضرین محفل کے سامنے بیان کیا تو اس پر آپ نے خاموشی کو اختیار کیا۔ اگر کسی کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے'' کہ آپ نے پھر بھی بیچنے کا حکم دیا اور حدیث کو نہیں مانا'' تو وہ پیش کرے۔

یہ حدیث تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کی عظمت بیان کر رہی ہے۔ ''وفیہ القول بالحق وان المقول لہ کبیر'' اس حدیث سے یہ

سمجھ آرہا ہے کہ حق بات کہی جائے اگر چہ جس سے بات ہو رہی ہو وہ بڑا ہی کیوں نہ ہو۔
(نووی شرح مسلم ج۲ص ۳۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حق گوئی ثابت ہو رہی ہے جوان کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بڑا آدمی ہونا واضح ہو رہا ہے، جس سے ان کی عظمت سمجھ آرہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حدیث کا علم نہ ہونا اور تحقیق طلب کرنا:

"عن بسر بن سعيد انه سمع ابا سعيد الخدري يقول كنا في مجلس عند ابي بن كعب فأتى موسى الاشعري مغضبا حتى وقف فقال انشد كم الله هل سمع احد منكم رسول الله ﷺ يقول الاستيذان ثلاث فان اذن لك والا فارجع قال ابي وما ذاك قال استأذنت على عمر بن الخطاب أمس ثلاث مرات فلم يؤذن لي فرجعت ثم جئته اليوم فدخلت عليه فأخبرته اني جئت امس فسلمت ثلاثا ثم انصرفت قال قد سمعناك ونحن حينئذ على شغل فلوما استأذنت حتى يؤذن لك قال استأذنت كما سمعت رسول الله ﷺ قال فو الله لأوجعن ظهرك وبطنك أولتأتين بمن يشهد لك على هذا فقال ابي بن كعب فو الله لايقوم معك الا احدثنا اقم ياأباسعيد فقمت

"بسر بن سعید فرماتے ہیں کہ بیشک انہوں نے ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم ابی بن کعب کے پاس تھے ابوموسی اشعری بڑی پریشانی کی حالت میں آئے، یہاں تک کہ رکے تو کہا کہ اللہ کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی ایک نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے۔ اگر تمہیں اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ لوٹ جاؤ ابی بن کعب نے کہا کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا میں نے عمر بن خطاب سے کل اجازت طلب کی تین مرتبہ تو مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں لوٹ آیا پھر میں آج ان کے پاس حاضر ہوا تو میں نے ان کو خبر دی کہ بیشک میں کل آیا تھا تو میں نے تین مرتبہ سلام کیا، پھر واپس چلا گیا۔ انہوں نے

حتی أتیت عمر فقلت قد سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ھذا"۔

فرمایا: ہم نے تمہارے اجازت طلب کرنے کو سنا تھا لیکن ہم اس وقت کسی کام میں مشغول تھے لیکن تم اجازت کیوں نہیں طلب کرتے رہے تھے یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جاتی انہوں نے کہا میں نے ایسے ہی اجازت طلب کی جیسے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا تو حضرت عمر نے فرمایا میں ضرور بر ضرور تمہارے پیٹ اور تمہاری پیٹھ پر ماروں گا یا تم اس پر گواہ پیش کرو۔ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تمہارے ساتھ نہیں کھڑا ہوگا، مگر ہم میں سے چھوٹی عمر کا (یعنی ہم سب بڑوں چھوٹوں نے سنی) اے ابوسعید! تم کھڑے ہو جاؤ میں کھڑا ہوا یہاں تک کہ میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس حاضر ہوا تو میں نے کہا تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہی فرماتے ہوا سنا۔ (مسلم ج۲ ص۲۱۹ باب الاستیذان)

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

تین مرتبہ اجازت طلب کی جائے یعنی سلام کیا جائے، اجازت مل جائے تو بہتر ہے، ورنہ واپس لوٹ آؤ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا علم نہیں تھا کیونکہ دوسری حدیث پاک میں آتا ہے:

"فقال عمر خفی علی ھذا من أمر رسول اللہ ﷺ الھانی عنه الصفق بالأسواق"۔ (مسلم ج۲ ص۲۱۹)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پوشیدہ رہا اس لئے کہ مجھے بازاروں کی تجارت نے مشغول رکھا۔"

عمر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب کئے یا مارنے کی دھمکی دی۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ حدیث کے معاملہ میں لوگ بغیر تحقیق کے بات نہ کریں۔ دوسری حدیث میں یہ بھی واضح طور پر موجود ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

"یا ابن الخطاب فلا تکونن عذابا علی اصحاب رسول اللہ ﷺ قال سبحان اللہ

"اے ابن خطاب! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کیلئے تم عذاب نہ بنو، آپ نے (اس پر

انماسمعت شیئا فاحببت ان أتثبت"۔

(مسلم ج۲ص۲۱۹)

تعجب کرتے ہوئے) فرمایا: سبحان اللہ! بیشک میں نے کچھ سنا (یعنی حدیث سنی) تو میں نے پسند کیا کہ میں اس کا ثبوت طلب کر لوں (یعنی چھانٹ کرلوں، تاکہ تحقیقی طور پر حدیث کا پتہ چل جائے)

باب مدینۃ العلم رضی اللہ عنہ کو بھی مندرجہ ذیل حدیث کا علم نہ تھا:

"عن عکرمة عن ابن عباس أنه ذكر ناسا احرقهم علی فقال لو کنت أنا لم احرقهم بالنار لقول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب الله ولو کنت أنا لقتلتهم لقول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دينه فاقتلوه۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ص۳۵۸ من نہی عن التحریق بالنار)

"حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے سامنے چندلوگوں کا ذکر کیا گیا جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلا دیا تھا تو انہوں نے کہا: اگر میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تم کسی کو اللہ کا عذاب نہ دو ہاں اگر میں ہوتا تو ان (خارجیوں) کو قتل کر دیتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو دین کو بدل دے اسے قتل کردو۔"

"عن القاسم بن عبدالرحمن قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم سرية فطلبوا رجلا فصعد شجرة فأحرقوها بالنار فلما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبروه بذلك فتغیر وجه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقال انی لم ابعث أعذب بعذاب الله انما بعثت بضرب الرقاب

"قاسم بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا انہوں نے ایک شخص کو طلب کیا (یعنی اس کا پیچھا کیا) وہ درخت پر چڑھ گیا، تو انہوں نے اس درخت کو آگ سے جلا دیا۔ جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں

وشدالوثاق۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۸، ج ۷ من نھی عن التحریق بالنار)

نے واقع کی خبر دی تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک بدل گیا اور فرمایا: بیشک میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ وہ عذاب دوں جو صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے۔ مجھے تو اس لئے بھیجا گیا کہ میں ان کی گردنوں کو اڑا دوں اور مضبوطی سے باندھ دوں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مندرجہ ذیل حدیث کا علم نہ تھا:

"عن قبیصة بن ذویب أنه قال جاءت الجدة الى أبی بکر الصدیق تسئاله میراثها فقال لها ابوبکر مالك فی کتاب الله شئ وما علمت لك فی سنة رسول الله ﷺ شیئا فارجعی حتی أسأل الناس فسأل الناس فقال المغیرة بن شعبه حضرت رسول الله ﷺ اعطاها السدس فقال ابوبکر هل معك غیرك فقام محمد بن مسلمة الانصاری فقال مثل المغیرة بن شعبة فانفذه لها ابوبکر الصدیق۔"

(مؤطا امام مالک، کتاب الفرائض میراث الجدۃ)

"قبیصہ ابن ذویب فرماتے ہیں بیشک ایک جدہ (نانی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اپنی وراثت (اپنے نواسے کی) طلب کرنے لگی آپ نے فرمایا: تمہاری وراثت کا ذکر قرآن پاک میں نہیں اور مجھے یہ بھی علم نہیں کہ تمہاری وراثت کا ذکر حدیث پاک میں ہے تم واپس چلی جاؤ میں لوگوں سے پوچھتا ہوں آپ نے لوگوں سے پوچھا: تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں حاضر تھا جب رسول اللہ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے تو محمد بن سلمہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی مغیرہ بن شعبہ کی طرح ہی بیان کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی وراثت جاری فرمادی۔"

حضرت معاویہ پر اعتراض:

حضرت معاویہ نے تو باطل طریقے سے مال کھانے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، ایسا شخص نہ نیک ہوسکتا ہے اور نہ ہی خلافت کا مستحق۔ آیئے ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ دیکھئے۔ حضرت عمرو بن العاص کی روایت میں مذکور ہے:

"ومن بایع أماما فاعطاه صفقة یده وثمرة قلبه فلیطعه ان استطاع فان جاء آخر ینازعه فاضربوا عنق الآخر فدنوت منه فقلت انشدك الله انت سمعت هذا من رسول الله ﷺ فاهوی الی أذنیه وقلبه بیدیه وقال سمعته اذنای ووعاه قلبی فقلت له هذا ابن عمك معاویة یأمرنا ان تأكل أموالنا بیننا بالباطل ونقتل انفسنا والله عزوجل یقول"یا ایها الذین آمنوا لا تاكلوا أموالكم بینكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحیما"قال فسكت ساعة ثم قال اطعه فی طاعة الله اعصه فی معصیة الله عزوجل۔"

(مسلم ج ۲ ص ۱۲۴ باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الاول فالاول)

"جس شخص نے ایک امام کی بیعت کی، اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور دل اس سے لگایا تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی اطاعت کرے اگر اس کی طاقت رکھے اگر دوسرا امام آجائے وہ اس (پہلے) سے جھگڑا کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔ (راوی عبد الرحمٰن بن عبد رب الکعبہ کہتے ہیں) میں ان کے قریب ہوا میں نے کہا کیا واقعی تم نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا؟ تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں اور اپنے دل کی طرف کرتے ہوئے کہا ہاں میرے کانوں نے یہ سنا اور میرے دل نے یہ محفوظ کرلیا تو میں نے انہیں کہا یہ تمہارے چچا کا بیٹا معاویہ یہ تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے کھالیں اور اپنے بھائیوں کو قتل کر دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے ایمان والو تم نہ کھاؤ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے

سوائے تجارت جس میں تمہاری رضاء مندی پائی جائے، اور تم اپنے نفسوں یعنی اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے) راوی کہتے ہیں انہوں نے تھوڑی دیر سر جھکایا، پھر کہا، اللہ کی اطاعت میں تم ان کی اطاعت کرو اور اللہ کی معصیت میں تم ان کی نافرمانی کرو۔

جواب:

مقصود اس کلام سے کہ اس کے قائل نے جب عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو سنا کہ پہلے خلیفہ سے جھگڑا کرنا حرام ہے، اور دوسرے سے قتال کیا جائے:

"فاعتقد هذاالقائل هذالوصف فی معاوية لمنازعة عليا و كانت قد سبقت بيعة علی فرأى هذا ان نفقة معاوية على اجنادہ واتباعه فی حرب علی ومنازعته ومقاتلته أياه من أكل المال بالباطل ومن قتل النفس لأنه قتال بغير حق فلا يستحق احد مالا فی مقاتلته"۔

(نووی شرح مسلم ج۲ص۱۲۴)

''تو یہ کلام کرنے والے نے اس طرح اپنا اعتقاد پیش کیا کہ حضرت معاویہ نے حضرت علی سے جھگڑا کیا، حالانکہ حضرت علی کی بیعت کو سبقت حاصل تھی، تو اس نے اس پر یہ رائے قائم کی کہ حضرت معاویہ جو مال اپنے لشکر اور اپنے متبعین پر خرچ کر رہے ہیں حضرت علی کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں اور ان کے لشکر سے قتال کر رہے ہیں یہ مال وہ باطل طریقے سے کھا رہے ہیں اور لوگوں کو ناحق قتل کر رہے ہیں قتال میں کوئی ایک مال مستحق نہیں۔''

حاصل جواب:

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ یہ جنگ دونوں طرف سے اپنے اپنے اجتہاد کی وجہ سے ہو رہی تھی ہر

ہر فریق دوسرے کو غلطی پر سمجھ رہا تھا ہر طرف سے ایک دوسرے کے خلاف سخت الفاظ استعمال کئے جا رہے تھے اس لئے یہ اعتراض باطل ہے کہ وہ واقعی مال باطل طریقے سے کھانے کا عام حالات میں بھی حکم دیتے تھے یا عام حالات میں وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے تھے حاشا وکلا ایسا نہیں یہ اجتہادی خطاء تھی جس پر کوئی گرفت نہ تھی بلکہ اجتہاد کی وجہ سے ثواب حاصل تھا۔ پھر ''اطعه فی طاعة الله'' کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کام کر رہے تھے رب تعالیٰ کے نافرمان نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے یہ الفاظ ''واعصه فی معصية الله'' اس پر دلالت کر رہے ہے کہ اگر تمہارا اجتہاد انہیں غلطی پر سمجھتا ہے تو جو تم اپنے خیال کے مطابق غلطی اور رب کی نافرمانی سمجھو اسے نہ مانو۔

اعتراض بغاوت معاویہ پر:

حدیث پاک سے تو معاویہ اور ان کی جماعت کا باغی ہونا سمجھ آرہا ہے۔ آیئے! حدیث پاک دیکھئے:

''عن ام سلمة ان رسول الله ﷺ قال لعمار تقتلك الفئة الباغية۔''
(مسلم ج ۲ ص ۴۰۳ کتاب الفتن)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بیشک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار کو فرمایا تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔''

چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ان کو معاویہ کی جماعت نے قتل کیا۔ لہذا حدیث پاک سے ان کا باغی ہونا سمجھ آتا ہے۔

جواب:

امام حق کی مخالفت کی چار وجوہ ہیں اگرچہ بظاہر سب پر بغاوت کا اطلاق ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حرام بغاوت کا اطلاق نہیں، آیئے! ذرا تفصیل دیکھئے:

''باغی'' ماخوذ ہے ''بغی'' سے اس کا لغوی معنی ہے ''طلب کرنا'' جیسے کہا جائے ''بغیت کذا'' یعنی میں نے اسے طلب کیا۔ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں ''ما کنا نبغی'' بھی اسی معنی میں استعمال ہے۔

پھر عرف میں جو چیز حلال نہ ہو یعنی ظلم وغیرہ کو طلب کرنے والے کو باغی کہتے ہیں لیکن فقہاء کرام کے عرف میں "الباغی هو الخارج عن طاعة امام الحق" باغی اسے کہا جاتا ہے جو امام حق کی اطاعت سے نکل جائے پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ "احدها الخارجون بلاتأويل بمنعة وبلامنعة يأخذون أموال الناس و يقتلونهم ويخيفون الطريق وهم قطاع الطريق"

''ایک قسم یہ ہے کہ وہ امام کی طاعت سے خارج ہوں ان کے پاس لشکری قوت ہو بادشاہ سے مقابلہ کی یا نہ ہو اور ان کے پاس کوئی تاویل بھی نہ ہو وہ لوگوں کا مال چھین لیتے ہوں اور لوگوں کو قتل کر دیتے ہوں اور راستے میں لوگوں کو ڈراتے ہوں ان کو قطاع الطریق کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک قسم باغیوں کی ڈاکو ہیں۔''

﴿۲﴾ والثانی قوم كذلك الا انهم لامنعة لهم لكن لهم تأويل فحكمهم حكم قطاع الطريق ان قتلوا وصلبوا وان اخذوا مال المسلمين قطعت أيديهم وأرجلهم على ما عرف"

''دوسری قسم باغیوں کی یہ ہے کہ ان کو لشکری قوت تو حاصل نہ ہو لیکن ان کے پاس مخالفت کی کوئی وجہ پائی جائے یعنی تاویل ان کے پاس ہو ان کا حکم بھی ڈاکوؤں والا ہے، اگر یہ لوگوں کو قتل کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے اور اگر یہ لوگوں کا مال چھینیں تو ان کا دایاں ہاتھ اور بائیاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ دوسری قسم کے باغی بھی ڈاکو ہیں۔''

﴿۳﴾ "والثالث قوم لهم منعة وحمية خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفراومعصية يوجب قتاله بتأويلهم وهؤلاء يسمون بالخوارج يستحلون دماء المسلمين وأموالهم ويسبون نساء هم ويكفرون اصحاب رسول الله ﷺ وحكمهم عند جمهور الفقهاء وجمهور اهل الحديث حكم البغاة"

''تیسری قسم باغیوں کی یہ ہے کہ ایک قوم کو لشکری قوت حاصل ہو امام کی مخالفت کی وہ مخالفت کر رہے ہوں کسی تاویل کی وجہ سے (ان کی تاویل سراسر باطل ہو گی) یہ لوگ اپنے خیال کے مطابق امام کو کافر یا گنہگار مانتے ہیں اسلئے سمجھتے ہیں کہ قتال کرنا واجب ہے یہ لوگ خارجی ہیں جو مسلمانوں کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اور ان کے مال کو جائز سمجھتے ہیں اور ان کی عورتوں کو قید کر لیتے اور صحابہ کرام کو کافر کہتے ہیں جمہور علماء کے نزدیک ان کا حکم باغیوں والا ہے یعنی تیسری قسم باغیوں کی خارجی ہیں۔''

﴿۴﴾ والرابع قوم مسلمون خرجوا على امام العدل ولم يستجيبوا ما استباحه الخوارج من دماء المسلمين وسبى ذراريهم وهم البغاة"

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۸ باب البغاۃ)

''چوتھی قسم باغیوں کی یہ ہے کہ مسلمان قوم عادل بادشاہ کی طاعت سے نکل جائے، لیکن خارجیوں کی طرح مسلمانوں کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے، اور نہ ہی مسلمانوں کی عورتوں کو قید کرنا جائز سمجھتے ہیں، یہ (مشہور) باغی ہیں۔ یہ بغاوت بھی نا جائز ہے۔''

صحابہ کرام کی بغاوت علیحدہ قسم:

صحابہ کرام (معاذ اللہ) ڈاکو نہیں تھے کہ ان کو قطاع الطریق والی بغاوت کا نام دیا جائے لہذا پہلی دو قسموں والی بغاوت صحابہ کرام پر سچی نہیں آسکتی اور نہ ہی وہ خارجی تھے کہ

ان کو خارجیوں والی بغاوت کا نام دیا جائے خارجی تو کافر ہیں کسی صحابی کو (معاذ اللہ) کافر نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! کوئی کافر کسی صحابی کو باغی بمعنی خارجی کہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہے ہی کافر، کافر کا مسلمان کو کافر کہنا کوئی باعث تعجب نہیں۔

ہمارے ذہنوں میں جو بغاوت ہے وہ بھی صحابہ کرام میں نہیں تھی کیونکہ مشہور بغاوت ناجائز ہے صحابہ کرام کسی حرام کے مرتکب نہیں ہوئے۔ لہذا صحابہ کرام میں مذکور چوتھی قسم کی بغاوت نہیں تھی۔

صحابہ کرام میں کون سی بغاوت تھی؟

صحابہ کرام میں اجتہادی اختلاف تھا ایک فریق کا اجتہاد درست تھا دوسرے کا اجتہاد درست نہ تھا جس فریق کا اجتہاد درست نہ تھا اور وہ درست اجتہاد والے مجتہد مصیب فریق سے جنگ کر رہے تھے اجتہاد مخطی فریق کو میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ نے رب تعالیٰ کے عطاء کردہ علوم غیبیہ کی وجہ سے باغی فرمادیا تھا کہ وہ فریق جو مصیب نہیں ہوگا ان کی اجتہادی خطاء کی وجہ سے ان کا مطالبہ زیادتی ہوگا اسی مطالبہ کی زیادتی کو بغاوت کا نام دیا گیا۔

صرف بغاوت بغاوت کی رٹ نہ لگائی جائے:

بلکہ اس بغاوت کی وضاحت بھی کریں صحابہ کرام کو مطلقاً باغی کہنے والے اور اس بغاوت کی صحیح ترجمانی نہ کرنے والے درحقیقت صحابہ کرام سے بغض رکھنے والے ہیں ان کو ہی علماء سوء کہا جاتا ہے بلکہ راقم کے نزدیک وہی جہلاء مطلق ہیں۔ بغضِ صحابہ رکھنے والے جہلاء کیا دین اسلام کی وضاحت کریں گے وہ تو منافقانہ انداز سے دین اسلام کا حلیہ بگاڑ دیں گے تقیہ کرنے والے جہلاء سوء یاروں سے بچ کر رہیں ان کی بدگو زبان کی زد میں تو ''اسد اللہ الغالب'' حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا بہادر شخص بھی'' آتا ہے۔

تقیہ کے من گھڑت قول سے شیر خدا کو ڈرپوک بنا دیا۔ تقیہ کی لعنت سے حضرت

امام حسن رضی اللہ عنہ کو "مذلۃ المسلمین" (مسلمانوں کو ذلت عطاء کرنے والے) کے درجہ میں کھڑا کردیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تلوار سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی بچ نہیں سکتے۔ تقیہ والے حسین حسین کہتے بھی رہیں تو ان سے لوگ پوچھیں گے کہ جو کام حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے کیا کہ تقیہ کرکے باطل خلفاء کی باطل خلافتوں کو (معاذ اللہ) تسلیم کرلیا اور جو کام حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے تقیہ سے کیا کہ ایک باغی ظالم باطل راہ پر چلنے والے شخص کو (معاذ اللہ) خلیفہ برحق بنا کر اپنے آپ کو بچالیا وہ کام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کیا کہ آپ بھی اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو بچالیتے۔

تقیہ درحقیقت منافقت کا دوسرا نام ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس سے پاک وصاف تھے وہ تو سچے اور کھرے مسلمان تھے بہادر تھے، ڈرپوک نہ تھے۔

تقیہ والے بدیاروں سے علماء کرام وطلباء کرام بچ کر رہیں وہ تمہارے دین وایمان کے لٹیرے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دین برباد کر بیٹھو پھر کف دست (ہتھیلیاں) ملنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

علماء حق صحابہ کرام کی بغاوت کی وضاحت کرتے ہیں:

"عن ابی بکرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل و المقتول فی النار۔"
(مسلم ج۲ص۳۹۷)

"حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان ایک دوسرے سے تلواروں کا سامنا کرتے ہیں تو اس حال میں قتل کرنے والا اور قتل کیا جانے والا دونوں جہنمی ہیں۔"

اسی حدیث سے پہلے ایک اور حدیث میں اس کی مزید وضاحت دیکھئے، پھر صحابہ کرام کی بغاوت کو سمجھئے۔

"عن الاحنف بن قیس قال خرجت وانا ارید هذا الرجل فلقینی ابو بکرة فقال این ترید یا احنف قال قلت ارید نصر ابن عم رسول اللہ ﷺ یعنی علیا قال فقال یا احنف ارجع فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا توجه المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار قال فقلت أوقیل یا رسول اللہ هذا القاتل فما بال المقتول قال أنه قد اراد قتل صاحبه"۔

(مسلم ج۲ص۳۹۷ کتاب الفتن)

''احنف بن قیس کہتے ہیں میں نکلا اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد کا) ارادہ رکھتا تھا تو مجھے ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) ملے تو انہوں نے پوچھا اے احنف کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت علی کی امداد کا ارادہ رکھتا ہوں تو انہوں نے مجھے کہا اے احنف لوٹ جاؤ بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جب دو مسلمان تلواروں سے ایک دوسرے کا سامنا کریں تو قتل کرنے والا اور قتل کیا جانے والا دونوں جہنمی ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ قتل کرنے والا تو قتل کرنے والا ہے، لیکن قتل کئے جانے والے کا کیا حال ہے؟ (یعنی وہ کیوں جہنمی ہے) تو آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے صاحب کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔''

تنبیہ:

شروع میں اختلاف صحابہ کی بحث میں بیان کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام کے ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف میں تین فریق تھے ایک فریق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ رہا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دے رہا تھا اس فریق پر واجب ہو چکا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیں اور باغی سے قتال کریں۔

دوسرا فریق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ رہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باغی

قرار دے رہا تھا، اس فریق پر واجب ہو چکا تھا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دے اور باغی سے قتال کرے۔

تیسرا فریق دونوں کو غلط سمجھ رہا تھا اس فریق پر لازم ہو چکا تھا کہ وہ کسی ایک کا بھی ساتھ نہ دے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تیسرے فریق سے تھے۔

علماء ربانیین نے تحقیق وتدقیق، چھانٹ بینٹ کے بعد یہ فیصلہ کیا:

"واما کون القاتل والمقتول من اهل النار فمحمول علی من لاتاویل له ویکون قتالهما عصبیة ونحوها"

"قاتل اور مقتول کا جہنمی ہونا اس وقت ہوگا جب ان کی لڑائی کی کوئی تاویل نہ ہو ان کی لڑائی خاندانی اختلاف کی وجہ سے یا دنیاوی اغراض ومقاصد اس میں پائے جائیں صرف مال بٹورنے کیلئے لڑائی ہو۔"

"ثم کونه فی النار معناه مستحق لها وقد یجازی بذلك وقد یعفو الله تعالیٰ عنه هذا هو مذهب اهل الحق"

"پھر آگ میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگ کا مستحق ہوگا اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف کر دے تو اس کی مرضی ہوگی اہل حق کا یہی مذہب ہے۔"

"واعلم ان الدماء التی جرت بین الصحابة رضی الله عنهم بداخلة فی هذا الوعید،ومذهب اهل السنة والحق احسان الظن بهم والامساك عما شجر بینهم وتاویل قتالهم وانهم مجتهدون متأولون لم یقصدوامعصیة ولا محض الدنیابل اعتقد کل فریق أنه المحق ومخالفه باغ فوجب علیه قتاله یرجع الی

"یقین کر لو صحابہ کرام کے درمیان خونریزی (جنگیں) اس وعید (قاتل و مقتول جہنمی ہیں) میں نہیں آتیں مذہب اہل سنت کا یہی ہے کہ حق یہی ہے کہ صحابہ کرام کے متعلق اچھا گمان کرنا چاہیے اور ان کے اختلافات کے متعلق زبان نہ کھولی جائے اور ان کے قتال کی تاویل بیان کی جائے وہ تاویل یہ ہے کہ صحابہ کرام اجتہاد

امر اللہ و کان بعضهم مصیبا مخطئا معذورافی الخطاء لأنه باجتهاد والمجتهد اذا اخطأ لاأثم علیه و کان علی رضی الله عنه هو الحق المصیب فی ذلك الحروب هذا مذهب اهل السنة و کانت القضایا مشتبهة حتی ان جماعة من الصحابة تحیروا فاعتزلوا الطائفتین ولم یقاتلوا ولو تیقنوا الصواب لم یتأخروا عن مساعدة"

(نووی شرح مسلم ج۲ص۳۹۸ کتاب الفتن)

سے کام لے رہے تھے اور تاویل سے کام لے رہے تھے کسی فریق کا معصیت (گناہ) کا کوئی ارادہ نہ تھا اور نہ ہی فقط دنیا کیلئے وہ قتال (جنگ) تھی بلکہ ہر فریق کا اعتقاد یہ تھا کہ میں حق پر ہوں اور میرا مخالف باغی ہے تو اس پر قتال لازم ہو جاتا تھا تا کہ اس کے نزدیک جو باغی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے ایک فریق ان میں سے اپنے اجتہاد میں درست راہ پر تھا، اور دوسرا فریق اجتہادی خطاء میں تھا وہ اپنی اجتہادی خطاء میں معذور تھا کیونکہ مجتہد سے جو اجتہاد میں خطاء واقع ہو اس میں گناہ نہیں ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لڑائیوں میں حق اور صواب راہ پر تھے یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے لیکن لڑائیوں میں دلائل و اجتہادات مشتبہ تھے اس وجہ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت ان جنگوں میں حیران تھی وہ دونوں گرہوں سے جدا تھے وہ قتال کر رہے تھے اگر انہیں کسی ایک فریق کے حق ہونے کا یقین ہوتا تو وہ اس کی ضرور امداد کرتے۔

اب حدیث عمار کی شرح میں استعمال الفاظ کو دیکھیں:

"قال العلماء هذا الحدیث حجة ظاهرة فی ان علیا رضی الله عنه کان محقا مصیبا والطائفة الأخری بغاة لکنهم مجتهدون فلا اثم علیهم لذلك کما قدمناه فی مواضع منها هذا الباب۔"

"علماء نے بیان فرمایا ہے یہ حدیث (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے والی) واضح دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق اور صواب راہ پر تھے دوسرا گروہ باغی تھا لیکن دوسرے گروہ کی بغاوت بمعنی اجتہادی خطاء

(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۴۴۰ کتاب الفتن)

کی تھی دوسرے گروہ پر کوئی گناہ نہیں تھا یہ وجہ ہم نے کئی جگہ پر بیان کی ہے ابھی اس باب میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ (جو راقم نے قریب ہی بیان کر دیا ہے)

دونوں فرقوں کی حقانیت تقریباً مندرجہ ذیل حدیث سے سمجھ آ رہی ہے:

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان عظيمتان تكون بينهما مقتلة عظيمة ودعواهما واحدة۔

(مسلم ج ۲ ص ۳۹۸ کتاب الفتن)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی یہاں تک دو بڑی جماعتوں کے درمیان شدید لڑائی ہوگی حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔"

یعنی ایک فریق بھی کہے گا میں حق پر ہوں میرا مطالبہ شرعی ہے دوسرا بھی کہے گا میں حق پر ہوں میرا موقف شرعی ہے۔

غلطی کی بنیادی وجہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین خارجی بھی تھے جو بے دین اور کافر تھے اور آپ کے مخالفین صحابہ کرام بھی تھے جو اجتہادی خطاء پر تھے دونوں فریقوں کو باغی کہا گیا اور فقہاء کرام دونوں کا ذکر بعض اوقات ایک ہی حدیث میں کر دیتے ہیں ضال اور مضل مبلغین لوگوں کو وہم میں ڈال دیتے ہیں ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے مختصر الفاظ سے فرق دیکھئے۔ حدیث پاک مروی ہے زید بن وہب جہنی سے جس میں مذکور ہے:

"افتذهبون الى معاوية واهل الشام وتتركون هؤلاء يخلفونكم الى ذراريكم وأموالكم والله انى لأرجو ان يكونوا

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا تم معاویہ اور اہل شام کی طرف جاتے ہو اور یا تم ان (خارجیوں کو) اپنے پیچھے اپنی اولاد اور اپنے

هؤلاء القوم فانهم قد سفكوا الدم الحرام واغاروا فی سرح الناس فسیروا علی اسم الله۔"
(ابوداؤد کتاب السنۃ باب قتل الخوارج ص۳۱۳)

مالوں میں چھوڑ رہے ہو قسم ہے اللہ تعالیٰ کہ بیشک میں اس قوم کے بارے میں یہی امید کرتا ہوں کہ یہ حرام خون بہائیں گے اور لوگوں کی چراگاہوں (کھیتی اور درختوں) کو لوٹیں گے، اللہ کا نام کر لے ان کی طرف چلو۔"

اس حدیث سے بہت واضح ہے کہ خارجی باغی اور تھے اجتہادی خطا والے اور تھے۔

علماء سوء کو چھوڑیں علماء حق کی طرف آئیں:

"لایجوز ان ینسب الی احد من الصحابة خطاء مقطوع اذ کانوا کلهم اجتهدوا فیما فعلوه وارادوا الله عزوجل وهم کلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالکف عما شجر بینهم وان لانذکرهم الاباحسن الذکر لحرمة الصحبة ولنهی النبی ﷺ عن سبهم وان الله غفرلهم وأخبر بالرضاء عنهم"
(الجامع لاحکام القرآن، امام قرطبی رحمہ اللہ زیر آیۃ وان طائفتان من المؤمنین الایۃ سورۃ الحجرات)

"یہ جائز نہیں کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک کی طرف قطعی خطاء کی نسبت کی جائے اس لئے کہ سب صحابہ کرام اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہے تھے ہر ایک کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنا تھا وہ تمام ہمارے امام (پیشوا اور راہنما) ہیں اور تحقیق ہمیں عجز اختیار کرتے ہوئے صحابہ کرام کے اختلاف کے باطل ذکر سے زبانوں کو روک کر رکھنا چاہیے۔ ہمیں ان کی صحابیت کی حرمت (عزت) کا لحاظ کرتے ہوئے سوائے ان کے اچھے ذکر کے نہیں کرنا چاہیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو گالی دینے سے منع فرمایا اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی اور ان سے راضی ہونے کی خبر دی۔"

ذرا غور تو کریں نبی کریم ﷺ تو صحابہ کرام کو گالی دینے سے منع کریں نام نہاد امت مصطفیٰ ﷺ ان کے خلاف زبانیں کھولیں اور اللہ تعالیٰ جن کی مغفرت کا اعلان فرمائے نام نہاد مسلمان کہیں کہ ان کی بخشش نہیں ہوگی اور رب تعالیٰ تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمائے لیکن رب کا نام لینے کے دعویداران سے ناراض رہ کر اپنی عاقبت برباد کر دیں تو اس پر تعجب نہیں۔

عقیدہ اہل سنت:

"واعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالىٰ ورسول الله ﷺ وماجرى بين معاوية وعلى رضى الله عنهما كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة عن معاوية فى الامامة"

(احیاء العلوم الربع الاول، جلد اول ص ۱۷۴ کتاب قواعد الاعتقاد، الرکن الرابع قد طبع فی مطبع مجتبائی)

"اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام گناہوں کی آلودگی سے پاک وصاف تھے، ان کی تعریف کرنا ہم پر اسی طرح لازم ہے جیسے ان کی تعریف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمائی، اور جو اختلاف جاری ہوا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان وہ اجتہاد پر مبنی تھا حضرت امیر معایہ رضی اللہ عنہ کا جھگڑا امامت کا نہیں تھا۔"

نتیجہ واضح ہوا:

صحابہ کرام کا اختلاف حکومت حاصل کرنے کیلئے نہیں تھا بلکہ ہر فریق کا اجتہاد تھا اجتہادی اختلاف میں گناہ نہیں، بلکہ ہر فریق کو ثواب ملتا ہے مصیب (درست اجتہاد والے) کو دو ثواب ملتے ہیں اور مخطی (اجتہاد خطاء والے) کو ایک ثواب اجتہاد کا ملتا ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف کرنا مسلمانوں پر لازم ہے اس لئے کہ ان کی تعریف تو اللہ تعالیٰ نے کی اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی تعریف کی جن کی تعریف اللہ اور اس کے رسول کریں ان سے بغض رکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

اعتراض کس بات پر ہے؟

اگر کوئی شخص ہر صحابی کی علیحدہ علیحدہ تعریف نہ کرے تو اس پر تو کوئی اعتراض نہیں۔تمام صحابہ کرام کے اسماء گرامی ان کے حالات زندگی پر تو کوئی واقف نہیں ہاں بعض صحابہ کرام کا تذکرہ کتب میں ملتا ہے جن کا تذکرہ ملتا ہے ان کی بھی علیحدہ علیحدہ تعریف کرنا لازم نہیں بلکہ مجموعی طور پر صحابہ کام کی شان بیان کرنا ضروری ہے کوئی ایسا کلمہ زبان سے عمداً نکالنا جو صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا سبب بنے وہ دین ودنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

اعتراض اس بات پر ہے کہ بغض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یوں پیش کرے کہ "ہاں! میں معاویہ کی شان نہیں بیان کرتا کہ فلاں پیر بھی شان نہیں بیان کرتا" کیا صحابہ کرام کی شان مولویوں اور پیروں کی تعریف کی محتاج ہے کوئی مولوی بھی شان نہ بیان کرے اور کوئی پیر بھی شان نہ بیان کرے تو کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ ان کی شان تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں جن کی شان اللہ اور اس کے رسول بیان کریں ان کی شان تو نہ بیان کرے اور تیرے پیر نہ بیان کریں تو کیا فرق پڑے گا۔آیئے! قرآن پاک کی ایک آیۃ کریمہ کو دیکھئے تو راقم کا موقف واضح ہو جائے گا۔

وَقَالَ مُوْسٰی اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ O (سورۃ ابراہیم ۱۴:۸)

"اور موسیٰ نے کہا تم اور زمین میں جتنے ہیں سب کافر ہو جائیں تو رب تعالیٰ بے پرواہ، سب خوبیوں والا ہے۔" (کنز الایمان)

مطلب بہت واضح ہوا کہ اگر تمام لوگ کافر ہو جائیں تو رب تعالیٰ بے پرواہ ہے اسے کسی کی تعریف کی ضرورت نہیں، وہ تو تعریف کیا ہوا ہے وہ تو خود اپنی شان بیان کرتا ہے کسی اور تعریف کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ہاں! البتہ رب تعالیٰ کی تعریف کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور اس کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔صحابہ کی شان جب رب تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائے ہیں تو کسی کی تعریف

کی محتاج نہیں، ہاں البتہ تعریف وہی کرے گا جس کا ایمان پختہ ہوگا اور تعریف سے انکار کرنے والا دل میں بغض صحابہ ضرور رکھتا ہے۔

"واتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلك ولو عرف المحق منهم لأنهم لم يقاتلوا فى تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالىٰ عن المخطئ فى الاجتهاد بل ثبت أنه يؤجر أجر واحدا وان للمصيب يؤجر أجرين"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ ص ۳۴ کتاب الفتن باب اذا التقى المسلمان بسیفیھا)

"اہل سنت کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک پر طعن نہ کریں اس وجہ سے کہ ان کے درمیان لڑائیاں ہوئیں اگرچہ یہ معلوم بھی ہو چکا ہے کہ حق پر کون تھا لیکن ان کے درمیان سوائے اجتہاد کے جنگوں میں قتال کی کوئی اور وجہ نہ تھی رب تعالیٰ نے اجتہاد میں خطاء کرنے والے کو معاف فرما دیا بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ اجتہاد میں خطاء کرنے والے کو ایک ثواب حاصل ہوتا ہے اور درست اجتہاد والے کو دو ثواب حاصل ہوتے ہیں۔"

حضرات اہل سنت! اپنے بزرگوں کے عقائد سے انحراف نہ کیجئے:

حضرت مولٰنا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے ان کا مجتہد ہونا حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بخاری میں بیان فرمایا ہے مجتہد سے صواب و خطاء دونوں صادر ہو تے ہیں خطاء دو قسم ہے خطائے عنادی یہ مجتہد کی شان نہیں اور خطائے اجتہادی یہ مجتہد سے ہو جاتی ہے اور اس میں اس پر عند اللہ اصلاً مواخذہ نہیں۔"

(بہار شریعت اول ص ۵۸،۵۹)

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعدازاں سخن در ذکر جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وامیر معاویہ رضی اللہ عنہ افتاد، خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ فرمود آنچہ میان حضرت علی وامیر معاویہ رضی اللہ عنہما نزع وخصومت واقع شدہ است از روئے اجتہاد بود نہ از جہت عناد، پس اے درویش! اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برخطاء بود لیکن فعل مجتہد اگر برخطاء افتد ہم یک ثواب حاصل شود پس درویش را باید کہ درحق ایشاں نہ گوید''۔

(مرأۃ العاشقین ۱۰۹ از زیر بحث مرأۃ بیست وسوم ذکر جہاد اصغر واکبر)

''حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ کا ذکر ہوا تو حضرت خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ نے فرمایا: جو جنگ اور جھگڑا حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہوا وہ اجتہاد کی وجہ سے تھا عناد کی وجہ سے نہیں تھا پس اے درویش! اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے لیکن مجتہد سے اگر اجتہاد میں خطاء واقع ہو جائے تو بھی ایک ثواب حاصل ہو جاتا ہے پس درویش کو چاہئے کہ ان کے حق میں کچھ نہ کہے (یعنی ان کے اختلاف میں زبان نہ کھولے)۔''

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واختلافاتے کہ درمیان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوۃ والتسلیمات واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفوس شریف ایشاں تزکیہ یافتہ بودند واز امارگی باطمینان رسیدہ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود بلکہ آں اختلاف مبنی براجتہاد بود واعلائے حق۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۸۰)

''وہ اختلافات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے درمیان واقع ہوئے وہ خواہشات نفسانی کی وجہ سے نہ تھے کیونکہ ان کے نفوس شریفہ نے پاکیزگی کو حاصل کیا ہوا تھا وہ نفس امارہ سے بچ کر نفس مطمئنہ کو حاصل کر چکے تھے وہ شریعت کے تابع تھے بلکہ ان کا اختلاف اجتہاد پر اور اعلائے حق (حق کی بلندی) پر مبنی تھا۔''

اعلی حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نسیم الریاض لخفاجی رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء لامام قاضی عیاض

سے ایک شعر نقل فرمایا:

ومن یکون یطعن فی معاویہ فذاک من کلاب الھاویہ

جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا ہے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

(احکام شریعت حصہ اول ۱۰۲)

چند صفحات آگے چل کر آپ یوں قمطراز ہیں:

"جس کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ کہ مولی علی کو شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) سے افضل بتاتے ہیں (رضی اللہ عنہم) یا تفسیقیہ (فرقہ) کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن العاص ابو اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا (لوٹانا) واجب۔

(احکام شریعت حصہ اول ص ۱۲۸)

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فرمایا بعض اہل تشیع افراط و تفریط میں پڑ کر صحابہ کرام کے متعلق برا ظن رکھتے ہیں ان کی یہی بات نہایت نا شائستہ ہے اور محبت اہلِ بیت تو تخم ایمان ہے۔ (ملفوظات مہریہ ص ۹۴ ملفوظ ص ۱۲۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۱۶۳) احادیث کے راوی ہیں:

جن میں چار وہ ہیں جنہیں مسلم و بخاری دونوں نے روایت فرمایا اور چار صرف بخاری نے اور پانچ صرف مسلم نے باقی احمد، ابوداؤد، نسائی، بیہقی، طبرانی، ترمذی، مالک وغیرہم محدثین نے روایت فرمائیں۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۵۳ مصنفہ مفتی احمد یار خان)

خیال کرنا چاہیے کہ امام بخاری و مسلم وہ بزرگ ہستیاں ہیں جو ذرا سے شبہ فسق کی بناء پر روایت نہیں لیتے۔ ان بزرگوں کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت قبول فرمالینا با اعلان بتا رہا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی نگاہ میں متقی عادل، ثقہ، قابل روایت ہیں۔

(حضرت امیر معایہ پر ایک نظر ص ۵۳ مصنفہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ)

تمام صحابہ کرام عادل وثقہ ہیں:

"واما جهالة الراوی فأنه ایضا سبب الطعن فی الحدیث لأنه لم یعرف أو أخبرنی شیخ ویسمی هذا مبهما وحدیث المبهم غیر مقبول الا أن یکون صحابیا لأنهم عدول."

(مقدمہ مشکوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ص ۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

"راوی کا مجہول ہونا حدیث میں طعن کا سبب ہے، اسلئے کہ اس کا حال نہیں پہنچانا گیا کہ بیشک وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ ہے جیسے کوئی راوی کہے "حدثنی رجل" (مجھے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا کہے "اخبرنی شیخ"، مجھے شیخ نے خبر دی، اس حدیث کو مبہم کہا جاتا ہے اور مبہم مقبول نہیں مگر یہ کہ صحابی ہو تو وہ حدیث مقبول ہو گی کیونکہ صحابہ تمام ہی مقبول ہیں۔"

یہ بات خیال رہے کہ یا روایت اس طرح آئے گی "حدثنی رجل من الصحابة" مجھے حدیث بیان کی صحابہ میں سے ایک شخص نے اور یا صحابی روایت کرے "حدثنی رجل" مجھے ایک شخص نے حدیث بیان کی تو وہ شخص یقیناً صحابی ہی ہونے ہیں، تمام صحابہ چونکہ عادل ہیں، اسلئے راوی جب صحابی مبہم ہو تو وہ روایت قبول ہو گی۔ (راقم)

"والصحابة یشارکون سائر الرواة فی جمیع ذلك الا فی الجرح والتعدیل فأنهم کلهم عدول لا یتطرق الیهم الجرح لأن الله عزوجل ورسوله زکاهم وعدلاهم وذلك مشهور لانحتاج لذکره".

"صحابہ کرام باقی راویوں سے تمام صفات میں شریک ہیں، سوائے جرح وتعدیل کے بیشک تمام کے تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔ ان پر جرح کرنا درست نہیں ہو گا (یعنی کسی صحابی کو غیر عادل، غیر ثقہ وغیرہ نہیں کہا جا سکتا) اس لئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا تزکیہ فرمایا، اور ان کو عادل بنایا، صحابہ کرام کا

(اسد الغابۃ ج ۱ ص ۱۴)

پاکیزہ ہونا اور عادل ہونا اتنا زیادہ مشہور ہے کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"فلایحتاج احد منهم مع تعدیل الله تعالی لهم المطلع علی بواطنهم الی تعدیل احد من الخلق"

"اللہ تعالیٰ نے جب صحابہ کرام کی تعدیل کردی یعنی ان کو عادل بنادیا' ان کے عادل ہونے کو بیان فرمادیا اور کسی اور کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعدیل کی ضرورت نہیں' اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی امور پر مطلع ہے۔ اس تعدیل کے ہوتے ہوئے مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کی ضرورت نہیں۔"

(الکفایہ' باب ماجآء فی تعدیل اللہ ورسولہ الصحابہ' ص ۴۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جن اکابر صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے احادیث نقل کیں۔

(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ' ص ۵۲)

اعتراض:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو معاویہ کے خلاف دعاء کی' جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی ہو وہ شخص قابل تعریف کیسے؟ آیئے! حدیث پاک کو دیکھئے:

"عن ابن عباس قال: کنت العب مع الصبیان فجاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فتواریت خلف باب قال: فجاء فحطائی حطأة وقال اذهب ادع لی معاویة قال: فجئت هو یاکل' قال: ثم قال لی اذهب فادع لی معاویة' قال: فجئت فقلت هو یاکل قال:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا' تو آپ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا (پیار سے تھپکی دی) پھر فرمایا: جاؤ! میرے پاس

ثم قال لی: اذهب فادع لی معاویة' قال فجئت فقلت هو یأکل فقال: لا اشبع الله بطنه'قال ابن المثنی: فقلت لأمیة ما حطأنی قال قفدنی قفدة۔"

(صحیح مسلم' امام مسلم قشیری رحمہ اللہ' ج۲' ص۳۲۳' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معاویہ کو بلاؤ۔ یہ کہتے ہیں: میں آیا' میں نے کہا: وہ کھانا کھا رہے ہیں پھر فرمایا: جاؤ! میرے پاس معاویہ کو بلاؤ۔ یہ کہتے ہیں: میں آیا' میں نے کہا: وہ کھانا کھا رہے ہیں' آپ نے پھر مجھے فرمایا: جاؤ! معاویہ کو میرے پاس لاؤ' تو میں آیا' میں نے کہا: وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ ان کے پیٹ کو سیر نہ کرے۔ ابن مثنی کہتے ہیں: میں نے امیہ سے پوچھا "حطأنی" کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے "قفدنی قفدة"

اس لفظ کی وضاحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کی:

"وهو الضرب بالید مبسوطة بین الکتفین وانما فعل هذا بابن عباس ملاطفة وتانیسا"

"کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ کشادہ کر کے دو کندھوں کے درمیان مارنا۔ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر مہربانی کرتے ہو پیار سے محبت سے ہاتھ مارا۔"

پہلا جواب:

"احدهما انه جری علی اللسان بلا قصد"

"یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بلا ارادہ الفاظ جاری ہوئے' یہ حقیقت میں آپ کے خلاف دعا نہیں تھی۔"

دوسرا جواب:

"والثانی انه عقوبة له التأخر وقد فهم

"دوسرا جواب یہ ہے کہ بظاہر حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاخیر کی وجہ سے حضور کی طرف زجر والی دعاء نظر آتی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہی معنی سمجھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مخالف دعاء کے حقدار نہ تھے' اسی وجہ سے اس باب میں اس دعاء کو داخل کیا بلکہ حقیقت میں یہ ان کے حق میں دعاء تھی۔"

رحمه الله من هذا الحديث ان معاوية لم يكن مستحقا للدعاء عليه فلهذا ادخله في هذا الباب وجعله غيره من مناقب معاوية لأنه في الحقيقة يصير دعاء له"۔

(نووی شرح مسلم 'امام نووی رحمہ اللہ' ج۲' ص۳۲۳' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اسی وجہ سے مسلم کے بغیر باقی بعض محدثین نے اس حدیث کو مناقب کے باب میں ذکر کیا ہے۔

تنبیہ: مسلم کے جس باب میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے' اس کا نام ہے:

"یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اگر کسی پر لعنت کریں یا اس سے سخت کلامی فرمائیں یا اس کے خلاف دعاء فرمائیں اور وہ اس کا حقدار نہ ہو تو یہ اس کی پاکیزگی کا سبب بنیں گے اور اس کیلئے اجر ورحمت ہوں گے۔"

"باب من لعنه النبي ﷺ أوسبه وأودعا عليه وليس أهلا لذلك كان له زكوة واجرا ورحمة"

نبی کریم ﷺ کی ایک اور صریح حدیث مذکور اس مسئلہ کو روز روشن کی طرح واضح کر رہی ہے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس دو شخص آئے' ان دونوں نے آپ سے کسی چیز کے بارے میں بات کی' مجھے معلوم نہیں وہ بات کیا تھی؟ جس کی وجہ سے ان دونوں نے آپ کو غصہ دلا دیا'

"عن عائشة قالت دخل على رسول الله ﷺ رجلان فكلماه بشئ لاادري ماهو فاغضباه فلعنهما وسبهما فلما خرجا قلت يارسول الله لمن اصاب من الخير شيئا ما اصابه هذان قال وما ذاك قال قلت لعنتهما

وسبتهما قال أوما علمت ما شارطت عليه ربی قلت اللهم انما انا بشر فأی المسلمين لعنته او سببته فاجعله له زكوة واجرا"۔

(صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج ۲، ص ۳۳۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو آپ نے ان دونوں پر لعنت فرمائی اور سخت کلام فرمائی۔ جب وہ دونوں گھر سے نکل گئے تو میں نے کہا اور تو آپ سے خیر (بھلائی) حاصل کرتے ہیں، ان دونوں کو خیر حاصل نہیں ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا: اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ فرماتی ہے کہ میں نے عرض کیا: کہ آپ نے دونوں پر لعنت فرمائی اور ان دونوں سے سخت کلامی فرمائی۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے ایک شرط منظور کرا رکھی ہے؟ اس لئے کہ میں نے (رب کے حضور) عرض کیا: "اے اللہ! میں بشر ہوں، مسلمانوں میں سے میں کسی پر لعنت کروں یا کسی سے سخت کلامی کروں تو (اس میری لعنت اور سخت کلامی کو) اس کیلئے پاکیزگی بنادے، اور اس کیلئے اجر بنادے۔"

تنبیہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں کوئی ایسے الفاظ نہیں جن سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا ہو تو انہوں نے یہ کہا ہو کہ میں کھانا کھا کر آتا ہوں۔ دوبارہ پھر پیغام دیا ہو تو انہوں نے کہا ہو کہ میں کھانا کر آتا ہوں۔

راقم کو تو یہی بات سمجھ آتی ہے کہ جس طرح بچے بزرگوں کو دیکھ کر بغیر بات کہے لوٹ آتے ہیں، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر لوٹ آتے

تھے' البتہ ان کے کھانا کھانے میں دیر ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے دعائیہ الفاظ ذکر فرمائے جو حدیث پاک میں مذکور ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاصل ہونے والے فوائد:

﴿۱﴾ بچے کھیل رہے ہوں لیکن وہ کھیل حرام نہ ہو تو بچوں کو کھیلنے کی اجازت دینا جائز ہے۔

﴿۲﴾ بچہ جب سمجھدار ہو، اس پر اعتماد کیا جا سکے تو اسے کسی کو بلانے کے لیے بھیجنا جائز ہے، اسی طرح اسے ہدیہ دے کر بھیجنا جائز ہے۔ کسی کام کے لیے بھیجنا جائز ہے۔ مسلمانوں سے عرف اور ان کے عمل کی وجہ سے بچے کو کام کے لیے بھیجنا جائز ہو گیا تا کہ مسلمانوں کے کام معطل نہ ہو جائیں۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳)

تنبیہ: صحابہ کرام کے ایمان لانے سے پہلے کے واقعات کو آڑ بنا کر صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا سوائے حماقت و جہالت کے کچھ نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے اسلام اور رسول اللہ کے شدید مخالف تھے لیکن اسلام لانے کے بعد آپ فاروق بن گئے' یعنی یہ لقب خود حضور ﷺ نے عطاء فرمایا اور ارشاد فرمایا "انت فارق بین الحق والباطل" تم حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہو۔

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ ہندہ رضی اللہ عنہما اسلام کے شدید مخالف تھے' حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں پیش پیش رہتے تھے لیکن جب سے اسلام قبول کیا' مخلص مؤمن بن گئے' اسلام کے معاون بن گئے' کافروں سے جہاد کرنے کی درخواست خود نبی کریم ﷺ کو دی۔

ان کی زوجہ ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے جسم کی بے حرمتی کی، لیکن اسلام لانے کے بعد مؤمنہ مخلصہ بن گئیں۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے غزوہ احد میں قاتل ہیں، لیکن جب سے آپ نے اسلام قبول کیا' اسلام کے شیدائی ہو گئے' پھر مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے والے بھی یہی تھے۔ مسیلمہ کذاب

کو قتل کرنے کے بعد فرماتے تھے: میں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا کفارہ ادا کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام لانے سے پہلے بت پرست تھے۔ ان میں سے کوئی شرابی، کوئی ڈاکو، کوئی بدکار کوئی چور، کوئی قاتل، کوئی فسادی تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد ہر عمل اچھا ہو گیا۔ اگر کوئی خطاء سرزد ہوئی تو توبہ کر لی، اپنے آپ کو حد کے لیے پیش کر دیا، سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ مقام نبوت کے بعد اگر کوئی عظیم مرتبہ ہے تو وہ مقام صحابیت ہے، وہ مقام حاصل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی امت پر برتری حاصل کر لی۔ صحابہ کرام میں بھی مختلف مدارج ہیں۔

خود جو راہ پر نہ تھے اوروں کے ہادی بن گئے
واہ اک نظر نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے جلیل القدر حضرات:

حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جریر ابن عبداللہ بجلی، معاویہ بن خدیج، سائب ابن یزید، نعمان ابن بشیر، ابو سعید خدری اور ابو الامہ ابن سہل رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ وفقیہ ومجتہدین صحابہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں۔ اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت جبیر، ابو ادریس خولانی، سعید ابن مسیب، خالد بن معدان، ابو صالح سمان ہمام ابن عتبہ، عبداللہ ابن حارث اور قیس ابن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر تابعین علماء وفقہاء نے روایات حدیث لیں اور قبول کیں۔

اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں فسق وظلم وغیرہ کا شائبہ بھی ہوتا تو یہ حضرات ان سے روایت حدیث نہ کرتے۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر، مصنفہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ)

چند احادیث ملاحظہ ہوں:

"عن معاوية قال كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يمص لسان الحسن أوشفته وانه لن يعذب	"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

الله لسانا أوشفة مصهما رسول الله ﷺ۔"

(اخرجہ احمد، مرقاۃ ج۱۱ص۳۸۰ مناقب اہل بیت)

کی زبان اور ہونٹ چوستے تھے اللہ تعالیٰ ہرگز اس زبان اور ہونٹوں کو عذاب نہیں دے گا جن کو رسول اللہ ﷺ نے چوسا۔"

"عن یزید بن اصم عن معاویة بن ابی سفیان قال قال رسول الله ﷺ من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین ولاتزال عصابة من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناوأهم الی یوم القیامة"۔

(صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج۲، ص۱۵۱، باب لاتزال طائفۃ من امتی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

"یزید بن اصم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس پر خیر (بھلائی) کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقاہت (سمجھ) عطاء فرمادیتا ہے، ہمیشہ ایک جماعت مسلمانوں کی حق پر جہاد کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک اپنے دشمنوں پر غالب آتے رہیں گے۔"

"عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر ان عمیر بن هانئ حدثه قال سمعت معاویة علی المنبر یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتزال طائفة من أمتی قائمة بأمر الله لایضرهم من خذلهم أوخالفهم حتی یأتی امر الله وهم ظاهرون علی الناس"۔

(صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج۲، ص۱۵۱، باب لاتزال طائفۃ من امتی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

"عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر فرماتے ہیں: بیشک عمیر بن ہانی نے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہم) سے حدیث منبر پر فرماتے ہوئے سنی، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، انہیں ضرر نہیں پہنچائے گا کسی کا ان کو رسواء کرنا یا مخالفت کرنا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے (یعنی قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا) وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔"

"عن جریر انه سمع معاویة یخطب فقال مات رسول اللہ ﷺ وھو ابن ثلاث وستین، وابو بکر وعمر وانا ابن ثلاث وستین"۔
(صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج۲، ص۲٦۸، باب قدر عمرہ ﷺ الخ)

''جریر کہتے ہیں بیشک میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا وصال بھی اسی عمر میں ہوا، اور مجھے امید ہے میرا وصال بھی اسی عمر میں ہوگا۔''

احادیث مذکورہ سے فوائد حاصل ہوئے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل بیت سے محبت تھی، ذاتی عناد نہیں تھا۔ حق پر جہاد کرنے کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے پتہ چلا آپ کی لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے اجتہاد کے مطابق حق پر تھی۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت تھی اسی لئے آپ نے ان کی عمروں کے مطابق اپنی عمر کی تمنا کی اگرچہ آپ کو وہ عمر حاصل نہ ہوسکی بلکہ آپ کی عمر زیادہ ہوئی۔ (راقم)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہدیہ قبول کیا:

"وعن عبد الله بن بریدة ان الحسن دخل علی معاویة فقال لأجیزنك بجائزة لم أجزبھا أحدا قبلك ولا أجیز بھا أحدا بعدك فأجاز بأربعمائة ألف (ألف) فقبلھا"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ مناقب اہل بیت، ج۱۱، ص۳۸۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

''عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں: بیشک امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا: میں آپ کو ضرور بر ضرور وہ انعام دوں گا، جو انعام میں نے آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیا اور نہ ہی آپ کے بعد کسی کو دوں گا۔ تو آپ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم

عطاء کیے جو آپ نے قبول فرمالئے۔"

تنبیہ: اکثر اردو کتب کو دیکھا ان میں چار لاکھ کا ذکر ملا تو راقم نے "بأربعمائة ألف" کے بعد ألف کو بریکٹ میں کر دیا کہ ہوسکتا ہے کہ سہو کتابت ہو لیکن مرقاۃ میں بغیر بریکٹ کے یوں مذکور ہے۔ "فأجاز بأربع مائة ألف ألف" اگر یہ عبارت درست ہو تو معنی یہ ہوگا کہ چار کروڑ دراہم دیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (راقم)

ذرا غور کریں:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھاری رقم بطور ہدیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے قبول کی جو اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ اگر ظالم و فاسق سمجھتے تو آپ جیسا متقی، درویش سیرت اس ہدیہ کو قبول نہ کرتا۔ نواسئہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہدیہ قبول کرنا ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان کو ظاہر کر رہا ہے۔ (راقم)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہدیہ قبول کیا:

ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں ہی آپ کے پاس آئے تو آپ نے فوراً انہیں دو لاکھ عطیہ دیا، اور اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ آپ نے ہم سے افضل کسی شخص کو عطیہ نہیں دیا۔

(ماخوذ از ابن کثیر ج ۸، ص ۹۸٦ بالفاظ دیگر)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہزار دینار بھیج کر غریبوں میں تقسیم کرنے کیلئے کہا:

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واندر حکایت یافتم که روزے مردے بنزدیك وے آمد گفت یا پسر رسول خدا من مرد درویشم واطفال دارم مرا از تو	"واقعات میں یہ واقعہ میں نے پایا ہے کہ ایک دن ایک شخص (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا، عرض کیا: اے نواسئہ

قوت امشب مے باید حسین رضی اللہ عنہ وے را گفت بنشین کہ مرا رزقے درراہ است تا بیارند بسے برنیامد کہ پنج صرہ از دینار بیاوردند از نزدمعاویہ رضی اللہ عنہ اندر ہر صرہ ہزار دینار بود و گفتند کہ معاویہ(رضی اللہ عنہ)از تو عذر می خواہد ومی گوید کہ ایں مقدار اندر وجہ کہتران خرچ کن تابراثر تیماری نیکو ترازیں داشتہ آید حسین رضی اللہ عنہ اشارت بداں درویش کرد تاآں پنج صرہ بدودادند وازوے عذر خواست کہ بس دیر ماندی۔"

(کشف المحجوب فارسی ص ۵۸ مطبوعہ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور)

رسول ﷺ! میں ایک فقیر (غریب) شخص ہوں اور عیال دار ہوں۔آپ سے آج رات کا کھانا طلب کرتا ہوں' آپ نے اسے فرمایا: بیٹھ جاؤ! کہ میرا رزق راہ میں ہے۔ بس اسے آنے دو زیادہ دیر نہ گزری کہ پانچ تھیلیاں دیناروں کی آپ کے پاس پہنچادی گئیں' ہر تھیلی میں ایک ایک ہزار دینار تھے۔ تھیلیاں لانے والے حضرات نے کہا: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بس تھوڑی مقدار رقم بھیج رہا ہوں یہ غریبوں میں تقسیم کر دینا،آپ کی طرف سے غریبوں کا پرسان حال اچھے اثرات مرتب کرے گا۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس درویش کی طرف اشارہ کیا' وہ پانچ تھیلیاں اسے دے دی گئیں' اوراس سے معذرت کی کہ آپ کو کچھ دیرانتظار کرنی پڑی۔"

حضرت امام حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہدیہ دیا:

اسمعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے

پسر رسول ﷺ! خوش آمدید !اور آپ کو تین لاکھ درہم دینے کا حکم دیا' اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد خوش آمدید! اور آپ کو ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ہشتم ص ۹۸۴)

واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار سے کوئی ذاتی عناد نہیں رکھتے تھے بلکہ فقط اجتہادی اختلاف تھا' ورنہ آپ عطیات نہ دیتے اور نہ ہی اہل بیت قبول کرتے۔

اعتراض:

امیر معاویہ کے دل میں اہل بیت کا کینہ تھا' انہوں نے اہل بیت کو ستایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے علی کو ستایا اس نے مجھے ستایا" نیز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت سے جنگ کی حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ "جس نے جنگ علی سے جنگ کی' اس نے مجھ سے جنگ کی" اور جو حضور ﷺ سے جنگ کرے وہ مؤمن نہیں۔

جواب:

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب:

تو یہ ہے کہ اس سوال کی زد میں معاذ اللہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل ہو جائیں گے، کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت عائشہ' طلحہ' زبیر' محمد ابن طلحہ (رضی اللہ عنہم) جیسے مقدس صحابہ کا کینہ تھا اور حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام کے متعلق فرمایا:

"فمن ابغضهم فببغضی ابغضهم" "جس نے صحابہ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔"

نیز یہ الزام حضرت عائشہ صدیقہ و طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہم) وغیرہ پر بھی وارد ہوگا' غرضیکہ ایک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بغض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام صحابہ و اہل بیت کی غلامی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

تحقیقی جواب:

یہ ہے کہ حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار کی مخالفت کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے:

اس لئے جلنا کہ یہ حضور ﷺ کے اہل بیت ہیں' یہ کفر ہے کہ اس میں در پردہ حضور ﷺ سے جلنا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے:

کہ کسی دنیاوی وجہ سے ناراض ہونا۔اس میں اگر نفسانیت شامل ہے تو فسق ہے' ورنہ نہیں۔ بہت دفعہ حضرت علی مرتضی اور فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہما میں خانگی معاملات میں شکررنجی ہوجاتی تھی۔شہادت عثمان کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے رخ شریف پر طمانچہ مارا کہ تم نے حفاظت میں سستی کیوں کی؟ایک بار حضرت عباس اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) میں سخت رنجش ہوگئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دور کی حضرت عباس نے حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کیلئے بہت سخت الفاظ استعمال کئے۔ (مسلم)

یہ چیزیں دن رات آپس میں ہوتی رہتی ہیں' یہ فسق وگناہ بھی نہیں۔

تیسری صورت یہ ہے:

کہ کسی غلط فہمی کی بناء پر اہل بیت سے نا اتفاقی ہوجانا' یہ نہ فسق ہے نہ گناہ' محض غلط فہمی ہے۔ان حضرات کی یہ تمام جنگیں اس تیسری قسم کی تھی' ان کے سینے کینہ سے پاک تھے لڑتے بھی تھے اور ایک دوسرے کو تحفہ وہدایا بھی دیتے تھے۔(جو ابھی قریب ہی راقم نے ذکر کیا ہے) (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر' مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ص ۶۸'۶۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے تعلقات:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شاعر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف

میں قصیدہ پڑھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے حد تعریف فرمائی۔ امیر معاویہ ہر شعر پر جھوم کر فرماتے تھے کہ واقعی علی رضی اللہ عنہ ایسے ہی ہیں اور قصیدہ کے ختم پر شاعر کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سات ہزار اشرفی انعام دیا۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ص ۲۱)

حکایت:

استیعاب میں ہے کہ جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ محمد ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر سے گزرے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔ انہیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی عمر بن جرموز نے قتل کیا تھا۔ ان کی نعش دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا: اے محمد ابن طلحہ رضی اللہ عنہ! تم بڑے متقی نمازی راکع وساجد تھے اور ان کی تلوار دیکھ کر فرمایا: قسم خدا کی اس تلوار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت مدد کی، پھر فرمایا: انہیں کس نے قتل کیا ہے؟ عمرو ابن جرموز انعام پانے کی لالچ میں سامنے آیا اور فخر یہ کہا: میں نے قتل کیا اور قتل کی تمام کیفیت بیان کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دوزخی ہے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ محمد ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل دوزخی ہے۔ عمرو ابن جرموز غصہ میں بھر گیا، اور بولا: اے علی! تمہارا کیا اعتبار اگر تم سے لڑو تو دوزخی، اور تمہاری طرف سے لڑو تو دوزخی! یہ کہہ کر اسی خنجر سے جس سے محمد ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی یعنی کافر ہو کر خودکشی کی۔

(الناہیہ ص ۱۸، امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۶۹)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ نے سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا:

حاکم نے براویت ہشام بن محمد رحمہ اللہ روایت کی کہ امیر معاویہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کیلئے ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا۔ اتفاقاً ایک سال یہ وظیفہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو نہ ملا۔ آپ نے چاہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یاد دہانی کیلئے خط لکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں امام حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اپنے جیسے مخلوق کو نہ لکھو رب سے عرض کرو! اور فرمایا:

یہ دعا پڑھو:

" اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رِجَاءَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا اَرْجُوَا اَحَدًا غَيْرَكَ اَللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِيْ وَقَصَرَ عَنْهُ عَمَلِيْ وَلَمْ تَنْتَهِ اِلَيْهِ رَغْبَتِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِيْ وَلَمْ يَجْرِ عَلٰى لِسَانِيْ مِمَّا اَعْطَيْتَ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مِنَ الْيَقِيْنِ فَخَصِّنِيْ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ"۔

"اے اللہ! میرے دل میں اپنی امید بھر دے اور اپنے ماسوا سے امید منقطع فرما دے، یہاں تک کہ تیرے سوا کسی سے امید نہ رکھوں۔ اے اللہ! جس چیز سے میری طاقت کمزور ہے اور میرے عمل کوتاہ ہیں اور میری رغبت وہاں تک نہ پہنچی اور میرا سوال وہاں تک نہ پہنچا اور وہ میری زبان پر جاری نہ ہوا جو کہ تو نے اگلوں اور پچھلوں کو یقین عطاء فرمایا ہے، مجھے اس سے خاص کرا ے جہانوں کے پالنے والے!"

(خیال رہے بعض نسخوں میں "فخلصنی" ہے، اس کا معنی ہے مجھے اس سے چھٹکارا دے) چنانچہ یہ دعاء حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھنی شروع کر دی۔ ابھی ایک ہفتہ نہ گذرا تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پندرہ لاکھ درہم بھیج دیئے یعنی دو لاکھ دو ماہ کا وظیفہ اور تیرا لاکھ درہم۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۵۷)

فائدہ:

مسلمان یہ دعاء یاد کر لیں دفع حاجات کیلئے یعنی اللہ تعالیٰ اس دعاء کے ذریعے مؤمنین کی حاجات پوری فرماتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قصیدہ پڑھنے والوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انعام:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا: جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی شان میں قصیدہ پڑھے، میں اسے فی شعر ایک ہزار دینار دوں گا۔ چنانچہ حاضرین شعراء نے اشعار پڑھے اور انعام لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر شعر پر کہتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ اس سے بھی افضل ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

هو النباء العظيم و فلك نوح
و باب الله و انقطع الخطاب

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑی خبر والے ہیں اور نوح علیہ السلام کی کشتی ہیں (جو آپ کے پاس آیا اسے نجات مل گئی) اور وہ اللہ کا دروازہ ہیں، خطاب (آپ پر) ختم ہو گیا۔

مفتی صاحب نے "وانقطع الخطاب" کا ترجمہ کیا: ان کے بغیر اللہ سے کوئی کلام نہیں کر سکتا'' (واللہ اعلم بالصواب) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شعر پر اس شاعر کو سات ہزار دینار دیئے۔

(نفائس الفنون، محمد ابن محمود آملی بحوالہ کتاب الناہیہ، حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر، ص ۵۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہدیہ قبول کرنے کی اجازت دی:

ابن عساکر نے روایت کی جنگ کے زمانہ میں حضرت عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے کچھ روپیہ کی ضرورت ہے، دیجئے! فرمایا: ابھی میرے پاس نہیں۔ آپ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے! میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا بڑا احترام کیا اور ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ص ۵۸)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھنے کا مشورہ دیا:

مسند احمد ابن حنبل میں ہے کہ ایک شخص نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: یہ مسئلہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے پوچھو وہ مجھ سے بڑے عالم ہیں۔ اس نے کہا: آپ ہی فرما دیں، مجھے آپ کا جواب زیادہ پسند ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ تو نے بہت بری بات کی، کیا تو ان سے نفرت کرتا ہے؟ ''جن کی توقیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، ان کے کمال علم کی بناء پر۔ اور جن کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسی علیہ السلام کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام، مگر میرے بعد نبی نہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت علم کا یہ حال ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کوئی مشکل درپیش آتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حل کراتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر اس شخص سے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جا! اور اس کا نام وظیفہ والوں کے دفتر سے خارج کر دیا۔ (کتاب الناہیہ، حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۵۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں توصیفی کلمات:

امام محمد ابن محمود آملی نے نفائس فنون میں روایت کی کہ ایک بار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علی شیر تھے، علی چودھویں رات کے چاند تھے، علی رحمت خدا کی بارش تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: آپ افضل ہیں یا علی؟ تو آپ نے فرمایا: علی کے قدم ابوسفیان کی آل سے افضل ہیں۔

(الناہیہ، حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۶۰)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریفی کلمات کا حکم:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار ضرار ابن حمزہ سے کہا کہ مجھے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اوصاف سناؤ۔ انہوں نے عرض کی کہ مجھے اس سے معاف رکھو۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہا: تمہیں خدا کی قسم! ضرور سناؤ۔ ضرار ابن حمزہ نے نہایت فصیح و بلیغ طور پر حضرت علی

المرتضی رضی اللہ عنہ کی منقبت سنائی جس کا خلاصہ ترجمہ حسب ذیل ہے:

''علی بڑی سخاوت والے سخت قوت والے تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے' عدل کا فیصلہ کرتے تھے۔ان کی جوانب سے علم کی نہریں بہتی تھی' ان کی زبان پر علم بولتا تھا' دینار اور دنیا کی زیب وزینت سے نفرت کرتے تھے۔رات کی تنہائی اور وحشت پر مائل تھے' راتوں کو روتے رہتے تھے اکثر آخرت کی فکر میں رہتے تھے، موٹا لباس معمولی کھانا پسند فرماتے تھے۔لوگوں میں عام شخص کی طرح رہتے تھے' جب ان سے کچھ پوچھتے تو فوراً جواب دیتے۔جب ہم انہیں بلاتے تو فوراً آجاتے تھے' اس بے تکلفی کے باوجود ان کی خداداد ہیبت کا یہ حال تھا کہ ہم ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔دینداروں کی تعظیم فرماتے تھے' مسکینوں کو اپنوں سے قریب رکھتے تھے' علی رضی اللہ عنہ کے دربار میں کوئی کمزور مایوس نہیں ہوتا تھا' قوی دلیر نہیں ہوتا تھا۔قسم خدا کی! میں نے علی رضی اللہ عنہ کو بہت دفعہ ایسا دیکھا کہ رات کے تارے غائب ہو جاتے تھے' اس حال میں کہ آپ ایسا روتے تھے جیسے کسی کو بچھو کاٹ لے اور رو رو کر فرماتے تھے کہ افسوس کے عمر تھوڑی ہے' سفر لمبا ہے' سامان تھوڑا ہے' سفر خطرناک ہے۔اور آپ کی داڑھی سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکتے تھے اور فرماتے تھے: افسوس! افسوس!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر زار زار رونے لگے اور فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) ایسے ہی تھے' ایسے ہی تھے' ایسے ہی تھے۔

(صواعق محرقہ' حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر میں ص ۶۰'۶۱)

مندرجہ بالا واقعات سے معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کا فرق واضح ہو گیا:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہدیہ قبول کیا تو اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے آپ کی

خلافت وحقانیت کوتسلیم کیا۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تو اسی سے یہ پتہ چل گیا کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ظالم وفاسق نہ سمجھا (معاذ اللہ) ورنہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت آپ کے سپرد نہ کرتے۔

جب یہ واضح ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر بیعت کر لی تو اپنے اس عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار ہیں کیونکہ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ متقی ہیں صحابہ سے بڑھ کر کون متقی ہوسکتا ہے؟ وہ عادل اور ثقہ ہیں لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کر کے ثابت کر دیا کہ یہ خلافت کا حقدار نہیں کیونکہ یہ فاسق وفاجر ہے اپنے گھر کے افراد کو شہید کرا دیا لیکن یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ (راقم)

تنبیہ:

یزید کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح نامہ سے کافی سبق ملتا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چالیس ہزار افراد نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت جان قربان کر دینے پر کر لی یعنی اگر ضرورت در پیش آئی تو ہم اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیں گے۔ یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دے رہے تھے' یہ بیعت کرنے والے خوشی سے آپ کی اطاعت کرنے لگے "واحب فیه منهم فی ابیه" ان میں سے وہی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے محبوب بھی بنے' جو اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محبوب تھے۔ حضرات امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ چند دن عراق اور خراسان کے علاقہ ماوراء النہر پر حکومت کی "ثم سار الی معاویة الیه" پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لشکر کشی کی۔ جب دونوں جماعتیں سواد کے علاقہ انبار کے کنارہ پر آمنے سامنے ہو گئیں۔

"علم انه لن تغلب احدی الفئتمن حتی یذهب اکثر الأخری"

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے یقین کرلیا کہ کوئی ایک جماعت بھی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسری جماعت کے کثیر آدمی قتل نہ ہوجائیں۔''

تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط بھیجا:

"یخبرہ انه یصیر الأمر الیه"

''اور یہ خبر دی کہ حکومت کے معاملات آپ کے سپرد کیئے جارہے ہیں۔''

لیکن اس میں ایک شرط یہ ہے کہ مدینہ طیبہ، حجاز اور عراق کے وہ حضرات جنہوں نے میرے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا ان پر تم کسی قسم کی سختی نہیں کروگے۔

"فأجابه معاویة الا أنه قال عشرة انفس فلا أرمنهم فراجعه الحسن"

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو قبول کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں دس شخصوں کو معاف نہیں کروں گا۔''

تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح سے رجوع کرلیا کہ نہیں پھر صلح نہیں ہوسکتی، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف لکھا کہ میں ایک شخص قیس بن سعد کے بارے میں قسم اٹھا چکا ہوں کہ جب بھی میں اس پر کامیاب ہوگیا تو اس کی زبان اور ہاتھ کاٹ دوں گا (یعنی میں اسے معاف نہیں کروں گا) "فراجعه الحسن أنی لاابایعك أبدا وانت تطلب قیسا أو غیرہ" حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پھر صلح کرنے سے رجوع کرلیا اور دوٹوک الفاظ میں یہ کہا کہ میں تمہاری بیعت اس وقت تک کبھی نہیں کروں گا جب تک تم قیس یا کسی اور کو طلب کروان پر سختی کرو۔ میں اپنے باپ کے متبعین میں سے کسی ایک پر بھی تمہیں سختی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

"فبعث الیه معاویة حیننذ بورق ابیض

''تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی

وقال اکتب ماشئت فیه فأنا التزمه فاصطلحا علی ذلك"

طرف ایک سفید کاغذ بھیج دیا اور کہا کہ آپ جو چاہتے ہیں، وہی لکھ دو میں اسی کو لازم پکڑوں گا۔ (دونوں حضرات کی فراخدلی کی وجہ سے) صلح ہوگئی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی جگمگانے لگا:

"ان الله سيصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين"

"بیشک اللہ تعالیٰ اس (میرے بیٹے) کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: میں نے سمجھ لیا کہ امت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا بھر خون بہا کر حکومت کرنے کا کیا فائدہ اور حکومت چھوڑنے میں کیا نقصان؟ اسی چیز کو جانتے ہوئے مجھے حکومت کرنا پسند نہ آیا۔ ابو عریف کہتے ہیں کہ ہم بارہ ہزار کی تعداد میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقدمہ (اگلے حصہ) میں تھے، پھر ہم اہل شام کو قتل کرنے کی تمنا بھی رکھتے تھے۔

"فلما جاء نا صلح الحسن كأنما كسرت ظهورنا من الغيظ والحزن"

"جب ہمارے پاس یہ خبر آئی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی تو غصہ اور غم کی وجہ سے گویا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جب (صلح کے بعد) کوفہ میں آئے تو ایک بوڑھا شخص ابو عمرو سفیان بن ابی لیلیٰ آپ کے پاس آیا تو اس نے کہا:

"السلام علیك یا مذل المؤمنین"

"تم پر سلام ہو اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے!"

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لاتقل یااباعمرو فانی لم اذل المؤمنین ولکنی کرهت ان اقتلهم فی طلب الملك"۔

"اے ابو عمرو! یہ نہ کہو۔ بیشک میں نے مؤمنین کو ذلیل نہیں کیا بلکہ بادشاہی کی طلب میں مؤمنوں کو قتل کرانے کو ناپسند کیا۔"

(مرقاۃ، ج ۱۱، ص ۳۸۰، مناقب اہل بیت)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خطبہ دینے کی عرض:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ صلح کے حوالہ سے خطبہ ارشاد فرمائیں، آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا:

"الحمد لله الذی وحقن بنا دمائکم الا ان اکیس الکیس التقی وان أعجز العجز الفجور وان هذا الأمر الذی اختلفت فیه أنا ومعاویة أما ان یکون أحق به منی أو یکون حقی وترکته لله ولصلاح امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحقن دمائهم ثم التفت وقال وان ادری لعله فتنة لکم ومتاع الی حین"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی اور ہماری وجہ سے تمہارے خون بہنے سے بچ گئے۔ خبردار! سب سے عقلمند وہ ہے جو پرہیزگار ہو اور سب زیادہ عاجز وہ ہے، جو بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہو بیشک یہ معاملہ حکومت جس میں میرا اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا اختلاف تھا، اس میں یا وہ مجھ سے زیادہ حقدار تھے، یا میں ان سے زیادہ حقدار تھا لیکن میں نے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی کیلئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہتری کیلئے اور ان کے خون بہانے سے بچنے کیلئے چھوڑ دیا، پھر آپ نے توجہ کی اور کہا: اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری آزمائش ہو اور نفع ہو ایک وقت تک۔"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ، ج ۱۱، ص ۳۸۰، مناقب اہل بیت)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نصیحت عظیمہ:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں یہ بھی کہا:

"یا معاویة ان الخلیفة من سار سیرة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وعمل بطاعته ولیس الخلیفة من دان بالجور وعطل السنن واتخذ الدنیا أما وأبا"۔

"اے معاویہ! بیشک خلیفہ حقیقت میں وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر چلے اور آپ کی فرمانبرداری کے کام کرے اور وہ حقیقت میں خلیفہ نہیں جو ظلم کے قریب ہو اور سنتوں کو معطل کیا (یعنی سنتوں کو چھوڑ دیا) اور دنیا کو ہی ماں باپ سمجھ لیا۔"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ ج ۱۱، ص ۳۸۰، مناقب اہل بیت)

حاصل ہونے والے فوائد:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح نامہ اور خطبہ اور صلح کرنے کے واقعات سے یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر کا ظہور ہوا کہ یہ میرا بیٹا مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

۲۔ دونوں جماعتیں مسلمان تھیں، اجتہادی خطاء کی وجہ سے آپس میں لڑائیوں سے کوئی ایک بھی اسلام سے نہیں نکلا۔

۳۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی رضاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خونریزی سے بچانے کی غرض سے صلح کی۔

۴۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی جرأت وبہادری کو دیکھئے کہ آپ نے جب یہ شرط لگائی کہ میرے باپ کے متبعین جو آپ کا ساتھ دینے والے تھے، ان میں سے کسی ایک سے بھی تم سختی نہیں کرو گے، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دس شخصوں کے

ساتھ سختی سے درپیش آنے کے متعلق کہا تو آپ نے جرأت و بہادری سے یہ جواب دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو کوئی صلح نہیں ہوگی، پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک پر سختی کرنے کا اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو جنگ آپ نے پھر اسی جرأت کا مظاہرہ کیا کہ اگر کسی ایک پر بھی تم سختی کروگے تو صلح نہیں ہوگی یعنی جب صلح نہیں ہوگی تو جنگ ہوگی کی دھمکی سے آپ کی جرأت و بہادری واضح ہوگئی۔

۵ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دوسری شرط یہ رکھی تھی کہ آپ کی زندگی کے بعد حکومت کے معاملات میرے پاس ہوں گے۔ اس شرط کو بھی حضرت امیر معایہ رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالیا۔ اگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے بعد زندہ رہتے تو یقینی بات ہے کہ حکومت آپ کو ملتی۔

اسی سے وہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنا خلیفہ نامزد کردیا۔ اگر یزید کو خلیفہ نامزد کرنا ہوتا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس شرط کو نہ مانا ہوتا۔

اعتراض: معاویہ نے بظاہر امام حسن رضی اللہ عنہ کی شرط کو قبول بھی کیا لیکن اندر اندر سے اسے نہیں مانا، اسی وجہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلا کر شہید کرادیا، ان کو اپنی راہ سے ہٹا کر یزید کی خلافت کیلئے راہ ہموار کردی۔ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے خلوص دل سے اس شرط کو قبول کیا تھا؟

جواب: جب یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور صحابیت پر ہی آپ دنیا سے رخصت ہوئے اور یہ بات بھی تحقیقی طور پر ثابت ہے کہ کوئی صحابی منافق نہیں تھا (معاذ اللہ) اور نہ ہی صحابہ کرام میں دوغلی پالیسی اور نہ ہی منافقانہ انداز تھا۔ وہ تو سچے کھرے، پکے مسلمان تھے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے زہر دینے میں اقوال:

بعض حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا اور بعض نے کہا کہ یزید نے آپ کی بیوی جعدہ کے ذریعے زہر دلوائی' یہ دونوں قول باطل ہیں۔ آیئے! معتبر محققین کی نورانی تحقیق کو دیکھئے:

"وعندی ان هذا لیس بصحیح وعدم صحته عن ابیه معاویة بطریق الأولی"۔

(البدایہ والنہایہ' امام ابن کثیر رحمہ اللہ' ج۸' ص۴۳' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

"اور میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں (کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یزید نے زہر دلایا) اور ان کے باپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر دلانے کی نسبت کرنا بطریق اولی صحیح نہیں۔"

سب سے معتبر قول حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا اپنا ہے:

"ویقال أنه مات مسموما ما قال ابن سعد أخبرنا اسمعیل عن عمیر بن اسحاق دخلت أنا وصاحب لی علی الحسن بن علی فقال قد لفظت طائفة من کبدی وأنی قد سقیت السم مرارا فلم أسق مثل هذا فأتاه الحسین بن علی فسأله من سقاه فأبی ان یخبره رحمه الله"

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ' علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ' ج۲' ص۶۴)

"اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا زہر سے وصال ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں: ہمیں اسمٰعیل نے ان کو عمیر بن اسحاق نے خبر دی کہ میں اور ایک میرے دوست حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس داخل ہوئے' تو آپ نے فرمایا کہ میرے جگر کے ٹکڑے نکل رہے ہیں' بیشک مجھے کئی بار زہر پلایا گیا لیکن اس مرتبہ کی طرح پہلے کبھی زہر نہیں پلایا گیا۔ اتنے میں آپ کے پاس (آپ کے بھائی) امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما آ گئے' تو انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ

سے پوچھا: آپ کو کس نے زہر دیا؟ تو آپ نے انہیں کوئی خبر نہ دی۔"

استاذی المکرم حضرت مولٰنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی نے یہ سبق دیا:

کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو نہ بھولئے' جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو کس نے زہر دیا تو آپ نے کسی کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے فرمایا:

"فان کان الذی أظنه فالله حسبه وان کان غیره فما أحب ان یؤخذبی بریٔ"

"اگر وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو اللہ اسے کافی ہے (یعنی وہ اسے گرفت میں لے گا) اور اگر کوئی اور ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی بریٔ الذمہ (بے گناہ) شخص کو میری وجہ سے گرفت میں لیا جائے۔"

استاذی المکرم اس پر یوں تبصرہ فرماتے تھے:

"جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے زہر دینے والے کو نامزد نہیں کیا' بلکہ فقط گمان واحتمال کا ذکر کیا۔ کسی پر یقینی طور پر بہتان نہیں باندھا اور نہ ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کسی کو نامزد کیا' نہ ہی کسی سے انتقام لیا تو دوسرے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ من گھڑت کہانیوں کا سہارا لے اور غلط بیانی کرے۔"

تقریباً یہی موقف مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار کیا۔ اعتراضات وجوابات کی بحث میں (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر) آپ کی تصنیف کو دیکھا جائے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومن نسب ذلك الى معاوية رضى الله عنه فقد اخطأ"۔

"جس نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے زہر دلانے کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(نبراس، شرح شرح عقائد، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص ۵۱۷، مکتبہ الشرف لاہور)

کی طرف کی وہ خطاوار ہے یعنی اس نے غلط کہا۔''

اورآپ نے اپنی کتاب ''الناہیہ'' میں یوں بیان فرمایا:

"انہ بهتان عظيم وخرافات المؤرخين ممالا يعتمد عليها"

(الناہیہ، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص ۴۳، فصل فی الأجوبۃ عن مطاعنہ)

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف زہر دلانے کی نسبت بہتان عظیم ہے اور مؤرخین کے خرافات (من گھڑت اقوال) میں سے ہے، جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔''

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے راقم کا موقف واضح ہو گیا کہ تواریخ میں رطب ویابس (خشک وتر) بھرا ہوا ہے۔ ایک ہی تاریخ کی کتاب کے اقوال آپس میں ٹکراتے ہیں، وجہ اس کی یہی ہے کہ مؤرخ کا کام اقوال جمع کرنا ہے، تحقیق کرنا مؤرخ کا کام ہی نہیں۔ (راقم)

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر تعزیت:

"ولما جاء الكتاب بموت الحسن بن علی اتفق كون ابن عباس عند معاوية فعزاه فيه فأحسن تعزية ورد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا"

(البدایہ والنہایہ، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، ج ۸ ص ۳۰۴ ترجمہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، دارالحدیث قاہرہ)

''جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر کا خط آیا تو اتفاقاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے پاس موجود تھے، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت اچھے طریقہ سے تعزیت کی (یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو صبر دلایا صبر کرنے کی دعاء کی اسی کا نام تعزیت ہے)۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی بہت اچھے طریقہ سے دیا اس کا ذکر البدایہ ولنہایہ میں مندرجہ بالا حوالہ سے پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو امیر المومنین کہا:

راقم نے اس سے پہلے عنوان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ "امیر المومنین" کے الفاظ ذکر کئے اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امیر المومنین ذکر کیا:

"لایسؤك الله ولایحزنك فی الحسن بن علی فقال ابن عباس لمعاویة لایحزننی الله ولایسؤنی ماابقی الله امیر المؤمنین"۔

(البدایہ والنہایہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ج۸ ص۱۳۸ ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو تعزیت کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبتوں سے بچائے اور تمہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں غم میں نہ ڈالے۔ تو ان کے اس ارشاد کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مجھے غم میں نہیں ڈالے گا اور نہ ہی پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلاء کرے گا جب تک اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو باقی رکھا۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا:

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ہدیہ پیش کیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ دعائیہ کلمات بیان فرمائے:

"وصل اللہ قرابتك یا امیر المؤمنین

اللہ تعالیٰ آپ کی قرابت کو ملائے۔ (یعنی

واحسن جزاك"

(تاریخ مدینہ دمشق ج ۸ ص ۷ اذکر عمرو بن العاص)

صلہء قرابت عطاء فرمائے) اور آپ کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ توڑنے کا اعلان فرمایا:

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑنے کے مشورے دیئے جانے لگے تو آپ نے اس کا خوبصورت نورانی وجدانی اور ایمانی جواب دیا:

"انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا"

(اخبار الطوال ص ۲۲۰ مبایعۃ معاویہ بالخلافۃ)

"بیشک ہم نے بیعت کرلی، اس پر قائم رہنے کا معاہدہ کرلیا اب اس کے توڑنے کی کوئی راہِ جواز نہیں۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وضاحت طلب کرنا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت توڑنے کا مشورہ دیئے جارہے ہیں تو انہوں نے آپ کی طرف خط لکھ کر وضاحت طلب کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا:

"فكتب اليه الحسين أتاني كتابك وانا بغير الذى بلغك عنى جدير والحسنات لايهدى لها الاالله وما اردت لك محاربة ولا عليك خلافا"۔

(تہذیب ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۷ ذکر الحسین وفضلہ رضی اللہ عنہ)

"جو میری طرف سے آپ کو خبر ملی ہے وہ غلط ہے میری شان کے لائق ہی نہیں (وعدہ توڑنا) نیک کاموں کی طرف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہدایت نہیں دیتا میرا آپ سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور نہ ہی آپ کی مخالفت کا کوئی ارادہ ہے۔"

جلیل القدر صحابہ کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا:

"عن الأوزاعى قال ادركت خلافة معاوية عدة من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم منهم

"اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق میں نے

سعد وأسامة وجابر بن عبد الله وابن عمر وزيد بن ثابت وسلمة بن خالد وأبو سعيد وابورافع بن خديج وأبو أمامة وانس بن مالك ورجال اكثر عمن سميت بأضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الدجى وأوعية العلم حضروامن الكتاب تنزيله وأخذوا عن رسول الله ﷺ تأويله"

(تاریخ ابو زرعہ ج ۱ ص ۳۰۹ ذکر وفاۃ فاطمہ وازواج النبی)

نے چند رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو پایا، جن میں سے حضرت سعد، اسامہ، جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، زید بن ثابت، سلمہ بن خالد، ابو سعید، ابورافع بن خدیج، ابوامامہ اور انس بن مالک (رضی اللہ عنہم) ہیں، بلکہ جو نام میں نے ذکر کئے ہیں اس سے بہت زیادہ جلیل القدر حضرات کا آپ کی خلافت پر اتفاق تھا۔ یہ وہ حضرات ہیں جو اندھیروں کے چراغ تھے اور علم کا خزانہ تھے، یہ حضرات قرآن پاک کے نازل ہوتے وقت موجود تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن پاک کے مطالب سیکھے۔"

اعتراض:

بعض محدثین نے کہا: حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی فضیلت ثابت نہیں چنانچہ علامہ مجدالدین شیرازی نے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

جواب:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ترمذی شریف اور مسند امام احمد ابن حنبل وغیرہ سے احادیث ذکر کی جا چکی ہیں، جن سے آپ کی فضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ممکن ہے شیخ مجد یا حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہ کو یہ روایات نہ ملی ہوں، کسی محدث کا حدیث سے بے خبر رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث موجود ہی نہ ہو۔
(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۸۹ مصنفہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ بالفاظ دگر)

خیال رہے کہ راقم نے پہلے ذکر کر دیا کہ بعض احادیث سے جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہم بھی بے خبر تھے۔

آجکل نام نہاد بریلوی ضال و مضل مبلغین جہلاء کو یہی کہہ کر محبت صحابہ کرام سے برگشتہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

اعتراض:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے صحابہ کرام کے متعلق فرمایا: مناقب فلاں، یا آپ نے فرمایا: باب فضل فلاں، مگر امیر معاویہ کے متعلق فرمایا "باب ذکر معاویۃ" معلوم ہوا کہ امیر معاویہ کی کوئی فضیلت ثابت نہیں۔

جواب:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا اسامہ ابن زید، عبد اللہ ابن سلام، جبیر ابن معطم وغیرھم، جلیلۃ الشان صحابہ کے مناقب کے باب باندھے تو یہ ہی فرمایا "باب ذکر فلاں" یہ عبارت کا تفنن ہے، کہیں ذکر فرمایا: "باب مناقب فلاں" اور کہیں فرمایا: "باب فضل فلاں" اور کہیں فرمایا: "باب ذکر فلاں" اور یہ بھی خیال رہے کہ ذکر سے مراد ذکر بالخیر ہے، ذکر بالخیر فضیلت ہی ہے۔ (جاہل مبلغین اس طرح ہتھکنڈوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذمہ لئے ہوئے ہیں)۔

(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۹۰ مصنفہ مفتی احمد یار خان نعیمی بالفاظ دگر)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت نہ ثابت ہونے کا الزام:

اس مسئلہ پر بہت بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسحاق ابن راہویہ کا قول پیش کیا، وہ کہتے ہیں:

"لم یصح فی فضائل معاویۃ شئ" "معاویہ بن ابی سفیان کے فضائل کی روایات میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔"

اسحاق بن راہویہ کا قول درست نہیں:

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قیل عبر البخاری بقوله باب ذکر معاویة ولم یقل فضائله ولا مناقبه لأنه لم یصح فی فضائله شئ کما قاله ابن راهویه وذلك ان تقول ان کان المراد من هذه العبارة أنه لم یصح منها شئ علی وفق شرط البخاری فأکثر الصحابة کذلك اذا لم یصح شئ عنها وان لم یعتبر ذلك القید فلا یضره ذلك لما یأتی ان من فضائله ما حدیثه حسن فهو ثابت حتی عند الترمذی کما صرح به فی جامعه وستعلمه مما یأتی والحدیث الحسن لذاته کما هنا حجة اجماعا بالضعیف فی المناقب حجة أیضا' وحینئذ فما ذکره ابن راهویه بتقدیر صحته لایخدش فی فضائل معاویة"۔

(تطہیر الجنان واللسان، ص۹، ۱۰، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ)

"بعض حضرات نے کہا ہے کہ بخاری "باب ذکر معاویہ" عنوان قائم کیا ہے باب فضائلہ اور باب مناقبہ نہیں کہا، اس سے پتہ چلا کہ امیر معاویہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں، جس طرح ابن راہویہ نے کہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہارے قول کا مطلب یہ ہے کہ بخاری کی شرط کے مطابق کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں تو اکثر صحابہ کرام اسی طرح ہیں کہ ان کے حق میں بخاری کی شرط کے مطابق کوئی صحیح روایت ثابت نہیں، اور اگر شرط بخاری کی قید نہ لگائیں تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ آپ کے فضائل میں حسن احادیث وارد ہیں۔ ترمذی نے اس کی تصریح کی ہے (واضح بیان کیا ہے) حدیث حسن لذاتہ سے تو احکام بھی ثابت ہو سکتے ہیں اور وہ حجت ہے بلکہ فضائل میں تو حدیث ضعیف بھی معتبر ہے لہٰذا اگر اسحٰق ابن راہویہ کا قول درست مان بھی لیا جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی خدشہ لازم نہیں آئے گا۔"

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقال السیوطی الشافعی اصح ماورد فی فضل معاویة حدیث ابن عباس "أنه کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه وبعده حدیث العرباض رضی الله عنه اللهم علمه الکتاب وبعده حدیث ابن أبی عمیرة اللهم أجعله هادیاً و مهدیاً"۔

(تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۸ باب فی طائفۃ من الصحابہ)

"علامہ سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زیادہ صحیح حضرت امیر معاویہ کے فضائل میں حدیث ابن عباس ہے جو مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے، وہ یہ ہے: بیشک وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔اس کے بعد حدیث عرباض ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء ذکر ہے: اے اللہ! ان کو کتاب کا علم عطاء فرما۔اس کے بعد حدیث ابن ابی عمیرہ ہے: اے اللہ! ان کو ہادی اور مہدی بنا۔"

نتیجہ واضح ہوا:

کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں صحیح حدیث بھی ملتی ہے اور حسن لذاتہ بھی ملتی ہے۔اگر صحیح اور حسن لذاتہ احادیث نہ ملتیں بلکہ فقط ضعیف حدیثیں ملتیں تو وہ بھی معتبر ہوتیں، کیونکہ فضائل میں ضعیف بھی معتبر ہوتی ہیں۔(علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۲ ترجمہ معاویہ بن سفیان میں بھی مذکور ہے)

آیئے! اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد دیکھئے:

محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ "صحیح نہیں" اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط وباطل ہے، بلکہ صحیح ان کی اصلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت دشوار اور موانع وعوائق کثیر وبسیار۔حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں (پیچیدگیاں) اگر اس مبحث میں تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے، ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی

ہوئی فرما دیتے "یہ حدیث صحیح نہیں"، یعنی اس درجہء علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ یہ باقی وجہ (مذکورہ بالا وجہ کے) کہ صحیح نہیں، پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی، ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی۔ فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبہ سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سینکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عندالتحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں یہ قسم بھی استناد واحتجاج (حجت پکڑنے) کی پوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اسے صحیح نہیں کہتے برابر اس پر اعتماد فرماتے اور احکام حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں۔

اسی پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور ارشاد دیکھئے:

(لایصح) "لاینفی وجود الحسن" مطلب یہ ہے کہ "لایصح" کہنے سے حدیث کے حسن کی نفی نہیں ہوتی) حسن حدیث کی حجیت پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ھذا القسم من الحسن مشارك لاصحیح فی احتجاج به وان کان دونه" (نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بحث حدیث حسن لذاتہ)

"حدیث حسن کی یہ قسم یعنی حسن لذاتہ اگرچہ صحیح سے درجہ میں کم ہے مگر حجت ہونے میں صحیح کی شریک ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد اول ص ۲۶ باب الوضوء)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان، راقم کے دل کا اطمینان:

بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ ان کی نادانی ہے۔ علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں۔ یہ بے سمجھ خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں؟ عزیزو! مسلّم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے؟ حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم۔ (منیر العین ص ۵۳)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے اپنی کتاب الناہیہ میں کیا خوب لکھا:

"فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بین المحدثین فلا ضیر فان فسحتها ضیقة وعامة الاحکام والفضائل انما تثبت بالأحادیث الحسان لعزة الصحاح ولا ینحط ما فی المسند والسنن عن درجة الحسن وقد تقرر فی فن الحدیث جواز العمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل فضلا عن الحسن وقدرأیت فی بعض الکتب المعتبرة من کلام الامام مجد الدین بن الأثیر صاحب میزان الجامع حدیث مسند احمد فی فضیلة معاویة صحیح الانی لااستحضر الکتاب فی الوقت ولم ینصف الشیخ عبد الحق الدهلوی فی شرح سفر السعادة فأنه أقر کلام المصنف ولم یتعقبه کتعقبه علی سائر تعصباته"

(الناھیۃ، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص ۳۹ الاجوبۃ عن مطاعنہ)

اگر صحیح حدیث نہ پائی جانے سے مراد یہ لیا جائے کہ حدیث، ثابت ہی نہیں تو یہ قول مردود ہے۔اور اگر یہ مراد ہو کہ جو حدیث محدثین کی اصطلاح میں صحیح ہے وہ امیر معاویہ کی شان میں ثابت نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا میدان تنگ ہے(یعنی صحیح کا وجود کم ہے) کیونکہ عام احکام اور فضائل حسن حدیثوں سے ثابت ہیں اس لئے کہ صحیح حدیثیں کم پائی جاتی ہیں، اور مسند احمد اور سنن کی احادیث حسن کے درجہ سے کم نہیں، اور تحقیق فن حدیث میں یہ ثابت ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہے، چہ جائیکہ حسن واقع ہو وہ یقیناً معتبر ہے۔ تحقیق میں نے کسی معتبر کتاب میں دیکھا ہے کہ امام مجد الدین ابن اثیر صاحب میزان الجامع نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مسند احمد کی حدیث کو صحیح قرار دیا لیکن اس وقت مجھے اس کتاب کا نام یاد نہیں، ہاں! البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سفر السعادت کی شرح میں انصاف سے کام نہیں لیا کیونکہ انہوں نے مصنف کے کلام (عدم صحت) کو ثابت رکھا ہے اور اس کا تعاقب نہیں کیا جیسا کہ باقی تعصبات کا تعاقب کیا ہے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نسب:

آپ کا نام معاویہ، کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔ آپ والد کی طرف سے پانچویں پشت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ والد کی طرف سے نسب یہ ہے:

''معاویہ (ابوعبدالرحمٰن) ابن صخر (ابوسفیان) ابن حرب ابن امیہ ابن عبدشمس ابن عبدمناف۔''

والدہ کی طرف سے نسب ''معاویہ ابن ہند بنت عقبہ ابن ربیعہ ابن عبدشمس ابن عبدمناف۔''

عبدمناف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے دادا ہیں کیونکہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبدالمناف ہیں۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر، ص ۴۱)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف ہیں:

حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن قریبۃ الصغریٰ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ (المحبر ص ۱۰۲، اسلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالہ (برادر نسبتی) ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مومنین کے ماموں ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ'' (سورۃ الاحزاب ۲۱:۶)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔''

رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے یہ واضح ہو گیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات مومنین کی مائیں۔ اگر کوئی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کو مائیں

نہ مانے تو وہ مؤمن نہیں۔ مومنین جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ماں مانیں گے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، تو یقیناً وہ اپنی ماں کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا ماموں مانیں گے۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ماموں نہیں مانے گا وہ مؤمن کہلانے کا حقدار بھی نہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومنین کا ماموں کہا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ تو مشہور ہی ہے، کہ آپ ایک دفعہ اپنے محل میں سو رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے آپ کو جگایا، تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور اس گھر میں کیسے پہنچ گیا؟ وہ بولا کہ میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا: تیرا کام نماز کے لئے جگانا نہیں، بلکہ نماز سے سلانا ہے۔ پہلے اس نے بہانے بنائے مگر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ڈرایا دھمکایا تو آخر بولا کہ اس سے پہلے ایک دفعہ میں نے آپ کو فجر کے وقت سے سلا دیا تھا، جس سے آپ کی نماز قضاء ہوگئی تھی، آپ اس کے غم میں اتنا روئے کہ میں نے فرشتوں کو آپس میں کلام کرتے سنا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس رنج و غم کی وجہ سے پانچ سو نمازوں کا ثواب دیا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر آج پھر آپ فجر نہ پڑھ سکے، تو آج پھر روئیں گے اور ایسا نہ ہو کہ ایک ہزار نمازوں کا ثواب حاصل کر لیں، اس لئے جگا دیا کہ ایک ہی نماز کا ثواب حاصل کریں۔

مثنوی شریف دفتر دوم صفحہ ۲۳ میں مولانا روم قدس سرہ نے اسی قصہ کو بہت تفصیل سے چودہ صفحہ میں کچھ فرق سے بیان فرمایا، جس کی سرخی یوں باندھی (بیدار کردن ابلیس حضرت امیر المومنین معاویہ را کہ برخیز کہ وقت نماز است)۔

بود اندر قصر خود خفتہ شباں
قصر راز اندوں در بستہ بود
کز زیار تہائے مردم خستہ بود

نا گہاں مردے ورا بیدار کرد
چشم چوں بکشاد پنہاں گشت فرد

یہ خبر آئی ہے کہ مومنوں کے ماموں تھے اپنے گھر میں سوئے ہوئے رات کو گھر کا اندر سے دروازہ بند تھا کہ لوگوں کی زیارت سے آپ تھکے ہوئے تھے اچانک ایک شخص نے آپ کو جگایا آپ نے جب آنکھ کھولی تو وہ شخص غائب ہو گیا۔

فائدہ:

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت عابد و زاہد مقبول بارگاہ الٰہی تھے اور ابلیس جیسا خبیث جو کسی کے قبضے میں نہ آئے وہ آپ کے قبضہ اور گرفت سے نہ چھوٹ سکا۔ کیوں نہ ہو جس کا ہاتھ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پکڑ لیں اس کے ہاتھ کی گرفت سے کون چھوٹ سکتا ہے اور جو نگاہ جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لے اس سے کون سی چیز چھپ سکتی ہے۔ یہ واقعہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آیا تھا کہ آپ نے ابلیس کو پکڑ لیا تو چھوٹ نہ سکا۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۲۶، ۶۳ مصنفہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیلی طور پر آیۃ الکرسی پارہ تین نجوم الفرقان، ج ۶، ص ۲۰۲ تا ۲۰۵ میں دیکھیں۔ (راقم)

اعتراض:

ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی امیہ، جب امیر معاویہ بن امیہ سے ہیں تو یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوئے۔

الزامی جواب:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی بنی امیہ میں سے ہیں۔ اگر معاذ اللہ قبیلہ بنی امیہ کا ہر فرد بشر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپسند ہو تو ان حضرات کے متعلق کیا کہو گے؟ حضرت عثمان غنی جلیل القدر عظیم الشان صحابی ہیں۔ دو صاحبزادیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

آپ کے نکاح میں آئیں، یعنی پہلے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں۔ان کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کردیا۔

حضرت بن عثمان بن امیہ سے ہیں' آپ والد کی طرف سے چھٹی پشت میں اور والدہ کی طرف سے پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی مکرمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، جن کا نام ام حکیم البیضاء بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ (مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۹۴ معرفۃ الصحابہ)

حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پوتی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابان بن عثمان سے ہوا۔کیا یہ بنی امیہ سے نہیں۔
(المعارف لابن قتیبہ ص ۹۰)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے سے ہوا۔جن کا نام عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔(کیا یہ بنی امیہ سے نہیں) (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۴۶ ترجمہ فاطمہ بنت حسین)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت سکینہ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے ہوا۔(کیا یہ بنی امیہ سے نہیں)
(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۴۷ ترجمہ سکینہ بنت حسین)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جن کی عظمت پر دنیائے اسلام متفق ہے۔

تحقیقی جواب:

کسی قبیلہ یا کسی شہر کے ناپسند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کا ہر فرد بشر ناپسندیدہ ہے اور کسی شہر یا قبیلہ کے محبوب ہونے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس کا ہر فرد بشر محبوب ہے۔

حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ پیارا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کفار مکہ بھی آپ کو پسند تھے۔ نبی کریم ﷺ کو مدینہ طیبہ محبوب تھا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ مدینہ منورہ کے سارے منافق عبداللہ ابن ابی وغیرہ بھی محبوب تھے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کو نجد کا علاقہ ناپسند تھا، آپ نے نجد کیلئے دعاء نہیں فرمائی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نجد کے مخلص مؤمنین بھی آپ کو پسند نہیں تھے۔ چونکہ ان تینوں قبیلوں میں بعض بڑے مفسد پیدا ہوئے ان کی وجہ سے ان کو ناپسند کیا گیا، چنانچہ قبیلہ بنی ثقیف میں مختار ابن عبید اور حجاج بن یوسف جیسے ظالم ہوئے، قبیلہ بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین مرتدین ہوئے۔

بنی امیہ میں یزید پلید اور عبیداللہ بن زیاد جیسے فاسق وفاجر اور ظالم ومردود ہوئے مبغوض بارگاہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں یہ لوگ ناپسندیدہ اور مردود تھے اور ان قبیلوں میں تھے اس لئے ان قبائل کو ناپسند فرمایا۔اسی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ترمذی شریف میں اسی جگہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی کی حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک مہلک ہوگا۔(چنانچہ جھوٹا تو مختار ابن عبید ثقفی ہوا' اور مہلک وظالم حجاج ابن یوسف ہوا جو بنی ثقیف سے تھا)

نبی کریم ﷺ نے قریش کی بہت تعریف فرمائی، کیا ہر قریشی جنتی ہوگا کیا ہر قریشی قابل تعریف ہوگا؟ نہیں، نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعریف صرف ان پر سچی آئے گی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا' جو العیاذ باللہ کفر پر نہیں مرے' مرتد ہو کر نہیں مرے' خارجی نہیں ہوئے' رافضی نہیں ہوئے' گستاخ رسول اللہ ﷺ نہیں ہوئے۔

آج! ہم ایک خواجہ غریب نواز کی وجہ سے اجمیر شریف کہتے ہیں اور بعض بے وفاؤں کی وجہ سے کوفہ کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اجمیر شریف کے ہندو بھی اشرف اور کوفہ کے ابراہیم علیہ السلام یا نوح علیہ السلام یا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر زبان طعنہ دراز کی جائے، غرضیکہ یہ اعتراض بہت لچر اور پوچ ہے۔

(ماخوذ از حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر' بالوضاحت از ص ۹۲' ۹۳)

آیئے! حدیث ترمذی کا متن شریف دیکھتے جائیں:

عن عمران بن حصین قال مات النبی ﷺ وھو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف وبنی حنیفۃ وبنی امیۃ۔" (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب، مشکوۃ باب مناقب قریش ص ۵۵۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اس حال میں کہ آپ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے یعنی ثقیف اور بنی حنیفہ اور بنی امیہ۔"

مقام توجہ!

اگر ثقیف قبیلہ کے تمام لوگ ہی نبی کریم ﷺ کو ناپسند تھے تو ثقیف کیلئے آپ کی دعاء کا کیا مطلب ہوگا۔ آیئے! ثقیف کیلئے مصطفیٰ ﷺ کی دعاء کو دیکھیں:

"عن جابر قال قالوایا رسول احرقتنا نبال ثقیف فادع اللہ علیھم قال اللھم اھد ثقیفا"۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب قریش ص ۵۵۱)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمیں ثقیف کے تیروں نے جلا کر رکھ دیا تو آپ ان کے خلاف دعا فرمائیں (یعنی ان کے ہلاک ہو جانے کی دعا فرمائیں) آپ نے (دعاء کی) عرض کی 'اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔"

وضاحت حدیث:

"**نبال**" بکسر النون نبل کی جمع ہے، جسکا معنی ہے "تیر"

"ولعلہ فی غزوۃ الطائف ومحاصرتھم" شاید صحابہ کرام نے یہ عرض اس وقت کی جب طائف کا غزوہ تھا اور صحابہ کرام نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا' وہ قلعہ کے اندر سے تیر برسا رہے تھے' وہ تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے۔

(اللھم اھد ثقیفا) "ای الی الاسلام أوغالبھم الی اطاعۃ الاحکام" نبی کریم ﷺ نے

دعا فرمائی: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے یعنی آپ نے ان کے اسلام لانے کی دعاء فرمائی اور احکام کی اطاعت کی دعاء فرمائی۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۶۵ مناقب قریش)

حدیث ترمذی کی وضاحت بالا حادیث:

"وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ فی ثقیف کذاب ومبیرا قال عبد الله بن عصمة یقال الکذاب هو المختار بن أبی عبید والمبیر هوالحجاج بن یوسف وقال هشام بن حسان احصواماقتل الحجاج صبرا فبلغ مائة الف وعشرین ألفا (رواہ الترمذی) وروی مسلم فی الصحیح حین قتل الحجاج عبد الله بن الزبیر قال قالت اسماء ان رسول الله ﷺ حدثنا ان فی ثقیف کذابا ومبیرا فأما الکذاب فرأیناه وأما المبیر فلا اخالك الا ایاه۔"

(مشکوۃ المصابیح، باب مناقب قریش، ج ۲، ص ۵۵۱، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کراچی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثقیف میں کذاب (بڑا جھوٹا) اور ایک بہت ہلاک کرنے والا ہوگا" عبداللہ بن عصمہ نے فرمایا بیان کیا جاتا ہے کہ کذاب مختار بن ابی عبید تھا، اور زیادہ لوگوں کو ہلاک کرنے والا حجاج بن یوسف تھا۔ ہشام بن حسان نے فرمایا: یاد رکھو! حجاج نے قید کر کے جن لوگوں کو شہید کرایا وہ ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ (ترمذی) مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرایا تو حضرت اسماء (بنت ابی بکر) نے کہا: بیشک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ ثقیف میں ایک بڑا جھوٹا ہوگا اور ایک بہت قتل کرنے والا ہوگا۔ بڑا جھوٹا تو ہم نے دیکھ لیا لیکن بڑا ہلاک کرنے والا میرا گمان یہی ہے کہ تو ہی ہے۔"

وضاحت حدیث:

جس حدیث میں تین قبائل کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے، اس کے متعلق:

"قال العلماء انما کرہ ثقیفا للحجاج وبنی حنیفة لمسیلمة وبنی امیة بعبیداللہ بن زیاد"

''علماء کرام نے بیان فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ثقیف کو حجاج کی وجہ سے اور بنی حنیفہ کو مسیلمہ کذاب کی وجہ سے اور بنی امیہ کو عبید اللہ بن زیاد کی وجہ سے ناپسند فرمایا۔''

اس سے واضح ہوا کہ ہر قبیلے کا ہر شخص آپ کو ناپسند نہیں تھا۔ (احادیث کو سمجھنے کیلئے علم وعقل وایمان کی ضرورت ہے) ''ثقیف'' بروزن ''امیر'' ہے' ہوازن قبیلہ میں ایک شخص کا نام تھا۔ اسی کے نام سے پورا قبیلہ ثقیف کہلانے لگا۔ ''بنی حنیفہ'' بروزن ''سفینہ'' ہے' ایک قبیلہ کے باپ ''اثال بن لجیم'' کا لقب تھا حنیفہ' اسی سے پورا قبیلہ بنی حنیفہ کہلانے لگا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بغض کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھی اپنی تقریر کے تیروں کا نشانہ نہ بنائیں۔ آیئے! ذرا دیکھیں اور غور کریں:

"منهم حفلة بنت جعفر الحنفية ام محمد بن علی بن أبی طالب"

''اسی حنیفہ قبیلہ سے ہی خلہ بنت جعفر ہیں' جو حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں اور وہ محمد بن علی بن ابی طالب کی ماں ہیں۔''

واضح ہوا کہ بنی حنیفہ کا ہر فرد بشر اگر نبی کریم ﷺ کو ناپسند تھا تو محمد بن علی امام حنیف) کی والدہ مکرمہ حنفیہ بھی آپ کو ناپسند ہوں گی (معاذ اللہ)۔ ہاں! ہاں! ایسا نہیں' بلکہ مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین بنی حنیفہ نبی کریم ﷺ کو ناپسند تھے۔ بنی امیہ میں سے عبید اللہ بن زیاد رسول اللہ ﷺ کو ناپسند تھا۔

"قال البخاری قال ابن سیرین اتی عبید اللہ بن زیاد برأس الحسین فجعله فی طست وجعل ینکته بقضیب"۔

''بخاری نے بیان کیا' ابن سیرین کہتے ہیں: عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر انور لایا گیا تو اس نے اسے طشت میں رکھا اور اسے چھڑی مارنے لگا۔''

"وقال الترمذی فی الجامع قال عمارة بن

''ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں بیان کیا:

عمیر لما جیء برأس عبید الله بن زیاد واصحابه فی رحبة المسجد فانتهیت الیهم فقالواقد جاء ت فاذا حیة قد جاء ت حتی دخلت فی منخر عبید الله بن زیاد فمکث ساعة ثم خرجت فذهبت حتی تغیبت ثم قالوا قد جاء ت ففعلت ذلك مرتین اوثلاثا قال الترمذی هذا حدیث صحیح کذا فی الازهار"۔

کیا ہے عمارہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد کا سر لایا گیا' تو اس کے ساتھی مسجد کے کشادہ احاطہ میں تھے' تو میں بھی وہاں پہنچ گیا۔لوگ کہہ رہے تھے وہ آ گیا یعنی اچانک ایک سانپ آ گیا' یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے ناک کے نتھنوں میں گھس گیا' پھر چلا گیا' یہاں تک کہ غائب ہو گیا' لوگ پھر کہنے لگے وہ آ گیا۔اس طرح دو یا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔"

بنی ثقیف کا کذاب مختار بن ابی عُبَیْدُ وہ ابن مسعود ثقفی تھا۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں کو اس نے جمع کیا اور کہنے لگا کہ ہمیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اقرباء اور متبعین کے خون کا بدلہ لینا چاہیے:

"وکان غرضه فی ذلك ان یصرف الی نفسه وجوه الناس ویتوسل به الی الأمارة وکان طالبا للدنیا مدلسا فی تحصیلها"

"اس کا اصل مقصد لوگوں کو اپنی طرف پھیرنا اور متوجہ کرنا تھا،شہداء کربلا کے خون کے بدلہ کے مطالبہ کو اس نے حکومت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور جھوٹے مطالبہ کو دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔"

"وقیل کان بغض علیاوقیل کان یدعی النبوة بکوفة فسمی کذابا ومن جملة کذبه دعواه ان جبریل علیه السلام یاتیه بالوحی"

"وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حقیقت میں بغض رکھتا تھا اوپر سے محبّ ہونے کا دعویدار تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ کوفہ میں دعوی نبوت کی وجہ سے کذاب (بڑا جھوٹا) مشہور ہو گیا تھا۔اس کا بڑا جھوٹ یہ تھا کہ میرے پاس جبریل

وانما كانت أمارته ستة عشر شهراً" علیہ السلام وحی لاتے ہیں۔اس کی حکومت سولہ ماہ رہی۔"

اس کے باپ صحابی تھے ابتداء میں یہ بھی نیک تھا لیکن پھر اس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں آئیں:

"ويقال كان في أول أمره خارجيا ثم زبيريا ثم صار رافضيا وكان يبغض علي كرم الله وجهه" "یہ پہلے خارجی بنا' پھر زبیری بنا' پھر رافضی بنا لیکن دل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا۔"

"مبیر" ماخوذ ہے "بوار" سے جس کا معنی ہے ہلاک ہونا اور "مبیر" میں تنوین تعظیم کی ہے جس کا معنی بہت ہلاک کرنے والا اس سے مراد "حجاج بن یوسف" ہے' جس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد کو شہید کرایا جن میں کچھ صحابہ کرام تھے اور کچھ تابعین تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جو یہ فرمایا "وأما المبير فلا أخالك أياه" اس میں کچھ قلب کی صورت پائی گئی ہے اصل میں یوں ہے "فلا أخاله اياك" راقم نے اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے لیکن بڑا ہلاک کرنے والا میرا گمان یہی ہے کہ تو ہی ہے۔

(ماخوذ از مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج ۱۱' ص ۲۶۴)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت:

آپ کی پیدائش کی صریح روایت دیکھنے میں نہیں آئی مگر حساب سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نبوت سے آٹھ سال پہلے مکہ میں ہوئی کیونکہ آپ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔اس وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی اور حضور کی ہجرت نبوت کے تیرہ سال بعد ہوئی اور ۱۱ھ میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف ہے' اس حساب سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش نبوت کے ظہور سے ۸ سال پہلے ہونی چاہئے۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۱)

تنبیہ: ظہور نبوت سے آٹھ سال پہلے والا قول سہو پر مبنی ہے' اسی لئے کہ اگر پانچ سال پہلے کہا

جائے تو یہ حساب درست بنتا ہے، کہ آپ کی پیدائش پانچ سال پہلے اور تیرہ سال نبی کریم ﷺ اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں رہے' پھر ہجرت کی۔ اس لئے ہجرت کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ساٹھ سن ہجری میں ان کا وصال ہوا اس طرح ان کی عمر ۷۸ سال بنے گی۔ (راقم)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات رجب ۶۰ھ میں ہوئی اس میں تو اتفاق ہے لیکن رجب کی تاریخ کون سی تھی' اس میں اقوال ہیں:

مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶ رجب تاریخ لکھی ہے' اور رجب کے چار دن باقی رہتے تھے تو آپ کی وفات ہوئی یہ قول بھی ملتا ہے اور ۲۲ رجب وفات کا قول بھی ملتا ہے

شیعہ اور وہابیوں کے نزدیک ۲۲ رجب والا قول زیادہ معتبر ہے۔ شیعہ حضرات ۲۲ رجب کو' کونڈوں کا ختم کراتے ہیں۔ ظاہر یہی کرتے ہیں کہ ہم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کا ختم کراتے ہیں۔ وہابی کہتے ہیں کہ وہ شیعہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوشی مناتے ہیں اور ان کے کونڈوں کے ختم کا مطلب یہ ہوتا کہ "معاویہ مرگیا" اس کا کونڈہ ہوگیا" کیونکہ پنجابی میں محاورہ ہے کہ جب کوئی تباہ ہو جائے تو کہتے ہیں: "فلانڑے دا کونڈہ ہوگیا"

یہ تو ان دونوں فریقوں کا معاملہ آپس میں ہے۔ ہم اہل سنت کا موقف اس میں علیحدہ ہے۔

اہل سنت کا موقف:

مسئلہ کی دارومدار نیت پر ہے۔ جب اہل سنت و جماعت کے کچھ حضرات خالص حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں تو یہ جائز ہے اور ثواب کا کام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں کہ ایصال ثواب وفات کے دن ہی کیا جائے' اس لئے یہ کہنا بھی کوئی امر مانع نہیں کہ ۲۲ رجب حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یوم پیدائش بھی

نہیں اور یوم وفات بھی نہیں۔

اور یہ بھی خیال کیا جائے کہ ہم صالحین کے وفات کے دن کو ''یوم وصال'' کہتے ہیں کہ وہ دن ان کیلئے رب تعالی سے اور اس کے رحمت کے فرشتوں سے ملنے کا دن ہے۔ اسی لئے ان کے سالانہ دن کو ''یوم عرس'' کہتے ہیں یعنی ''شادی کا دن۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن کو شیعہ حضرات اس لئے خوشی مناتے رہیں کہ وہ اس دن فوت ہوئے' ان کا کونڈا ہو گیا۔ اہل سنت اس لئے خوشی مناتے رہیں کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی سے جا ملے ہیں۔ خوشی کی دونوں فریقوں کی وجہ علیحدہ علیحدہ ہے۔

اصل میں کونڈے کے ختم کا پنجابی کے اشعار کا قصہ ہے۔ قصہ تو لمبا ہے' مختصر مطلب یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ایک شخص کو خواب میں آئے کہ ۲۲ رجب کو نو پاؤ حلوہ پکاؤ اور میری روح کو ثواب پہنچاؤ تو تمہیں بہت نفع ہوگا' شرط یہ ہے کہ وہ حلوہ مٹی کے برتن (کونڈے) میں ڈالنا۔ اس نے ایسا ہی کیا تو اسے بڑا نفع ہوا' البتہ وہ حلوہ پوری گھر سے باہر نہیں نکالتے جو گھر آئے وہ کھائے' کسی پڑوسی یا قریبی رشتہ دار کے گھر نہیں بھیجنا۔ یہ رواج ہے' مسئلہ نہیں۔ ورنہ باہر نکالنا جائز ہے' کوئی غلطی نہیں' یہ قصہ بھی کوئی معتبر نہیں۔

ہمارا موقف واضح ہے:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کا ۲۲ رجب کو اہتمام کرے تو جائز ہے بلکہ ثواب ہے' خواہ ان کے وصال کا دن نہ بھی ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے دن کو خوشی کا دن کہے پھر بھی صحیح ہے کیونکہ ہمارے نزدیک، ہر ایک شخص کی وفات کے دن اس کی اللہ تعالی کی رحمت سے ملاقات ہوتی ہے' اس لئے وہ خوشی کا دن ہوتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت وصیت وتمنا:

"وكان عنده ازار رسول الله صلى الله عليه وسلم و رداؤه و قميصه وشيء من شعره وأظفاره فقال	''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر سے باندھنے والی چادر اور اوپر

کفنونی فی قمیصه وادر جونی فی ردائه وآزرونی بازاره واحشوا منخری وشدقی ومواضع السجود منی شعره وظفره وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین"۔

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج ۱۱، ص ۴۳۷، ۴۳۹)

اوڑھنے والی چادر اور قمیص تھی اور آپ کے کچھ بال اور ناخن تھے۔ آپ نے وصیت کی: کہ مجھے آپ کی قمیص میں کفن دینا اور مجھے آپ کی کمر سے باندھنے والے چادر باندھ دینا اور اوپر اوڑھنے والی چادر مجھے اوڑھا دینا، اور میرے ناک کے نتھنوں میں اور میری باچھوں میں اور میرے سجدہ کے اعضاء میں نبی کریم ﷺ کے بال اور ناخن رکھ دینا۔ پھر مجھے اللہ تعالی ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا، یعنی میرا معاملہ رب تعالی کے سپرد کر دینا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کب قبول کیا؟

صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رکھا، فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، وہ ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا، جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ در پردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انہیں بھی فتح مکہ کے مومنون میں شمار کر دیا، حالانکہ آپ قدیم الاسلام تھے بلکہ بدر میں بھی کفار مکہ کے ساتھ مجبوراً تشریف لائے تھے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان عباس کو قتل نہ کرے، وہ مجبوراً لائے گئے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل:

وہ حدیث اس میں دلیل ہے جو امام احمد نے امام باقر بن امام زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی کہ امام باقر سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، وران

سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام سے فارغ ہوتے وقت آپ کے سر شریف کے بال مروہ پہاڑ کے پاس کاٹے' نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاوس عبداللہ بن عباس سے روایت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرہ قضاء میں واقع ہوئی جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد میں ہوا کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا' اور قران کرنے والے مروہ پر حجامت نہیں کراتے' بلکہ دسویں ذی الحج کو منی میں کراتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بال کٹوائے نہیں تھے بلکہ سر منڈایا تھا" اور وہ ابوطلحہ نے حجامت کی تھی تو یقینی بات ہے کہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر شریف کے بال تراشنا عمرہ قضاء میں فتح مکہ سے پہلے ہوا معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔

اور عذر و مجبوری اور ناواقفیت کی حالت میں ایمان ظاہر نہ کرنا جرم نہیں کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تقریباً چھ برس اپنا ایمان ظاہر نہ کیا' یہ مجبوری کی وجہ سے تھا۔ نیز اس وقت ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اسلام کو ظاہر کرنا اور اس کا اعلان کرنا ضروری ہے لہٰذا اس ایمان کو پوشیدہ رکھنے میں نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض ہو سکتا ہے نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر۔ ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ فتح مکہ کے مؤمنین میں سے ہیں' نہ مؤلفۃ القلوب میں سے۔ (راقم)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح ہونے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطاء فرمایا۔ اگر آپ مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں تو آپ فتح مکہ کے مومنوں میں سے ہوئے نہ کہ پہلے اسلام والوں میں سے۔

جواب:

حضور ﷺ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ عطاء شاہی عطیہ تھا' نہ کہ تالیف قلب کی بناء پر' جیسے حضور ﷺ نے بحرین کے مال آنے پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تنہا مال عطا فرمایا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ اس بادشاہی عطا سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مؤلفۃ القلوب میں داخل ہوں' غرضیکہ عطایا نبویہ اور ہیں' اور تالیف قلب کچھ اور چیز۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ عطیہ عطایا نبویہ سے ہے' تالیف قلب کیلئے نہیں۔

ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو یہ عطیہ دیا گیا وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تالیف قلب کا سبب بن گیا' جیسے حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن اعلان فرما دیا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے' اسے امان ہے۔ گویا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دار الامان بنادیا' یہ صرف حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے تالیف قلب کیلئے تھا۔

(از تطہیر الجنان و حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۲، ۴۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت حکومت:

"روی ابن عباس وابو سعید تولی الشام بعد أخیه یزید فی زمن عمر ولم یزل بها متولیا وحاکما الی ان مات وذلك اربعون سنة منها فی ایام عمر أربع سنین أونحوها ومدة خلافة عثمان وخلافة علی وابنه الحسن وذلك تمام عشرین سنة ثم استوثق له الأمر بتسلیم الحسن بن علی الیه فی سنة احدی وأربعین ودام له عشرین سنة"

"حضرت ابن عباس اور ابو سعید (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی یزید بن سفیان کی وفات کے بعد شام کے حاکم (گورنر) بن گئے پہلے یزید بن ابی سفیان وہاں کے حاکم تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال بحیثیت گورنر حاکم رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور حکومت کے چار سال تقریباً اس کے بعد حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم کے

دور خلافت میں آپ شام کے گورنر رہے۔ جب آپ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکومت کی باگ ڈور عطاء کر دی تو اس کے بعد آپ مستقل خلیفہ اور امیر المومنین بن گئے۔"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج ۱۱، ص ۴۳۷)

حضرت امیر معاویہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما میں وجہ اختلاف:

"وما جرى بين معاوية وعلي رضى الله عنهما كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة من معاوية فى الأمامة اذ ظن على رضى الله عنه ان تسليم قتلة عثمان مع كثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسكر يؤدى الى اضطراب امر الأمامة فى بدايتها فرأى التاخير أصوب وظن معاوية ان تاخير أمرهم مع عظم جنايتهم يوجب الاغراء بالائمة ويعرض الدماء للسفك وقد قال أفاضل العلماء كل مجتهد مصيب وقال قائلون المصيب واحد ولم يذهب الى تخطئة على رضى الله ذو تحصيل أصلاً"۔

(احیاء العلوم ج اول ص ۷۵ کتاب قواعد العقائد، الرکن الرابع فی السمعیات وتصدیقہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما اُخبر عنہ)

"حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے کی وجہ "اجتہاد" تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکومت کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گمان یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کثیر تعداد میں ہیں، مختلف قبائل کے لوگ ہیں، آپ پر حملہ کرنے والوں کی ایک یلغار تھی۔ اسلئے اگر ابھی ان سے انتقام لیا گیا تو حکومت کی ابتداء میں ہی حاکم کیلئے مشکلات پیدا ہوں گی اسلئے اس معاملہ میں تاخیر زیادہ بہتر ہے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اگر ان کے معاملہ میں تاخیر کی گئی یعنی قاتلینِ عثمان سے جلدی انتقام نہ لیا گیا اور ان کے عظیم جرم کے باوجود اگر تاخیر کی گئی تو ان لوگوں کو ائمہ (حکام) پر مظالم کو موقع ملتا رہے گا، یہ بڑے

دلیر ہو جائیں گے، حکام کا خون بہاتے رہیں گے۔ ان دونوں حضرات کے اجتہادی اختلاف کا موقف اپنی اپنی جگہ صحیح تھا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ صرف ایک اجتہاد درست تھا، کسی ایک نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو خطاء سے تعبیر نہیں کیا۔"

علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے خوبصورت بیان فرمایا:

اور شارحین ومحدثین نے اجتہادی اختلاف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطاء کی نسبت کی اور درست اجتہاد کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی، لیکن علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو یہ بیان کیا کہ علماء محصّلین یعنی کامل علم پر دسترس رکھنے والے حضرات نے دونوں صحابہ (حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے اجتہاد کو درست کہا کہ ہر ایک کا مؤقف اپنی اپنی جگہ پر درست تھا کسی ایک کے اجتہاد کو بھی خطاء سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسرے علماء کاملین کا قول بھی ذکر کر دیا کہ دونوں اجتہادوں میں سے ایک اجتہاد درست تھا۔

اس کے بعد خوبصورت کلمات علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کامل ایمان، کامل محبت صحابہ کرام اور کامل عقل پر دلالت کر رہے ہیں کیا خوب بیان فرمایا:

"ولم یذهب الی تخطئة علی رضی الله عنه ذو تحصیل أصلا"

"اور علماء محصلین میں سے کوئی ایک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کی طرف نہیں گیا۔"

یعنی علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد میں خطاء ہو جانے کی نسبت بھی حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں کی۔ شاید انہوں نے یہ ادب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے سیکھا ہوگا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم بڑے ہو یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خوبصورت جواب دیا "هو اکبر منی وانا أسن منه" مجھ سے بڑے تو وہی ہیں، البتہ عمر میری زیادہ ہے۔

پنجابی زبان میں خاوند کو "خصم" کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے باپ کو یوں پکارے "اے میری ماں کے خصم!" تو اسے بے ادب اور باپ کا گستاخ کہا جاتا ہے، اور اگر کہے "اے میرے ابا جان!" تو اسے باادب بیٹا کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے سلیقے والا اور عقلمند ہے۔

اختلاف بھڑکائے گئے:

مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین وانصار کے اتفاق رائے سے خلیفہ برحق مقرر ہوئے، لیکن چند وجوہات کی بناء پر قاتلینِ عثمان غنی سے قصاص نہ لیا جا سکا۔ یہ خبریں شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچیں انہوں نے پیغام بھیجا کہ خلیفۃ المسلمین کا خاص مدینہ شریف میں شہید کر دیا جانا، بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ ازراہِ کرم سب سے پہلے قاتلین پر قصاص جاری کیا جائے، لیکن کچھ مجبوریوں کی بناء پر قصاص نہ لیا جا سکا۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ دیدہ دانستہ قصاص لینے میں کوتاہی فرما رہے ہیں، اس قتل میں "نعوذ باللہ" ان کا ہاتھ ہے۔ بلکہ خود ان کے قاتلین کو پولیس یا فوج میں بھرتی کر لیا گیا، غرضیکہ کچھ فساد پھیلانے والے لوگوں (عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے منافقین ساتھیوں) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ذہن نشین کر دی کہ (حضرت) علی المرتضی رضی اللہ عنہ جان بوجھ کر قصاص جاری کرنے میں چشم پوشی فرما رہے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے برابر قصاص کا مطالبہ رہا، ابھی تک نہ آپ کی خلافت کا انکار تھا نہ اپنی حکومت علیحدہ کرنے کا خیال صرف خونِ عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا۔

آخر نوبت یہاں تک کہ امیر معاویہ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی کہ علی المرتضی رضی اللہ عنہ خلافت کے لائق نہیں اور وہ خلافت کی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اتنے بڑے اہم خون کا قصاص نہ لیا جا سکا تو دیگر انتظامی امور کیا ادا ہو سکیں گے؟ اختلاف کی اصل بنیاد یہ تھی باقی سارے اختلافات اس جڑ کی شاخیں تھیں دیگر تمام حضرات کی وجہ مخالفت بھی یہ ہی قتلِ عثمان تھا۔ اب صحابہ کرام کی تین جماعتیں ہوگئیں:

① ایک وہ جو غیر جانبدار رہے، کسی طرف جنگ میں شریک نہ ہوئے، جیسے عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن سلام وغیرہم (رضی اللہ عنہم)

② بعض وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف رہے، جیسے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت محمد ابن طلحہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم۔

③ بعض جو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے معاون ہوئے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام حق پر ساتھی رضی اللہ عنہم۔

عجیب اتفاق:

خیال تو کرو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے خلاف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے سپاہی تھے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اس جنگ میں غیر جانبدار رہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہدیہ قبول کیا۔

اعتراض:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبہ کا کیا حق تھا؟ خون کا بدلہ ہر شخص تو نہیں مانگتا، صرف مقتول کے ولی کو حق ہے۔

جواب:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے اور خلیفہ عام رعایا کا ولی ہوتا ہے۔ بادشاہِ

اسلام کے خون کے قصاص کا مطالبہ ہر مسلمان کرسکتا ہے، ورنہ پھر کسی بادشاہ کی جان بلکہ کسی حاکم کا خون بھی محفوظ نہ ہوگا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نسبی لحاظ سے بھی ولی تھے کیونکہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قریب ترین رشتہ دار تھے اسلئے کہ امیہ ابن عبد شمس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ بیان کیا جاچکا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب دیکھئے:

''عثمان ابن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف۔''

واضح ہوا کہ حضرت عثمان ابن عفان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا شجرہ نسب امیہ پر مل جاتا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاص عثمان کے مطالبہ کا حق ہے، کیونکہ وہ ان کے ولی ہیں، اور آپ نے یہ آیۂ کریمہ پڑھی اور فرمایا: اگر آپ نے قصاص نہ لیا تو ملک کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مالک ہوجائیں گے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝
(بنی اسرائیل ۱۵:۳۳)

''اور جو ناحق مارا جائے تو بیشک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے ضرور اس کی مدد ہوگی۔'' (کنزالایمان)

دیکھو! عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ کی حمایت کی اور اس آیہ کریمہ سے استدلال فرمایا۔
(کتاب تطہیر الجنان ص ۱۱۱، امیر معاویہ ایک نظر میں ص ۷۵،۷۶)

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری، بھیروی رحمۃ اللہ علیہ:

نے اختلاف صحابہ کو بہت خوبصورت انداز پر یوں بیان فرمایا:

''دنیا میں غلط فہمیوں کی وجہ سے بسا اوقات متقی اور پارسا لوگوں کے تعلقات بھی کشیدہ ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق کدورت اور ملال پیدا ہوجاتا

ہے کیونکہ ان کی یہ مخالفت اور باہمی رنجش نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے' اس لئے جب قیامت کے دن انہیں جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا تو ان کے آئینہ قلب سے ان رنجشوں اور کدورتوں کا غبار صاف کر دیا جائے گا اور وہ سابقہ مخالفتوں کا کوئی اثر محسوس نہیں کریں گے۔

"ویروی عن علی رضی اللہ انہ قال ارجو ان اکون انا وعثمان وطلحۃ والزبیر من الذین قال اللہ تعالی فیھم ونزعنا،الخ"

(ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج ۲' ص ۳۰' ۳۱)

"حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ مجھے توقع ہے کہ ہے کہ میں اور عثمان' اور طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے"۔

جب رب تعالیٰ راضی' تو تیری مخالفت کا کیا نقصان؟

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: ایک آدمی ان کے پاس آکر کہنے لگا میں امیر معاویہ سے بغض رکھتا ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے معاویہ نے حضرت علی سے جنگ کی۔ امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا:

"ویحك ان رب معاویۃ رحیم،وخصم معاویۃ خصم کریم فأیش (فای شیئ) دخولك انت بینھما رضی اللہ عنھما"۔

(البدایہ والنہایہ' علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ' ج ۸ ص ۱۳۱ ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

"تیری بربادی! بیشک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رب رحیم ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مد مقابل (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کریم ہیں اور رب تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہے (کہ وہ دونوں صحابی ہیں) تو تجھے ان دونوں کے درمیان دخل اندازی کی کیا ضرورت ہے؟

مقام تعجب یا مقام افسوس!

صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ راضی، اور امام حسن رضی اللہ عنہ راضی، اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ صلح کیلئے راضی ہو گئے، لیکن شان اہل بیت بیان کرنے کی آڑ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تیر اندازی کرنے والا احمق نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کو تو آپ دیکھ چکے ہیں۔ آیئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی کوشش کو بھی دیکھتے چلے جائیں۔

حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح:

طبقات ابن سعد سے مختصر کر کے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا:

''جب کوفہ میں دونوں طرف سے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجیں آمنے سامنے آگئیں تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے شامیوں نے قرآن پاک بلند کیا تا کہ مزید خون ریزی سے دونوں فوجیں بچ جائیں۔ قرآن پاک بلند ہونے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے تلوار چلانے سے ہاتھ اٹھالیا۔ صلح کرنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو مُنصف (ثالث) مقرر کیا۔ دونوں طرف سے ایک معاہدہ لکھا گیا کہ آئندہ سال ۳۸ھ میں مقام اذرح میں متفقہ اجلاس کر کے اصلاح امت کی تدابیر کریں، غرضیکہ اس تحریری معاہدہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ اور دوسرے حضرات اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

(ماخوذ از تاریخ الخلفاء مترجم ص ۲۰۲ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت)

صلح کیلئے مُنصِف مقرر کرنے پر خارجیوں کی مخالفت:

کوفہ پہنچ کر خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کی اور کہا: ''اِنِ الْحُكْمُ

اِلَّالِلّٰہِ" (فیصلہ صرف اللہ کا ہے) کسی دوسرے کا فیصلہ کرنا اور کسی کو منصف وثالث مقرر کرنا ہم نہیں جانتے۔ اس کے بعد یہ تمام خارجی کوفہ کے ایک مشہور مقام حروراء میں بغاوت کیلئے جمع ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا جنہوں نے خارجیوں سے بحث ومباحثہ کر کے ان کو شکست دی، غرضیکہ یہ تمام خارجی وہاں سے چل دیئے۔ ان میں سے کچھ خارجی مقام نہروان میں مقیم ہو گئے جو مسافروں کی آمد و رفت میں مزاحمت کرتے ان کا مال لوٹتے اور انہیں ایذاء دیتے تھے۔ چنانچہ ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان پہنچ کر ان خارجیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

(تاریخ الخلفاء مترجم ص ۲۰۳ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت)

ان میں ہی وہ شخص تھا جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ایک وہ شخص قتل ہوگا، جس کا ہاتھ ناقص ہوگا اور اس کا اگلا حصہ بازو کے پاس پستان کے سر کی طرح ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان علامات والے شخص کو مقتولین کی لاشوں میں تلاش کرنے کیلئے کہا، اس کی لاش مل نہیں رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود گئے حکم دیا کہ لاشوں کو اوپر سے ہٹایا جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سچا ہے، وہ ضرور ملے گا ایسا ہی ہوا کہ اس کی لاش مل گئی۔

خوارج کا اعتراض:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب خوارج کے پاس گئے تو انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس لئے منصف مقرر کرنا جائز نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو منصف مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے پھر جانا ہے، اس لئے وہ دونوں مشرک ہو گئے۔ "معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب:

آپ نے قرآن پاک کی آیۃ کریمہ کو بطور دلیل پیش کیا:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا O

(سورۃ النساء ۵:۳۵)

''اور اگر تم کو میاں بیوں کے جھگڑنے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کرا دے گا' بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔'' (کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خارجیوں کے سامنے جب یہ آیۃ کریمہ پیش فرمائی اور دلیل یہ قائم کی کہ میاں بیوی کے جھگڑے کو مٹانے کیلئے دونوں طرفوں سے منصف مقرر کرنے کا خود رب تعالی نے حکم دیا تو یقیناً جب زوجین کے درمیان منصفین مقرر کرنا شرک نہیں تو اتنے بڑے معاملہ کو سلجھانے کیلئے اور فساد کو مٹانے کیلئے منصفین مقرر کرنا شرک نہیں' بلکہ رب تعالی کے حکم کے مطابق ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس شاندار اور پائیدار دلیل کو سن کر پچیس ہزار خارجیوں میں سے بیس ہزار نے توبہ کرلی' صرف پانچ ہزار اپنے غلط موقف پر قائم رہے' جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کرادیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب کا دارومدار اس پر تھا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" اپنی جگہ پر درست ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہے کہ ذاتی حکم اور ذاتی فیصلہ اللہ تعالی کا ہے لیکن رب تعالی نے خود زوجین کے جھگڑے میں منصف مقرر کرنے کی اجازت دے کر حکم اور فیصلہ کا حق اپنے بندوں کو عطاء کردیا یعنی ذاتی حکم رب تعالی کا ہی ہے اور عطائی حکم بندوں کو بھی حاصل ہے۔

تنبیہ:

جنگ صفین وغیرہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو اور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا پنچ (مصنف) مقرر کر دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان صلح کرا دیں۔ منصفین نے صلح کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی اور حال یہ ہو گیا کہ خلافت کو تقسیم کر دیا گیا۔ عراق وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور شام وغیرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ کوفہ مقرر ہو گیا' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ دمشق مقرر ہو گیا۔ (ماخوذ از روح المعانی وتفسیر نعیمی)

آخر کار صلح بھی ہو گئی:

جھگڑے یا جنگ وجدال کی تین قسمیں ہیں:

۱ اختلاف رائے کا جھگڑا و جنگ اسے ''اختلاف'' کہتے ہیں' جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے جھگڑا' یا حضرت سارہ و ہاجرہ علیہما السلام کا اختلاف۔

۲ ذاتی عداوت کا جھگڑا جیسے عام جھگڑے و فساد' اسے ''خلاف'' کہتے ہیں۔

۳ مذہبی جھگڑے و جنگ جیسے مسلمانوں کا کفار سے لڑنا' اسے ''جہاد'' کہتے ہیں۔

پہلی قسم کا جھگڑا نہ کفر ہے اور نہ فسق' بلکہ غلطی ہے' جسے منصفین کے ذریعے ختم کرا دیا جاتا اور صلح کرائی جاتی ہے۔

دوسری قسم کا جھگڑا ''فسق'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں' اور رب تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ'' اور جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کر دے اس کا بدلہ جہنم ہے۔

تیسری قسم کے جھگڑے کا نام ''جہاد'' ہے' جو عبادت ہے۔ حضرات صحابہ کرام کی آپس میں جنگیں پہلی قسم کی ہیں یعنی اختلاف' اسی لئے امیر معاویہ و حضرت علی کی' اور امام حسن و امیر معاویہ (رضی اللہ عنہم) کی آخر میں صلح ہو گئی' لہذا وہ سب متقی ہیں' کوئی ان میں فاسق نہیں۔ وہاں اختلاف رائے یہ تھا کہ امیر معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ خونِ عثمان کا قصاص مقدم ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ استحکام خلافت مقدم

ہے۔جب برادران یوسف علیہ السلام باوجود اختلاف کے ہدایت کے تارے ہیں۔تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بھی اختلاف کے باوجود ہدایت کے تارے ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر نعیمی ج ۵ ص ۵۹)

خارجیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی ہے لیکن اپنے مخالفین کی بیویوں اور بچوں کو قید نہیں کیا' اور نہ ہی ان کا مال لوٹا۔اگر وہ لوگ کفار ہیں تو ہمارے لئے ان کے مال اور ان کی جانیں حلال ہیں' اور اگر وہ مسلمان ہیں تو ہمارا ان کو قتل کرنا حرام ہے۔لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم اس مسئلہ میں مبہم ہے' جو ہمیں قبول نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب:

آپ نے خارجیوں کو کہا: تم جو یہ کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ میں قیدی مردوں کو غلام نہیں بنایا اور قیدی عورتوں کو لونڈیاں نہیں بنایا' اس کے متعلق سنو! آؤ میں تمہیں بتاؤں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جنگ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ فوجیوں سے قتال کیا۔اگر تمہارے کہنے کے مطابق عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاتا تو ام المومنین (مومنوں کی ماں) کو لونڈی بنا کر ان سے وہ معاملات جائز رکھے جاتے جو لونڈیوں سے رکھے جاتے ہیں' تو کیا مومن اپنی ماں سے یہ سلوک جائز سمجھ سکتا تھا؟ ہاں! اگر کوئی یہ جائز سمجھتا تو وہ کافر ہو جاتا' پھر آپ نے ان لوگوں سے پوچھا: کیا میں نے درست جواب دے دیا ہے؟ تو انہوں نے اقرار کیا: ہاں! واقعی آپ کا جواب درست ہے۔

حضرت ابن عباس کے جواب پر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے ارشادات کی تائید:

استاذی المکرم حضرت علامہ مولینا اشرف سیالوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

محاربین جمل وصفین کے متعلق مرتضوی عقیدہ:

تمام مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے متعلق مرتد اور کافر یا منافق ہونے کا عقیدہ رکھنا تو

دور کی بات ہے۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے تو ان حضرات کے متعلق بھی یہ نظریہ نہ اپنایا جو آپ کے ساتھ حرب وقتال اور جنگ وجدال کے مرتکب ہوئے' بلکہ فرماتے ہیں وہ ہمارے بھائی ہیں' جو اپنے خیال میں حق پر ہیں اور اس وجہ سے ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہیں' جیسے کہ حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کا صحابی اور خادمِ خاص ابوالعباس عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی اپنی کتاب قرب الاسناد ص ۴۵ پر رقمطراز ہے:

(۱) "عن جعفر عن ابیه ان علیه السلام کان یقول لأهل حربه انا لم نقاتلهم علی التکفیر لهم ولم نقاتلهم علی التکفیر لنا ولکنا رأینا انا علی حق ورأوا أنهم علی حق"

"یعنی امام جعفر صادق اپنے باپ حضرت امام محمد باقر (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں کے متعلق فرماتے تھے کہ ہم نے ان سے اس وجہ سے جنگ نہیں کی کہ ہم انہیں کافر سمجھتے ہیں اور نہ ہم نے ان سے اس وجہ سے قتال کیا کہ وہ ہمیں کافر سمجھتے ہیں لیکن اس حرب قتال کا موجب یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور ان کا عقیدہ ونظریہ یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں۔"

"جعفر عن ابیه ان علیا علیه السلام لم یکن ینسب أحدا من اهل حربه الی الشرك ولا الی النفاق ولکن یقول هم اخواننا بغوا علینا"
(قرب الاسناد ص ۴۵)

"یعنی حضرت امام جعفر صادق اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں میں سے کسی کو بھی شرک یا منافقت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے' بلکہ فرماتے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی'

(یعنی انہوں نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے ہم پر زیادتی کی ہے)۔''

اور اس بغاوت کا منشاء بھی بتا دیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا اور ہمیں خطاء کا مرتکب' جبکہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔اور اسی مضمون کو''نہج البلاغہ'' میں مندرج خطبہ میں اس طرح بیان فرمایا:

"وكان بدء أمرنا انا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزيدهم فی الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيد وننا الأمر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء"۔

(نہج البلاغۃ' مصری جلد ثانی ۱۵۱)

''ہمارے امر کی ابتداء یہ تھی کہ ہم اور اہل شام کی ایک قوم باہم ملاقی ہوئے (ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے اور صف آراء ہوگئے) اور یقینی بات ہے کہ ہمارا رب ایک ہے' ہمارا نبی ایک ہے اور اسلام میں ہمارا دعوی ایک جیسا ہے'' نہ ہم ان پر اپنے آپ کو زائد سمجھتے ہیں ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں (یعنی اللہ تعالی پر ایمان لانے میں اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں ہم اپنے آپ کو ان پر زائد نہیں سمجھتے) اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو ہم سے ایمان وتصدیق میں زائد اور بلند سمجھتے ہیں' ہمارا معاملہ ایک ہے اور جملہ امور میں متحد ومتفق ہیں' ماسوائے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے جس میں ہم باہم مختلف ہو گئے ہیں' اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم ان کے خون سے بریٔ الذمہ ہیں۔''

الغرض حضرت امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ جب محاربین (اپنے ساتھ لڑائی

کرنے والوں) کو اپنے جیسا مؤمن سمجھتے ہیں اور ایمان و تصدیق میں اپنے ہم پلہ سمجھتے ہیں مشرک و کافر نہیں سمجھتے اور نہ ہی منافق بلکہ صرف اور صرف خطائے اجتہادی کے مرتکب سمجھتے جو اپنے زعم اور خیال میں حق پر تھے۔ لیکن واقع و نفس الامر میں خطاء پر اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ خطاء اجتہادی کی بناء پر مؤاخذہ نہیں ہوتا تو ان ائمہ کرام کے نزدیک جب ان حرب و قتال کے مرتکب حضرات کا مقام یہ ہے تو دوسرے حضرات مہاجرین و انصار اور تابعین بالاحسان کا مقام کس قدر بلند و بالا ہوگا اور ان کا ایمان ایقان اور اخلاص و وفاء کیونکر محل شک و شبہ اور مورد طعن و تشنیع ہوگا۔ لہذا شیعہ حضرات کا تین صحابیوں کے علاوہ سب مہاجرین و انصار کو مرتد قرار دے دینا سراسر لغو اور باطل ہے اور آیات قرآن مجید احادیث رسول علیہ السلام اور ارشادات عالیہ ائمہ کرام علیہم الرضوان کی تکذیب ہے العیاذ باللہ تعالی جو کسی بھی ایمان و اسلام کے دعویدار کے لائق نہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد سوم ص ۸۵،۸۳)

"قال علی رضی اللہ عنہ قتلای وقتلی معاویۃ فی الجنۃ"
(رواہ الطبرانی، تطہیر الجنان ص ۱۹)

"حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ ہماری جنگ میں میری طرف سے قتل ہونے والے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے قتل ہونے والے جنتی ہیں۔"

(جنتی تب ہیں جو دونوں طرف سے قتل ہونے والے شہید ہیں ورنہ آپ ایک طرف کے مقتولین کو جنتی کہتے اور دوسری طرف کے مقتولین کو جنتی نہ کہتے۔ (راقم)

"قتلانا وقتلاھم فی الجنۃ"
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۰۳)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین جنتی ہیں۔"

سبحان اللہ! حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے کیا خوب ارشادات ہیں۔ علی علی کے نعرے شان اہل بیت بیان کرنے کے دعوے صحابہ کرام پر تبرے اقوال علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے انحراف نہیں تو اور کیا ہے؟ آیئے! مخلص مومنو! ان مداریوں کے جال میں نہ پھنسنا یہ تو

تمہارے ایمان کو برباد کر بیٹھیں گے۔

خارجیوں کا تیسرا اعتراض:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کرتے ہوئے اپنے نام سے ''امیر المومنین'' کا لفظ کیوں مٹادیا؟ کیا وہ امیر المومنین نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب:

آپ نے ان کو بتایا کہ اگر صلح میں کوئی لفظ رکاوٹ بن رہا ہو تو اسے صلح کی خاطر کاٹنا جائز ہے۔ اسلئے کہ منصفین چاہتے تھے کہ کسی فیصلہ تک پہنچنے سے پہلے کسی کے نام کے ساتھ امیر المومنین کا لفظ نہ ہو تو آپ نے اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ مٹانے کا حکم دے دیا' یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے نام سے ''رسول اللہ'' مٹادیا تھا اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ کیونکہ جب کفار نے اعتراض کیا کہ ہم اگر ''محمد رسول اللہ'' مانتے تو عمرہ کرنے سے نہ روکتے' ہم تو محمد رسول اللہ نہیں مانتے بلکہ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ تم محمد ابن عبداللہ ہو' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی رکاوٹ کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں ''محمد رسول اللہ'' بھی ہوں' اور محمد بن عبداللہ بھی۔ لہذا ''رسول اللہ کی جگہ ''ابن عبداللہ'' لکھ لیا جائے۔

یہ جواب دینے کے بعد آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم میرے جواب سے مطمئن ہو؟ انہوں نے کہا ہاں آپ کے ان جوابات کے بعد خوارج کی اکثریت تائب ہو گئی' جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (خارجیوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات ماخوذ از فتح القدیر ج۵ ص ۳۳۵ البنایہ للعینی ج۹ ص ۴۲۷ ص ۴۲۸)

خارجیوں کی سازش:

عبداللہ بن ملجم مرادی اور برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن ابی بکر تمیمی ان تین خارجیوں نے مکہ میں باہمی معاہدہ کیا کہ تین اسلامی برتر شخصوں کو شہید کر دیں گے۔

چنانچہ عبداللہ بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور برک ابن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمر بن ابی بکر تمیمی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا ہدف بنانے کا قرار کیا ،اور عہد و پیمان کیا کہ ایک مقررہ رات میں گیارہ یا سترہ رمضان کو شہید کردیں گے۔

اس قول و قرار کے بعد ہر ایک اس شہر کی جانب روانہ ہو گیا، جہاں اس کے ہدف سکونت پذیر تھے۔ دوسرے دونوں اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے، لیکن عبداللہ بن ملجم سیدھا کوفہ پہنچا اور اپنے دیگر ساتھی خارجیوں سے مل کر اپنا ارادہ ان پر ظاہر کر دیا کہ جمعہ کی رات بتاریخ ۱۷ رمضان ۴۰ھ حضرت علی کو شہید کرے گا۔

جب ابن نباح موذن نے آکر کہا: نماز! نماز! چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے لوگوں کو نماز پڑھنے کیلئے بلانے کی خاطر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابن ملجم نے آپ پر تلوار کا وار کیا، جس سے آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی، اور تلوار بھیجہ پر جا کر ٹھہری۔ اسی دوران لوگ دوڑ پڑے اور قاتل کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کاری زخم کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ و ہفتہ کے دن بقید حیات رہے لیکن اتوار کی رات کو آپ کا وصال ہو گیا۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہم) نے آپ کو غسل دیا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی رات کو ہی کوفہ کے دارالامارۃ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن ملجم کو ایک ٹوکرہ میں رکھ کر نذر آتش کر دیا اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

(ماخوذ از تاریخ الخلفاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت)

خارجیوں کے اعتراضات کی عربی عبارت:

"قالوا احداهن أنه حكم الرجال فی دین الله وقد قال تعالی ان الحكم الالله قلت هذه واحدة، قالوا واما الثانية فأنه قاتل ولم يسب ولم يغنم فان كانوا كفارا فقد حلت لنا نسأوهم وأموالهم وان كانوا مؤمنين فقد حرمت علينا دماؤهم قلت هذه اخرى قالوا وأما الثالثة فأنه محا نفسه من امير المؤمنين فان لم يكن امير المؤمنين فانه يكون

امیر المؤمنین"۔ (فتح القدیر ج۵ص۳۳۵)

تنبیہ:

اعتراض کو بالترتیب ذکر کردیا گیا، پہلے اعتراض وجواب کا خلاصہ زیادہ حصہ اس کا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ الخلفاء سے لیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات جن پر خوارج نے اعتراض کیا:

"عن جعفر عن ابیه قال أمر علی منادیه، فنادی یوم البصرة لا یتبع مدبر ولا یذفف علی جریح ولا یقتل أسیر ومن اغلق بابا فهو آمن ومن القی سلاحه فهو آمن ولم یأخذ من متاعهم شیأ"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ص۷۱۸)

"حضرت امام جعفر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کرنے والے شخص کو بصرہ کے دن ارشاد فرمایا: کہ تم اعلان کردو کسی پیٹھ پھیر کر جانے والے کا پیچھا نہ کرو، اور زخمی کو نہ مار ڈالنا، اور قیدی کو قتل نہ کرنا، جس نے درواہ بند کرلیا وہ امن میں ہے، اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے وہ امن میں ہے، اوران کے سامان سے کوئی چیز (مال غنیمت کے طور پر) نہ لینا۔"

"عن الضحاك ان علیا لما هزم طلحة واصحابه أمر منادیته ان لا یقتل مقبل ولا مدبر ولا یفتح باب ولا یستحل فرج ولامال"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ص۷۱۱)

"ضحاک کہتے ہیں: بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دی تو اعلان کرنے والے کو کہا: اعلان کردو کہ اب کسی کو قتل نہ کیا جائے، خواہ وہ آگے بڑھ رہا ہو یا پیچھے ہٹ رہا ہو، اور (جنگ کا) دروازہ نہ کھولا جائے، کسی کو لونڈی نہ بنایا جائے، اور کسی کا مال غنیمت نہ بنایا جائے۔"

" عن شقیق بن سلمة ان علیا لم یسب یوم الجمل ولم یقتل جریح"۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۰۷)

"شقیق بن مسلمہ کہتے ہیں: بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن نہ کسی کو قیدی بنایا اور نہ ہی زخمیوں کو قتل کرایا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مخالفین کیلئے روتے اور دعاء کرتے:

"عن ابی جعفر قال جلس علی واصحابه (یوم) یبکون علی طلحة وزبیر"
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۰۹)

"حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی ایک دن بیٹھ کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ (حالانکہ یہ دونوں آپ کے مدمقابل تھے)"

"عن عبد الله بن محمد قال مر علی علی قتل من اهل البصرة فقال اللهم اغفرلهم"۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۱۹)

"حضرت عبد اللہ بن محمد فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کے مقتولین سے گذرے (تو ان کے حق میں دعاء کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور) عرض کیا: اے اللہ! ان کی بخشش فرما"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ کی حکومت کو ناپسند کرنے سے منع فرمانا:

" قال علی رضی الله عنه ایها الناس لا تکرهوا أمارة معاویة والله اوقد فقد تموه لقد رأیتم الرؤس تندر من کو اهلها کالحنظل"۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۲۶)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! (حضرت) معاویہ کی حکومت کو ناپسند نہ کرو، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی! اگر تم ان کی حکومت کو ضائع کر دیا تو تم دیکھو گے کہ کتنے ہی سر کندھوں سے جدا کئے جا رہے ہیں جیسے اندرائن (تمہ) کو اس کی بیل سے جدا کیا جاتا ہے۔"

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اظہار افسوس:

"عن ابی صالح قال قال علی یوم الجمل وددت انی کنت مت قبل ھذا بعشرین سنة"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۱۹)

''ابو صالح فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کاش کہ میں اس سے بیس سال پہلے فوت ہو جاتا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اظہار افسوس:

"عن عبد اللہ بن عبید بن عمیر قال قالت عائشة وددت انی کنت رطبا ولم اسر سیری" (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۱۷)

''عبد بن عبید بن عمیر کہتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کاش کہ میں درخت کی سبز شاخ ہوتی، اس (جنگ کی) راہ پر نہ چلتی۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کو روکنے کا حکم دیا:

جنگ کے بند کرنے کا حکم دینا درحقیقت افسوس کا اظہار تھا' جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن پاک سامنے لا کر جنگ کو بند کرنے کی درخواست بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے پیش کی گئی۔

آیئے! ذرا دیکھئے! کن جذبات کا اظہار کیا گیا:

"ھذا حکم کتاب اللہ بیننا وبینکم من الشام بعد اھلہ من لثغور الشام أھلہ من لثغور العراق بعد اھلہ"۔

(کامل فی التاریخ' حافظ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ ج ۳' ص ۱۶۱' تتمہ امر الصفین' دار الحدیث قاہرہ)

''یہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن پاک حکم (بفتح الحاء) یعنی منصف وفیصل ہے' کون شام کی سرحدوں کی حفاظت کرے گا اہل شام کے بعد' اور کون عراق کی سرحدوں کی حفاظت کرے گا اہل عراق کے بعد۔''

یعنی اگر اہل شام (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے) اس جنگ میں قتل ہو گئے تو شام کی سرحدوں کی غیر مسلموں سے کون حفاظت کرے گا' اور اگر حضرت علی

رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے اہل عراق ہماری جنگوں میں قتل ہو گئے تو عراق کی سرحدوں کی غیر مسلموں سے کون حفاظت کرے گا۔ "قد فنی الناس فمن للثغور؟ ومن لجهاد المشركين والكفار"

(البدایہ والنہایہ لحافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ ج ۷ ص ۲۷۹ بحث خروج الخوارج)

جنگ بندی کی درخواست کی ضرورت کیوں درپیش آئی؟

جب حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی جنگ ہو رہی تھی تو مسلمانوں کے آپس میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے شاہ روم نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے خلاف صف بندی کر کے ان کو ختم کر دیا جائے، تو اس کے ناپاک ارادہ کا جواب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس جرأت سے دیا وہ بھی دیکھئے اور اسی سے سمجھ لیجئے کہ جنگ بندی کی طرف رغبت کی وجہ بھی یہی تھی، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شاہ روم کو جو کہا وہ تا قیامت مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ہے:

"والله لئن لم تنته وترجع الى بلادك يا لعين لاصطلحن أنا وابن عمي عليك ولأخرجنك من جميع بلادك ولاضيقن عليك الأرض بما رحبت فعند ذلك خاف ملك الروم وانكف"۔

(البدایہ والنہایہ لحافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ ج ۸ ص ۱۱۹ ذکر ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیان، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شاہ روم کو خط لکھا اور اسے بتایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی! اگر تو باز نہ آیا اور اے لعنتی! تو اپنے شہروں کی طرف نہ لوٹا تو میں اپنے چچا کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر لوں گا، تمہیں سب شہروں سے نکال دوں گا، اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تجھ پر تنگ کر دوں گا، آپ کی اس دھمکی سے شاہ روم ڈر گیا اور اپنے ناپاک ارادہ سے باز آ گیا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے دعاء:

"رحم الله ابا الحسن کان والله کذلك"۔

(الاستیعاب، ج۳، ص۲۰۹، تذکرہ علی بن ابی طالب)

"اللہ تعالیٰ ابوالحسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے کرے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ اسی طرح تھے۔ (یہ پہلے تفصیلاً راقم نے ذکر کر دیا ہے)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"کان علی والله کا للیث اذا دعا، و کالبدر اذا بدله و کا لمطر اذا عدا، فقال له بعض من حضر انت افضل ام علی فقال مخطوط من علی خیر من آل ابی سفیان"۔

(نفائس الفنون لمحمد بن محمود آملی بحوالہ الناہیہ ص۳۳)

"قسم ہے اللہ تعالیٰ کی علی شیر کی طرح تھے جب پکارتے تھے اور جب سامنے آئے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوتے۔ جب کثیر عطاء کرتے تو بارش کی طرح نظر آتے، حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: تم افضل ہو یا علی؟ آپ نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے (قدموں کے) نشان بھی آل سفیان سے افضل ہیں۔"

حضرت امیر معاویہ کا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی یاد میں رونا شیعہ کا اعتراف:

آیئے! شیعہ حضرات کے مجتہد سید ہاشم بحرانی کو دیکھئے، وہ کیا تحریر کر گئے؟

"فذرفت دموع معاویة علی لحیته فما یملکها وهو ینشفها بکمه وقد احتنق القوم بالبکاء ثم قال معاویة رحم الله ابا الحسن کان والله کذلك"۔

(حلیۃ الابرار، ج۱، ص۳۴۵)

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قصیدہ سنا تو آپ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ آپ کے آنسو جاری ہو گئے جو آپ کی داڑھی پر پڑے، آپ ان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ آپ اپنے آنسوؤں کو آستین سے صاف کر رہے تھے،

اور قوم کے حاضرین کے گلے بھی رونے کی وجہ سے بند ہو رہے تھے' پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ! ابو الحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے' قسم ہے اللہ کی وہ انہی اوصاف کے مالک تھے۔"

خدارا! فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہ کیجئے:

① "عن ابی هريرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان على حراء وابو بكر وعمر وعثمان وطلحة والزبير فتحركت الصخرة فقال اهدأ فما عليك الانبى أوصديق أوشهيد"۔

(مسلم ج ۲، مشکوۃ مناقب العشرۃ)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء (پہاڑ) پر تھے' آپ کے ساتھ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) بھی تھے' چٹان (پہاڑ) جھوما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے پہاڑ) ساکن ہو جا! یعنی رک جا' تجھ پر نہیں مگر نبی اور صدیق اور شہید۔"

کیا حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تھے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شہید نہیں کہا؟ جب وہ شہید ہیں اور یقیناً شہید ہیں' میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیبی علم ان کی شہادت کو روز روشن کی طرح یقینی بنا رہا ہے۔

اب اگر کوئی ظالم صحابہ کرام کو ظالم کہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منکر ہے۔ منکر حدیث اپنا انجام خود ہی سمجھ لے' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حاکمیت کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی' کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

② "عن معاوية قال مازلت اطمع فى الخلافة منذ قال لى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يا معاوية ان ملكت فاحسن"۔

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس وقت سے اپنے حاکم بننے کی امید کر رہا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے

معاویہ! اگر تم خلیفہ بن جاؤ تو احسان کرنا۔"

(ابن ابی شیبہ، ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۲۷۷)

③ "عن عبد الله بن عمر قال قال معاوية والله ما حملني على الخلافة الاقول النبي ﷺ يا معاوية ان وليت أمرا فاتق الله وأعدل فما زلت أظن اني مبتلى بعمل لقول النبي ﷺ اخرجه البيهقي"۔

(ازالۃ الخفاء فارسی، مقصد دوم ص ۲۸۷)

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی مجھے خلافت کے قبول کرنے پر نہیں ابھارا مگر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی نے، آپ نے فرمایا: اے معاویہ! جب تمہیں (مسلمانوں کے) امر کا والی بنایا جائے (حاکم بنایا جائے) تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا، میں اس وقت سے گمان کر رہا تھا کہ مجھے اس کام میں مبتلاء ہونا پڑے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے۔"

④ "عن عائشة ان النبي ﷺ قال معاوية كيف بك لوقد قمصك الله قميصا يعني الخلافة فقالت ام حبيبة يارسول الله وان الله قمص أخي قميصا قال نعم ولكن فيه هنات وهنات وهنات"۔

(اخرجہ الطبرانی، ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۳۷۸)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے معاویہ کو فرمایا: تمہارا کیسا حال ہوگا (یعنی تم کیا کروگے) اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں (حکومت کی) قمیص پہنائی دی (ام المومنین) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! بیشک اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو قمیص پہنائے گا؟ (یعنی کیا واقعی حکومت عطاء کرے گا؟) آپ نے فرمایا: ہاں! لیکن اس میں فساد ہوگا، اس میں فساد ہوگا، اس میں فساد ہوگا۔"

۵ "عن عائشة ان النبی ﷺ قال یا معاویة ان الله ولاك من امر هذه الأمة فانتظر ما انت صارع قالت ام حبیبة او یعطی الله أخی قال نعم وفیها هنات هنات هنات۔"

(اخرجہ ابن عساکر' ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۲۷۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے معاویہ بیشک اللہ تعالی تمہیں اس امت کے امر (حکومت) کا والی بنائے گا' تو انتظار کرو۔ ابھی سے چلانا نہ شروع کر دینا (یعنی ابھی سے اعلان نہ کر دینا) (ام المومنین) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا اللہ تعالی میرے بھائی کو (حکومت) عطاء کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (عطاء کرے گا) لیکن اس میں فساد ہوں گے' فساد ہوں گے' فساد ہوں گے۔"

شاید نبی کریم ﷺ نے تقدیر پر نظر رکھتے ہوئے' اسے ظاہر نہ کرنے کا حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا کیونکہ آپ نے فیصلہ تقدیر سے پہلے ہی سنا رکھا تھا کہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں جنگ ہوگی دونوں کا دعوی ایک ہوگا (یعنی دونوں ہی لڑائی میں اپنا اپنا دعوی شرعی بیان کر رہے ہوں گے)۔ (راقم)

۶ "عن أبی هریرۃ ان النبی ﷺ قال یا معاویۃ ان ولیت أمرا فاتق اللہ واعدل قال فمازلت أظن انی مبتلی بعمل لقول النبی ﷺ حتی ابتلیت"۔

(اخرجہ احمد، ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۲۷۸)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے معاویہ! اگر تمہیں والی حکومت بنا دیا گیا تو اللہ تعالی سے ڈرنا اور عدل کرنا' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے اس وقت سے گمان کر رہا تھا کہ مجھے حکومت کے معاملہ میں مبتلاء ہونا ہی پڑے گا' یہاں تک کہ میں اس میں مبتلاء ہو ہی گیا۔"

۷ "عن الحسن (البصری) عن معاویۃ قال قال لی رسول اللہ ﷺ اما انك ستبتلی امر أمتی بعدی فاذا کان ذلك فاقبل من محسنھم وتجاوز من مسیئھم فما زلت ان أرجوھا حتی قمت مقامی ھذا"

(اخرجہ ابن عساکر' ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۲۷۸)

"حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک تم میری امت کے معاملات (حکومت) میں میرے بعد مبتلاء ہو گے' جب تمہیں یہ منصب ملے تو احسان کرنے والے (بھلائی کے کام کرنے والے) کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور برائی سے درپیش آنے والے سے درگذر کر لو۔ میں اسی وقت سے (حکومت) کی امید رکھتا تھا' یہاں تک میں اس مقام پر قائم ہو گیا۔"

⑧ "عن الحسن بن علی قال سمعت علیا یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتذھب الایام واللیالی حتی یملك معاویة۔"

(اخرجہ الدیلمی ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۲۷۸)

"حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا' وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا' دن رات نہیں ختم ہوں گے' یہاں تک کہ معاویہ بادشاہ بن جائیں گے۔"

⑨ "عن سلمة بن مخلد قال سمعت النبی ﷺ یقول لمعاویة اللھم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد ووقه العذاب"

(اخرجہ ابن سعد وابن عساکر، ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۲۷۸)

"سلمہ بن مخلد کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا' معاویہ کیلئے آپ دعاء فرمار ہے تھے۔اے اللہ! اس کو کتاب اللہ کا علم عطاء کر' اور شہروں میں طاقت دے (حاکمیت عطاء کر) اور اسے عذاب سے بچا۔"

اگر فرمان مصطفوی ﷺ کا پتہ ہوتا تو معاویہ سے لڑائی نہ کرتا: (فرمان علی رضی اللہ عنہ)

"عن عروة بن نعیم قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فقال صارعنی فقال له معاویة انا صارعك فقال النبی ﷺ لن یغلب معاویة ابدا فصرع الاعرابی فلما کان یوم صفین قال علی لو ذکرت ھذا الحدیث ما قاتلت معاویة۔"

(اخرجہ ابن عساکر، ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ۲۷۸)

"عروہ بن نعیم فرماتے ہیں: ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا' اس نے کہا: میرے ساتھ کشتی کر کے مجھے بچھاڑ دو' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہارے ساتھ کشتی کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہرگز کوئی شخص معاویہ پر کبھی بھی غالب نہیں آئے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین کی جنگ میں کہا: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔"

حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی رہے:

"عن عمر قال ما احد أحق بهذا الأمر من هؤلاء النفر الذين توفي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو عنهم راض فسمى عليا وعثمان والزبير وطلحة وسعدا وعبد الرحمن"

(رواہ البخاری، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ، ص ۵۶۵)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی ایک اس امر خلافت کا حق دار ان لوگوں سے زیادہ نہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے تک راضی رہے۔ پھر حضرت عمر نے حضرت علی، اور عثمان اور زبیر اور طلحہ اور سعد اور عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہم) کے نام ذکر کیے۔"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری:

"عن جابر قال قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم من يأتيني بخبر القوم يوم الأحزاب قال الزبير انا فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان لكل نبي حواريا وحواري الزبير۔"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ، ص ۵۶۵)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا: کون ہے کی خبر لائے؟ حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں (خبر لاؤں گا) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بیشک ہر نبی کے حواری (خصوصی مددگار) ہوتے ہیں، اور میرا حواری زبیر ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کے متعلق فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان:

"وعن الزبیر قال قال رسول الله ﷺ من یأتی بنی قریظة فیأتینی بخبرهم فانطلقت فلما رجعت جمع لی رسول الله ﷺ ابویه فقال فداك أبی وأمی۔
(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ، ص ۵۶۵)

"حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو بنی قریظہ کے پاس جائے اور ان کی خبر میرے پاس لائے؟ تو میں چلا، جب میں واپس لوٹا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کیا یعنی یہ کہا میرے ماں باپ تم پر قربان۔"

اعتراض:

دوسری حدیث اس کے مخالف نظر آتی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرمایا میرے باپ تم پر قربان، آیئے! حدیث پاک دیکھئے:

"عن علی قال ما سمعت النبی ﷺ جمع أبویه لأحد الالسعد بن مالك فانی سمعته یقول یوم أحد یا سعد أرم فداك أبی وأمی"۔
(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ، ص ۵۶۵)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ نے کسی ایک کیلئے ماں باپ کو جمع کیا ہو، سوائے سعد بن مالک کے۔ بیشک میں نے غزوہ احد کے دن آپ کو فرماتے ہوئے سنا: اے سعد! تیر چلاؤ میرے باپ و ماں تم پر قربان۔"

پہلا جواب:

"قیل الجمع بینه وبین خبر الزبیر ان علیا لم یطالع علی ذلك"۔

(مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج ۱۱)

"اس کا جواب یہ دیا گیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس روایت اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت وخبر پر مطلع نہیں ہوئے جس کی وجہ سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا، جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔"

دوسرا جواب:

"او اراد بذلك تقييده بيوم احد" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احد کے دن کا ذکر فرمایا کہ میں نے احد کے دن کسی ایک کیلئے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک کیلئے اپنے ماں باپ کو جمع کیا ہو سوائے سعد ابن مالک کے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کیلئے بنی قریظہ کی خبر لانے پر آپ نے اپنے ماں باپ کو قربان کیا۔ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہیں' اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں۔

تیسرا جواب:

والظاهر الا طلاق المقيد بنفي السماع بلا واسطة وهو لا ينافي انه اطلع على تفديه الزبير بواسطة الغير۔

(لمعات' شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

"ظاہر یہ ہے کہ آپ کا ارشاد سننے کی نفی پر محمول ہے کہ آپ نے بلاواسطہ براہ راست کسی اور کیلئے نہیں سنا' اس سے بالواسطہ (کسی اور واسطہ سے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کیلئے ماں باپ کے قربان کرنے کے سننے کی نفی نہیں ہو سکتی۔"

فائدہ:

حضرت سعد کے باپ کا نام مالک اور کنیت ابووقاص ہے۔ دوسری حدیث سے یہ واضح ہو رہا ہے۔

"عن سعد بن وقاص أني لأول العرب رمى بسهم في سبيل الله"
(بخاری' مسلم' مشکوۃ باب مناقب العشرۃ' ص ۵۶۵)

"سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک عرب میں سے میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلائے۔"

یعنی سب سے پہلے سریہ میں جس میں ساٹھ مہاجرین صحابہ کرام تھے' ان کے امیر عبید بن حارث رضی اللہ عنہ۔ اس سریہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ (ماخوذ از مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج ۱۱)

"عن عبد الرحمن ابن عوف ان النبی ﷺ قال ابو بکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة وطلحة فی الجنة والزبیر فی الجنة وعبد الرحمن بن عوف فی الجنة وسعد ابن أبی وقاص فی الجنة وسعید بن زید فی الجنة وابو عبیدة بن الجراح فی الجنة"۔

(رواہ الترمذی، ورواہ ابن ماجۃ عن سعید بن زید، مشکوہ باب مناقب العشرۃ، ص۵۶۶)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابو بکر جنت میں ہوں گے، اور عمر جنت میں ہوں گے، اور عثمان جنت میں ہوں گے اور علی جنت میں ہوں گے، اور طلحہ جنت میں ہوں گے اور زبیر جنت میں ہوں گے اور عبد الرحمٰن بن عوف جنت میں ہوں گے اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہوں گے اور سعید بن زید جنت میں ہوں گے اور ابو عبیدہ بن جراح جنت میں ہوں گے۔"

ابن ماجہ نے یہی روایت حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

احمقوں کی جنت میں بسنے والے ہوش میں آئیں:

نبی کریم ﷺ تو حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کو جنتی کہیں، اے ظالم! تو ان کو ظالم کہے، کیسی حماقت۔ آیئے! دیکھئے احمق لوگ یوں کہتے ہیں: یار بات کہنے کی نہیں چھوٹا منہ بڑی بات ہے اہل بیت کو سب نے ہی جی بھر کر ستایا برسوں کے رضی اللہ عنہ نے ایسی حرکتیں کہ توبہ بھلی۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر (عشرہ مبشرہ والے) اور جنگ جمل و صفین کے تمام وہ لوگ جو حضرت عائشہ یا معاویہ کے ساتھی تھے، سب ہی اہل بیت کی عداوت سے بھرپور تھے۔ سب نے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ (امیر معاویہ پر ایک نظر ۹۰)

یہ ہے گستاخان صحابہ کرام کی شان اہل بیت کا بیان، جن کو نبی کریم ﷺ جنتی کہیں، ان کو نام نہاد مبلغین شان اہل بیت بیان کرنے کی آڑ میں ظالم، وہی تو خود ظالم ہیں "لعنة الله علی الظالمین" کا مصداق یہی جاہل مبلغین ہیں۔

شانِ طلحہ وابن زبیر بروایت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) میں دیکھئے:

"وعن علی قال سمعت اذنی من فی رسول الله ﷺ یقول طلحة والزبیر جارای فی الجنة" (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ (مبارک) سے فرماتے ہوئے ہو سنا طلحہ اور زبیر کو جنت میں میرا کامل قرب حاصل ہوگا۔"

"قوله جارای فی الجنة وهو كناية عن كمال قربهماله"۔ (حاشیہ مشکوۃ) "جارای فی الجنة" کا اگرچہ ظاہری معنی یہ ہے کہ وہ دونوں جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے، لیکن کنایۃً (پوشیدہ مراد) تقریباً مجازی معنی یہ ہے کہ ان دونوں کو میرا کامل قرب حاصل ہوگا۔

"وعن جابر قال نظر رسول الله ﷺ الی طلحة بن عبید الله قال من أحب ان ینظر الی رجل یمشی علی وجه الارض وقد قضی نحبه فلینظر الی هذا وفی روایة من سره ان ینظر الی شهید یمشی علی وجه الارض فلینظر الی طلحة بن عبید الله"۔
(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہ کی طرف دیکھا تو فرمایا جس شخص کو پسند ہو کہ وہ اس شخص کو دیکھے جس نے اپنی نذر کو پورا کر دیا وہ اس شخص کو دیکھے، دوسری روایات میں ہے کہ جسے یہ پسند آئے کہ وہ زمین پر چلتے ہوئے شہید کو دیکھے تو وہ طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھے۔"

وضاحت حدیث:

"قال السیوطی فی مختصر النهایة النحب النذر کأنه الزم نفسه ان یصدق اعداء الله فی الحرب فوفی به"
(مرقاۃ ج۱۱ص۳۶۲)

"علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مختصر النہایۃ میں ذکر فرمایا ہے کہ "نحب" کا معنی ہے نذر ماننا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نذر مانی تھی کہ جب غزوہ ہوا تو کافروں کو پتہ چل جائے گا کہ میں ان سے کیسے مقابلہ کرتا ہوں تو آپ نے نذر کو پورا کر دیا۔"

"وجرح ببضع وثمانین جراحة" آپ کے جسم پر اسی سے زائد زخم آئے تھے۔
"حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فداء کر رہے تھے آپ خود فرماتے ہیں:

"عقرت یومئذ فی سائر جسدی حتی عقرت فی ذکری"۔ (مرقاۃ ج۱۱ص۳۶۳)

"کہ اس دن میرا تمام جسم زخمی ہو گیا تھا یہاں تک کہ میرا ذکر بھی زخمی ہو گیا تھا۔"

وأقول الروایة الثانیة یحتمل ان تکون ایماء الی حصول الشهادة فی مآله الدالة علی حسن خاتمته وکماله۔

"علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دوسری روایت سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ ان کو شہادت حاصل ہوئی ہے ان کا خاتمہ اچھا ہوگا ان کو کمال حاصل ہوگا۔"

"وقتل الزبیر بوادی السباع بقرب البصرة منصرفا تارکا للقتال وکذلك طلحة اعتزل الناس تارکا للقتال فأصابه سهم فقتله۔"
(مرقاۃ ج۱۱ص۳۵۸)

"حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے قریب وادیٔ سباع میں شہید کر دیا گیا، جب آپ (صلح کے بعد) لڑائی چھوڑ کر واپس لوٹ رہے تھے، اسی طرح حضرت طلحہ بھی لڑائی چھوڑ کر لوگوں سے جدا ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے اسی حال میں ان کو بھی ایک تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔"

فائدہ: مفکرِ اسلام مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ الازہری، بھیروی فرماتے ہیں:

"لم یزل رسول صلی اللہ علیہ وسلم شبرا واحدا بل وقف فی وجه العدو وهو یرمی عن قوسه او بحجر حتی تحاجزوا"
(الامتاع، علامہ مقریزی، ج اول ص ۱۲۱)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہیں ہوئے بلکہ دشمن کے سامنے کھڑے رہے اور اپنی کمان سے دشمن پر تیروں کی بارش کرتے رہے اور پتھر پھینکتے رہے یہاں تک کے دشمنوں کا منہ پھیر دیا۔"

ان حالات میں صحابہ کرام میں سے کون کون حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اس کے بارے میں علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

"وثبت معه خمسة عشر رجلا ثمانية من المهاجرين هم ابوبکر وعمر وعبد الرحمن بن عوف وعلی ابن ابی طالب وسعد ابن ابی وقاص وطلحة بن عبید الله وابوعبیدة بن جراح وزبیر بن العوام، ومن الانصار سبعة حباب بن المنذر وابودجانة وعاصم بن ثابت وحارث بن صمة واسید بن حضیر وسعد بن معاذ وسهل بن حنیف ولم یقتل منهم أحد۔"
(الامتاع ج ۱ ص ۱۲۱)

"اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پندرہ حضرات ثابت قدم رہے، جن میں آٹھ مہاجر تھے ان کے نام یہ ہیں: ابوبکر، عمر، عبد الرحمٰن بن عوف، علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ بن ابوعبیدہ جراح، زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہم) سات انصار تھے: حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمۃ، اسید بن حضیر، سعد بن معاذ، سہل بن حنیف (رضی اللہ عنہم) اور ان میں سے کوئی آدمی مقتول نہیں ہوا"۔

معلوم ہوا کہ یہ جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) بھی ہیں، اس نازک وقت میں اپنے آقا کے پاس موجود تھے۔
(منقول از ضیاء النبی ج ۳ ص ۵۶۷، ۵۶۸)

ان سب حضرات نے نذر مان رکھی تھی کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں

گے، خواہ ہمیں اپنی جان ہی قربان کیوں نہ کرنی پڑے۔ سب نے نذر پوری کر دی لیکن ان سب میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے جسم پر دشمن کے وار سے اسی سے زیادہ زخم ہونے کی وجہ سے نمایاں رہے، اور ان کی خصوصی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بھی احد کے دن کے جانثاران کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی تعریف کرتے ہیں:

"وكانت الصحابة رضى الله عنهم اذا ذكر يوم أحد قالوا ذاك يوم كان كله لطلحة۔"

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۶۳)

''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب احد کے دن کا ذکر کرتے تھے تو کہتے تھے یہ دن تو مکمل طلحہ کو ہی حاصل ہوا یعنی حضرت طلحہ نے اپنے جسم کو تیروں، تلواروں سے چھلنی کرا کے غزوہ احد کے عظیم ثواب کو حاصل کرلیا۔''

اعتراض:

تم کہتے ہو امیر معاویہ کاتب وحی تھے، حالانکہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

"وهو احد الذين كتبوا لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقيل لم يكتب له من الوحى شيئا انما كان يكتب له كتبه۔"

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۴۳۸)

''امیر معاویہ ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ امیر معاویہ نے وحی کی کتابت نہیں کی بلکہ خطوط انہوں نے لکھے، اس لئے ان کو کاتب وحی کہنا غلط ہے۔''

جواب:

راقم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ آپ کا کاتب وحی ہونا معتبر کتب سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض آپ کا کاتب وحی ہونا ثابت نہ ہو بلکہ کاتبِ خطوطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو جائے تو

کیا یہ کم مرتبہ ہے۔ اگر یہ بھی نہ ثابت ہو تو کیا صحابی رسول اللہ ﷺ ہونا کم مرتبہ ہے؟ لیکن بیہودہ اعتراض بار بار نظر آ رہا تھا تو خیال کیا کہ کچھ کتب کی ورق گردانی کر کے کچھ حوالہ جات جمع کر لئے جائیں تا کہ محبانِ صحابہ کرام کے کام آ سکیں، بغض رکھنے والوں کا تو سوائے موت کے کوئی علاج نہیں۔

{1} "والرابعة أنه كاتب رسول الله ﷺ وذكر الامام مفتى الحرمين احمد بن عبد الله بن محمد الطبرى فى خلاصة السير ان كتابه ﷺ ثلاثة عشر الخلفاء الأربعة وعامر بن فهيرة وعبد الله بن ارقم وابى بن كعب وثابت بن قيس بن شماس وخالد بن سعيد بن العاص وحنظلة بن الربيع الاسلمى وزيد بن ثابت ومعاوية بن أبى سفيان وشرحبيل بن حسنة وكان معاوية وزيد الزمهم لذلك واخصهم به" انتهى" وما قيل ان كتابة الوحى غير ثابت فمردود يقول الأمام احمد بن محمد القسطلانى فى شرح صحيح البخارى ولفظه معاوية بن أبى سفيان صخر ولد حرب كاتب الوحى لرسول الله ﷺ۔

"چوتھی وجہ فضیلت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ پائی جاتی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔ امام مفتی حرمین احمد بن عبد اللہ بن محمد طبری اپنی کتاب خلاصۃ السیر میں بیان کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ کے کاتب تیرہ تھے، چار خلفا راشدین (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم) اور عامر بن فہیرہ، اور عبد اللہ بن ارقم اور ابی بن کعب اور ثابت بن قیس بن شماس اور خالد بن سعید بن العاص اور حنظلہ بن ربیع الاسلمی اور زید بن ثابت اور معاویہ بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ۔ ان تمام میں سے معاویہ اور زید زیادہ باقاعدگی سے کتابت کے کام پر ہی مقرر تھے، اور ان تمام میں سے اس کام کیلئے ان دونوں کو ہی خاص کیا گیا تھا انتہی۔"

(الناھیۃ عن طعن امیر المومنین معاویۃ، علامہ عبدالعزیز احمد بن حامد پرہاروی ص ۱۶،۱۵)

اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کا کاتب وحی ہونا ثابت نہیں، یہ مردود

ہے۔اس لئے کہ امام احمد بن محمد قسطلانی شرح المتوفی ۹۲۳ھ صحیح بخاری میں ثابت کیا ہے کہ آپ کاتب وحی تھے۔علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے"معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔

{۲} ومعاوية بن ابى سفيان الخليفة صحابى اسلم قبل الفتح و كتب الوحى"۔ (تقريب التهذيب لحافظ ابن حجر عسقلانى المتوفى ۸۵۲ ج۲ ص ۵۹۲ ذكر معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما)

"معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ اور صحابی ہیں آپ نے فتح مکہ سے پہلے (حدیبیہ کے موقع پر) اسلام قبول کیا اور آپ نے وحی کی کتابت کی (یعنی آپ کاتب وحی تھے)۔"

{۳} "قال ابو نعيم كان معاوية من كتاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حسن الكتابة فصيحا حليما وقورا وقال المداينى كان زيد بن ثابت يكتب الوحى و كان معاوية يكتب للنبى صلی اللہ علیہ وسلم فيما بينه وبين العرب اى من وحى وغيره فهو أمين رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على وحى ربه وناهيك بهذه المرتبة الرفيعة"۔

"ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے آپ کا بہت خط خوبصورت تھا۔آپ فصیح بردبار اور باوقار شخصیت تھے۔مدائنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وحی لکھا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب کی طرف خطوط بھی لکھتے تھے اور وحی بھی لکھتے تھے۔اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کے رب تعالیٰ کی وحی لکھنے کے امین تھے' آپ کا یہ بلند مرتبہ تمہیں کافی ہے۔"

(تطہیر الجنان ص ۱۰ الحافظ احمد بن حجر الھیتمی المکی رحمہ اللہ المتوفی ۹۷۴ھ)

یقین کیجئے کہ جو امین ہو اسے اپنا منشی و کاتب رکھا جاتا ہے' خائن کو کبھی منشی و کاتب نہیں بنایا جاتا پھر خاص کر وحی کا کاتب تو یقیناً امانت دار ہی ہوتا تھا۔کسی کو یقین نہ آئے تو بے

یقینوں کو یقین دلانا تو ہمارے بس کی بات نہیں علامہ مدانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مسئلہ اس پر ختم کر دیا آپ کا یہ بلند مرتبہ ہمارے لئے کافی ہے کسی کو آپ کا بلند مرتبہ نہ سمجھ آئے تو راقم کیا کرے۔

﴿۴﴾ "معاویة صاحبه وصهره لأنه أنه اخو زوجته ام حبیبة بنت أبی سفیان أم المؤمنین و کاتبه لماثبت أحد کتابه صلی اللہ علیہ وسلم وأمینه علی وحیه لأنه بعد ان استکتبه کان یکتب ما ینزل علیه من الوحی ولو یستأ منه ما استکتبه الوحی۔

(نسیم الریاض، شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۹۹ھ ج ۳ ص ۴۳۰ ومن توقیرہ وبرہ وتوقیر اصحابہ)

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور آپ کے سسرالی رشتہ دار یعنی آپ کے سالے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت اُبی سفیان کے بھائی ہیں اور آپ کے کاتب تھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک کاتب ہیں، اور آپ کی وحی کے امین تھے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امین سمجھ کر ہی آپ سے وحی کی کتابت کرائی۔ اگر آپ امین نہ ہوتے تو آپ سے وحی کی کتابت نہ کرائی جاتی۔"

خیال رہے کہ علامہ ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تطہیر الجنان میں نسیم الریاض کا حوالہ دیا ہے۔ (راقم)

﴿۵﴾ (معاویة بن ابی سفیان) خال المؤمنین و کاتب وحی رب العالمین"۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج ۵۹ ص ۵۵ ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمنوں کے ماموں ہیں (کیونکہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں) اور رب العالمین کی وحی کے کاتب تھے۔"

﴿۶﴾ "معاویة ابن أبی سفیان خال المؤمنین و کاتب وحی رب العالمین۔"

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمنوں کے ماموں ہیں اور رب العالمین کی وحی کے کاتب ہیں۔"

ذرا آگے یوں بیان کیا:

"والمقصود ان معاویة کان یکتب الوحی لرسول الله ﷺ مع غیرہ من کتاب الوحی رضی الله عنهم"۔
(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰، ۲۱)

"مقصود یہ ہے کہ بیشک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی کتابت آپ کے دوسرے وحی کی کاتبوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔"

{۷} "والمقصود منه ان معاویة کان من جملة الکتاب بین یدی رسول الله ﷺ یکتبون الوحی"۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۹ ترجمہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

"مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ بیشک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کاتبوں میں سے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے وحی کی کتابت کرتے تھے۔"

{۸} "ان معاویة کان یکتب بین یدی رسول الله ﷺ رواہ الطبرانی واسناد حسن"۔

"بیشک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھتے تھے۔"

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۹۴ باب ماجاء معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

جہاں بھی سامنے لکھنے کا ذکر ہو رہا ہے اس سے مراد محققین علماء کرام نے وحی کی کتابت ہی لی ہے۔

{۹} "قال بعضهم کان معاویة وزید بن ثابت رضی الله عنهما ملازمین للکتابة بین یدی رسول الله ﷺ فی الوحی وغیرہ لاعمل لهما غیر ذلك"۔

"بعض اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے وحی اور غیر وحی کی کتابت کو لازم پکڑ رکھا تھا، ان دونوں حضرات کا اس کے بغیر اور کوئی کام نہیں تھا۔"

(سیرۃ حلبیہ، علی بن برہان الدین حلبی، ج ۲ ص ۴۴۷ باب ذکر المشاہیر من کتابہ ﷺ)

{۱۰} "کان زید بن ثابت من الزم الناس لذلك ثم تلاہ معاویة بعد الفتح فکانا

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کام (کتابت وحی) کیلئے دوسرے لوگوں کی

ملازمین للکتابة بین یدیہ ﷺ فی الوحی وغیر ذلك لاعمل لهما غیر ذلك"

(جوامع السیرۃ لحافظ ابن حزم اندلسی التوفی ۴۵۶ھ)

بنسبت زیادہ قائم رہے' پھر ان کے پیچھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فتح مکہ کے بعد ان سے مل گئے۔ یہ دونوں حضرات وحی اور غیر وحی کی کتابت کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس کے بغیر ان کا کوئی کام نہیں تھا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

سب سے بڑی فضیلت تو وہ ہے جو اللہ تعالی نے خود بیان فرمادی۔ اگر کوئی نہیں تسلیم کرے گا تو وہ حکم باری تعالی سے انحراف کرے گا کسی مؤمن کا تو کوئی نقصان نہیں' ارشاد باری تعالی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

(سورۃ احزاب ۶:۲۱)

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کے بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔" (کنز الایمان)

نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات ایمان والوں کی مائیں ہیں' اگر کوئی ماں کی گستاخی اس وجہ سے کرے کہ ان کا اختلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ نام نہاد سید اور نام نہاد محبّ اہل بیت۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض رکھے تو اس کے ایمان میں شک ہوسکتا ہے' بلکہ اس کے بے ایمان ہونے میں یقین ہوسکتا ہے۔

"عن أبی سلمة ان عائشة قالت قال رسول الله ﷺ یا عائش هذا جبریل یقرئك السلام قالت وعلیه السلام ورحمة الله قالت وهو یری مالا أری"۔

"حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل ہیں تم پر سلام کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: وعلیہ

السلام ورحمۃ اللہ" (اور اس پر بھی سلام ہو اور اللہ کی اس پر رحمت ہو)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تو اسے دیکھ رہے ہیں، میں اسے نہیں دیکھ رہی۔"

(بخاری ومسلم مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ)

وضاحت حدیث:

"یاعائش" منادی مرخم ہے۔ اصل میں "یاعائشۃ" ہے، (اے عائشہ) یقرئك السلام "اقراء سے لیا ہوا ہے" قرأعلیه السلام "اور" اقرأه" کا ایک ہی مطلب ہے" اولا یقال اقرأه الا اذا کان السلام مکتوبا" (قاموس)

اگرچہ زیادہ مشہور تو یہی ہے کہ "قرأعلیہ السلام" اور "اقرأہ" کا معنی یہ ہے کہ فلاں نے اس پر سلام پڑھا، یعنی سلام کہا، یا مراد یہ ہے کہ "اقرأہ" اس وقت کہا جاتا ہے جب سلام لکھ کر بھیجا جائے" واللہ اعلم بالصواب"

"(قالت) ای عائشة (وهو) ای النبی ﷺ یری مالاأری"

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ یعنی نبی کریم ﷺ تو جبریل کو دیکھ رہے ہیں لیکن میں اسے نہیں دیکھ رہی۔"

بعض شارحین نے "ھو" ضمیر کا مرجع جبریل بنایا۔ لیکن علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا:

" وابعد شارح حیث قال اویری جبریل ما لاأراہ"

"بعض شارحین کا یہ کہنا کہ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا کہ جبریل مجھے دیکھ رہا ہے، میں جبریل کو نہیں دیکھ رہی یہ معنی لینا بعید بات ہے۔"

فائدہ جلیلہ:

"واستنبط من هذا الحدیث فضل خدیجه علی عائشة لأنه ورد فی حقها

"اس حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ

ان جبریل اقرأها السلام من ربها وھھنا من جبریل نفسہ"۔

(ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ص ۴۰۲)

صدیقہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جبریل نے اللہ تعالی کا سلام پہنچایا کہ اللہ ان پر سلام بھیج رہا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جبریل نے اپنی طرف سے سلام دیا۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے حدیث کے لئے یہ الفاظ ہیں۔ "فاقرأ علیھا السلام من ربھا ومنی" حضرت خدیجہ کو سلام پہنچا دو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے۔

"عن عائشہ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أریتك فی المنام ثلاث لیال یجیء بك الملك فی سرقة من حریر فقال لی ھذہ امرأتك فكشفت عن وجھك الثوب فاذا انت ھی فقلت ان یكن ھذا من عند اللہ یمضہ"۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھے تین راتیں خواب میں دکھائی گئی تھی، فرشتہ تمہیں (تمہاری تصویر کو) ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لاتا رہا، مجھے اس نے بتایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے، میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا، تو تم ہی اس (تصویر) میں تھی۔ میں نے کہا: یہ فیصلہ اللہ تعالی کا ہے تو وہ اسے جاری فرما دے۔"

وضاحت حدیث:

"ان یكن ھذا من عند اللہ یمضہ" کے کئی مطالب بیان کئے گئے ہیں:

"احدھا المراد ان تكون الرؤیا علی وجھھا وظاھر لا تحتاج الی تعبیر وتفسیر یمضہ اللہ وینجزہ"۔

"ایک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ خواب ظاہر پر مبنی ہے، کوئی اس میں تاویل نہیں تو اللہ تعالی اسے جاری کردے اور پورا کردے۔"

"اِنْ" کا لفظ جو شک پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے، کہ شک خواب کے ظاہر پر مبنی یا

کہ مجاز اور تاویل کے احتمال میں ہے۔

"وثانیها ان المراد ان کانت هذه الزوجیة فی الدنیا یمضها الله فالشك انما زوجیة فی الدنیا أم فی الجنة"۔

''دوسرا مطلب یہ ہے کہ بیشک مراد یہ ہے اگر اسے دنیا میں میری زوجیت میں لانا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فیصلے کو جاری فرما دے۔ شک اس میں تھا کہ یہ میری زوجہ دنیا میں ہونی ہے یا جنت میں۔''

"وثالثها انه لم یشك ولکن أخبر علی التحقیق"۔

''تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کلام شک پر مبنی نہیں، بلکہ تحقیق پر مبنی ہے مقصد یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے میرے لئے یہ فیصلہ کر ہی دیا ہے تو اسے جاری فرما دے۔''

اگرچہ تیسرے معنی کو علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن پتہ نہیں کہ راقم کو یہی کیوں پسند آرہا ہے۔ (واللہ اعلم)

ہاں! اتنی بات تینوں مطلب میں یہ واضح ہے کہ یہ فیصلہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ جب رب تعالیٰ اپنے محبوب کیلئے نیک پاکدامن زوجہ کا انتخاب کر رہا ہے تو ان سے بغض رکھے تو تیری بدقسمتی، کوئی دوسرا تیری قسمت کو سنوارے تو کیسے سنوارے؟ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۴۰۳)

حضرت فاطمۃ الزہرا کو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنے کا حکم:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

"یا بنیه الاتحبین ما أحب قالت بلی قال فأحبی هذه"۔

''اے میری پیاری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟

(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ)

عرض کیا: کیوں نہیں یعنی آپ کی پسند کو میں پسند کرتی ہوں' تو آپ نے فرمایا: کہ تم اس سے (عائشہ سے) محبت رکھو۔"

واضح ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ محبت کرتے تھے' اور آپ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھی حکم دیا کہ تم بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھنا۔ کیا عجیب لوگوں کے دماغ ہیں کہ دعوی محبت رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کی محبوبہ سے بغض وعناد اور دعوی محبت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور ان کی محبوبہ ماں (یعنی ان کے باپ کی زوجہ) سے بغض رکھنا' کیا یہی شان اہل بیت ہے؟ ایسا شخص اہل بیت کی تعریف کرنے والا نہیں ہوسکتا' بلکہ اہل بیت کی تذلیل کررہا ہے' لوگ اسے محب اہل بیت سمجھ رہے ہیں۔

"عن ابی موسی قال ما اشتکل علینا اصحاب رسول الله ﷺ حدیث قط فسألنا عائشة الاوجدنا عندها منه علما"۔

(راوہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب، مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ)

"حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی حدیث، ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ پر مشکل نہیں ہوتی کہ ہم اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے مگر یہ کہ ہم اس کا علم ان کے پاس پاتے۔"

وضاحت حدیث:

یعنی اگر صحابہ پر کوئی حدیث مشتبہ ہوتی تو آپ وہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے تو آپ ان کو بتادیتیں۔ حدیث کی یا تو تاویل وتفسیر صحابہ کرام پر مشتبہ ہونے کی وجہ سے مشکل درپیش آتی یا کسی اہم مسئلہ میں کسی حدیث کا علم نہ ہوتا تو صحابہ کرام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے تو انہیں اس کا علم ہوتا تھا' وہ ان کو بتادیا کرتی تھیں۔ (ازمرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف:

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

(عائشة) "كانت فقيهة عالمة فصيحة فاضلة كثيرة الحديث عن رسول الله ﷺ عارفة بأيام العرب واشعارها روى عنها جماعة كثيرة من الصحابة و التابعين"۔
(مرقاۃ ج۱۱ ص۳۰۴)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فقیہہ اور عالمہ تھیں، آپ کو فصاحت کلام حاصل تھی، آپ بہت فضیلت رکھتی تھیں ۔ نبی کریم ﷺ کی کثیر احادیث کا علم رکھتی تھیں، عرب کی تاریخ کا آپ کو علم حاصل تھا، عرب کے اشعار کا علم آپ کو حاصل تھا، صحابہ کرام اور تابعین کی جماعت کثیرہ سے آپ نے احادیث روایت کی ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کب ہوئی:

"وماتت بالمدينة سنة سبع وخمسين وقيل سنة ثمان وخمسين ليلة الثلاثاء لسبع عشرة خلت من رمضان وأمرت ان تدفن ليلا فدفنت بالبقيع وصلى عليها ابوهريرة و كان يومئذ خليفة مروان على المدينة فى أيام معاوية"۔
(مرقاۃ ج۱۱ ص۳۰۴)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات ستاون سن ہجری یا بعض کے قول کے مطابق اٹھاون سن ہجری میں ہوئی ۔ منگل کی رات تھی، رمضان کے سترہ دن گذر چکے تھے، یعنی رمضان کی اٹھارویں رات تھی آپ نے حکم دیا تھا کہ مجھے رات کو دفن کیا جائے۔ آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہوئی ۔ اس وقت مدینہ طیبہ کا حاکم (گورنر) مروان تھا۔''

"عن موسى بن طلحة قال مارأيت أحدا أفصح من عائشة"۔

''حضرت موسی بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی ایک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا۔''

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح غریب، مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں:

"عن عائشة ان جبریل جاء بصورتها فی خرقة حریر خضراء الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال هذه زوجتك فی الدنیا والآخرة"۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بیشک جبریل ان کی (میری) تصویر ایک سبز ریشمی کپڑے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، اور کہا کہ یہ آپ کی زوجہ ہے دنیا میں اور آخرت میں۔"

فائدہ:

رب تعالی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اسی لئے بنایا کہ آپ زاہدہ، متقیہ، طیبہ و طاہرہ تھیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عائشہ اہل بیت کی مخالف ہو گئیں، اہل بیت کی مخالفت کی وجہ سے ظالمہ ہو گئیں، گنہگار ہو گئیں، قابل بخشش نہ رہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

ان بدحواسوں کیلئے لمحہ فکر یہ ہے کہ رب تعالی نے تو بواسطہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ یہ آپ کی آخرت میں بھی زوجہ ہوگی۔ کیا ظالمہ بھی آپ کی آخرت میں زوجہ ہو سکتی ہے؟ عقل تمہارا ساتھ کیوں چھوڑ گئی، بدحواس کیوں ہو گئے؟

"عن أبی موسی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ...... فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام"۔

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب بدء الخلق ص ۵۰۹)

"حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: عائشہ کو تمام عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو اور طعاموں پر فضیلت حاصل ہے۔"

تنبیہ:

حضرت خدیجہ، حضرت مریم، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن میں سے کسے

فضیلت حاصل ہے' علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ نقل کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سب پر فضیلت حاصل ہے' اور ایک قول یہ نقل کیا کہ حضرت مریم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو فضیلت حاصل ہے لیکن اپنا مختار یہ بیان کیا۔

"أقول التوقف فی حق الکل أولی اذلیس فی المسئلة دلیل قطعی والظنیات متعارضة غیر مفیدة للعقائد المبنیة علی الیقینیات"۔

(مرقاۃ ج ۱۱ص ۲۰۴)

"میں کہتا ہوں تمام مذکورہ عورتوں کے بارے میں توقف رکھنا زیادہ بہتر ہے' اس لئے کہ اس مسئلہ میں کوئی یقینی دلیل موجود نہیں' اور ظنی دلائل متعارض ہیں (ایک دوسرے کے خلاف ظنی دلیل ہیں) جو عقائد میں فائدہ نہیں دیتے کیونکہ عقائد کی دارومدار یقینی دلیلوں پر ہے۔"

چند اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض ۱:

ملعون یزید کے باپ بانی بغاوت امیر معاویہ نے کائنات کو یزید جیسا بیٹا عطاء کیا۔

جواب:

یہ اعتراض لغو اور باطل ہے۔ بالغ اولاد اپنے قول و فعل کی خود ذمہ دار ہوتی ہے بالغ بیٹے یا بیٹیوں کے کسی قول و فعل کا ذمہ دار ان کے والدین کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر یہ قانون تسلیم کر لیا جائے تو اس کی زد میں انبیاء کرام اور اہل بیت بھی آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

(سورۃ البقرہ ۱:۱۲۴)

"اللہ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ (ابراہیم نے) عرض کی: اور میری اولاد سے (رب نے) فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

ابراہیم علیہ السلام کو جب رب تعالی نے فرمایا کہ میں تمہیں امام بنانے والا ہوں یعنی تمہیں اعلان نبوت کی اجازت دینے والا ہوں' تو آپ نے عرض کی: کہ اے اللہ! میری اولاد کو بھی امام بنانا تو رب تعالی نے فرمایا:

(لاینال عهدی) بالامامة (الظالمین) الکافرین" (جلالین' ص۱۹' قدیمی کتب خانہ)

"امامت یعنی نبوت کا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا، ظالموں سے مراد کافر ہیں۔"

اور رب تعالی نے فرمایا:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝
(سورۃ صافات ۱۱۳:۳۷)

"اور برکت اتاری ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر اور ان کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا، اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا۔"

" والمحسن المؤمن والظالم الکافر"
(تفسیر مدارک' امام نسفی بحوالہ جلالین)

"محسن سے مراد مومن اور ظالم سے مراد کافر۔"

واضح ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں کوئی مومن ہیں' کوئی کافر ہیں۔ اگر فاسق اولاد سے باپ معاذ اللہ برا ہوتا ہے تو کیا کافر اولاد کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو برا کہہ کر اپنے ایمان کا جنازہ نکالے گا' کیسی عجیب عقل؟

حضرت آدم علیہ السلام کا صلبی بیٹا قابیل ہے' جس کے متعلق مفسرین کرام نے لکھا" وهو الشقی القاتل " وہ شقی قاتل تھا۔ کیا اس کی بدبختی کی زد آدم علیہ السلام پر آئے گی؟ ایسا عقیدہ کفر نہیں تو اور کیا؟ کنعان کے کافر ہونے میں تو کوئی شک نہیں' البتہ اس میں اختلاف پایا گیا ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ کا کسی اور خاوند سے بیٹا ہے (راقم اسی کا قائل ہے) یا وہ نوح علیہ السلام کا صلبی بیٹا ہے' کئی مفسرین کرام نے صلبی بیٹا کہا۔ جب یہ قول مان لیا جائے تو نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کی وجہ سے کیا آپ کی شان نبوت میں فرق آئے گا؟ نہیں ایسا نہیں۔ اسلئے

کہ بیٹا کافر ہو تو باپ نبی ہو اس میں کوئی مشکل نہیں۔ سادات میں جہاں متقی پارسا لوگ ہیں وہاں بھنگی، چرسی، شرابی، بے نماز بھی ہیں۔ کیا فاسق سادات کی وجہ سے حضرت امام حسن، امام حسین، حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی اعتراض ہو سکے گا؟ نہیں، نہیں! اولاد فاسق ہو تو آباء کی شان میں کوئی فرق لازم نہیں آئے گا۔

نتیجہ واضح ہوا:

یزید کے فسق و فجور سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی آپ کی صحابیت میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، صحابہ کے متعلق جنت کا رب تعالی نے وعدہ کر رکھا ہے، تو مان یا نہ مان، سچا ہے فرمانِ رحمان، جس پر شاہد ہے قرآن، صحابہ کے جو ہیں گستاخان وہی تو ہیں دوزخیاں، اس میں نہیں کوئی شک اور نہ ہی گمان۔

اعتراض ۲:

بانی بغاوت معاویہ کے باپ جدی دشمن اسلام ابوسفیان نے پیغمبر سے نو جنگ کئے تو پھر تم ابوسفیان اور معاویہ کی شان کیوں بیان کرتے ہو، وہ تو قابل مذمت ہیں۔ (معاذ اللہ)

جواب:

حضرت ابوسفیان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں اور ان کا خاتمہ صحابیت پر ہوا رضی اللہ عنہما، رضی اللہ عنہما، رضی اللہ عنہما۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے کئی صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اسلام کے دشمن تھے۔ اسلام سے جب کفر و شرک مٹ جاتا ہے تو اور کسی جرم کی کیا حیثیت ہے، آ! ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سن۔ اگر پہلے تیرا اس حدیث پر ایمان نہیں تو اب ضد چھوڑ کر ایمان لے آ!

"عن عمرو بن العاص قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ابسط یمینك فلأ بایعك فبسط یمینه فقبضت یدی فقال مالك یا

"حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا: آپ اپنا دائیاں ہاتھ

عمرو قلت اردت ان اشترط قال تشترط ماذا ؟ قلت ان یغفرلی قال اماعلمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبله وان الھجرة تھدم ما کان قبلھا وان الحج یھدم ما کان قبله"۔

(رواہ مسلم، مشکوۃ کتاب الایمان، ص ۱۴)

بڑھائیں تا کہ میں آپ سے بیعت کروں 'آپ نے اپنا دائیاں ہاتھ بڑھایا' تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا آپ نے فرمایا: اے عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میں نے ارادہ کیا کہ شرط منوالوں ۔ آپ نے فرمایا: تمہاری شرط کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ کہ میری مغفرت ہو جائے ۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے' بیشک ہجرت اور حج پہلے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

تنبیہ:

"ان الاسلام یھدم ما کان قبله مطلقا مظلمة کانت أوغیر ھا صغیرة' واما الھجرة والحج فأنھما لا یکفر ان المظالم ولا یقطع فیھما بغفران الکبائر التی بین العبد ومولاہ فیحمل الحدیث علی ھدمھما الصغائر المتقدمة۔ (حاشیہ مشکوۃ)

" بیشک اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے مطلقاً خواہ وہ بڑے مظالم ہوں یا چھوٹے گناہ ہوں یعنی اسلام سے اس کا کفر وشرک اور ہر گناہ کبیرہ مٹ جاتا ہے' اسلام لانے سے پہلے اس کی مسلمانوں کے خلاف جنگیں' اسلام کی دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی سب ہی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے مٹ گئیں۔

تو ابھی تک اسلام لانے کے پہلے واقعات کو اچھال کر صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کررہا ہے۔اے گستاخ صحابہ! تیری بات مانوں' یا رسول اللہ ﷺ کی بات مانوں۔ ہاں!ہاں! میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو ہی مان سکتا ہوں' تیری بات کو مان کر میں شیطان کا پجاری نہیں بن سکتا۔

لیکن ہجرت اور حج یہ بڑے مظالم' کبیرہ گناہوں کو نہیں مٹاتے۔ بندے اور اس کے مولی کے درمیان بڑے گناہوں کو مٹانے میں ان دونوں یعنی حج اور ہجرت کے متعلق کوئی قطعی دلیل نہیں پائی گئی' لہذا ان دونوں سے چھوٹے گناہوں کے معاف ہونے پر حدیث پاک کو محمول کیا جائے گا۔

اسلام لانے کے بعد تمام صحابہ کرام خلوص دل سے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے ہوئے بلکہ دوسروں سے محبت وبغض بھی اللہ کیلئے پائے گئے۔ کسی کو مال عطا کرنے یا نہ کرنے میں بھی اللہ تعالی کی رضا کو مدنظر رکھا۔ یقیناً صحابہ کرام کا ایمان کامل تھا' ان کے ایمان لانے کے بعد ان کے کفر یہ دور کی مثالیں دینا کافروں کا انداز ہے' یا کفر ہے۔ آیئے! صحابہ کرام کے ایمان کامل کو حدیث پاک سے سمجھئے:

"وعن أبی أمامة قال قال رسول الله ﷺ من أحب لله وابغض لله واعطی لله ومنع لله فقد استکمل الایمان۔"

(رواہ ابوداؤد' مشکوۃ کتاب الایمان' ص ۱۴)

"حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی رضا کیلئے (کسی سے) محبت رکھی اور اللہ کی رضا کیلئے کسی کو (مال وغیرہ) عطا کیا اور اللہ کی رضاء کیلئے کسی کو نہ عطا کیا تو تحقیق اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔"

جب سب اوصاف صحابہ کرام میں پائے گئے تو ان کے کامل ایمان کی گواہی رسول اللہ ﷺ نے دے دی۔ اب تیرے شور مچانے سے تیرے منہ پر ہی طمانچہ لگے گا' ہوش میں آ! ایمان کو برباد نہ کر۔

تنبیہ: جہاں تک اس اعتراض میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے "باغی بغاوت" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں' ان کا راقم تفصیلی طور پر جواب دے چکا ہے کہ بغیر وضاحت کے کوئی باغی ہی کسی صحابی رسول اللہ ﷺ کو باغی کہہ سکتا ہے کوئی سچا اور پکا مومن تو صحابی کو باغی

نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ہم تو باغی اسے کہتے ہیں جو بادشاہ حق کی حکومت طلب کرنے کیلئے مخالفت کررہا ہو، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت حکومت کیلئے نہیں کی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص طلب کرنے کیلئے مخالفت کی وہ بھی اجتہاد کی وجہ سے اگرچہ آپ کے اجتہاد میں خطاء تھی لیکن آپ کو اجتہادی خطاء پر بھی ثواب حاصل تھا کوئی گناہ حاصل نہیں تھا۔

اس اجتہادی خطا کی کوئی تفصیل بیان کرنے کے بعد بغاوت کہے کہ بغاوت بمعنی اجتہادی خطا کے ہے' تو اس کا قول درست ہوگا بغیر تفصیل بیان کرنے کے صحابہ کو باغی کہنے والا خود باغی ہے جیسے اللہ تعالی کو مکار کہنے والا بغیر وضاحت کے خود مکار ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رب تعالی خفیہ تدبیر کرتا ہے اس نے خفیہ تدبیر کو مکر سے تعبیر کیا، تو اس شخص نے صحیح کہا ہے۔ اگر بغیر وضاحت کے کہے "رب مکر کرتا ہے" تو اس نے اردو محاورہ کے مطابق رب تعالی کی شان میں گستاخانہ لفظ ذکر کیا۔

یوں ہی اگر کوئی وضاحت بیان کرتے ہوئے کہے کہ "رب تعالی دھوکہ کی سزا دیتا ہے" اسلئے اپنی طرف اس نے "خدع" کو منسوب کرتے ہوئے فرمایا "وھو خادعھم" تو یہ شخص تو صحیح بات کررہا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ "رب تعالی دھوکہ کرتا ہے" تو وہ شخص رب تعالی کی شان میں گستاخی کر کے خود دھوکہ بازی کررہا ہے۔ کاش! کہ جہلا کو دین سمجھ آئے۔

حضرت ابوسفیان کو برا کہنے والو! کیا حضرت خالد بن ولید کو بھی برا کہو گے؟

آیئے' دیکھئے! خالد بن ولید اسلام لانے سے پہلے اسلام کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا شدید مخالف نہیں تھے؟ کیا اسلام سے پہلے کی مخالفت کو اسلام کے بعد خالد بن ولید کی طرف منسوب کر کے اپنے ایمان کو تم برباد کرو گے؟ اسے عقل کہا جائے یا حماقت۔

نمازِ خوف پڑھنے کا حکم قرآنِ پاک کی آیہ کریمہ میں دیکھو:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ "اور اے محبوب! جب تم ان میں تشریف

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

(سورۃ النساء۵:۱۰۲)

فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ (بارش) کے ذریعے تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو اور اپنی پناہ لئے رہو بیشک اللہ نے کافروں کیلئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

آیئے! اس آیہ کریمہ کا شان نزول دیکھئے:

"روی عن ابی عیاش المرزوقی وفی سبب نزول هذه الآية قال كنا مع رسول الله ﷺ بعسفان وعلى المشركين خالدبن وليد فصلينا الظهر فقال المشركون لقد اصبنا غرة وفى رواية غفلة ولو حملنا عليهم وهم فى الصلوة فنزلت

"ابو عیاش مرزوقی فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ عسفان میں تھے مشرکوں کے قائد اور ان کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے۔ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم غافل رہے کاش کہ

الاٰیة بین الظهرو العصر"۔

(خازن، علامہ علی بن محمد بغدادی، ج ۱، ص ۵۸۷، ۵۸۸، مطبوعہ دار الفکر)

ہم مسلمانوں پر حملہ کر دیتے جبکہ یہ نماز ادا کر رہے تھے، (یعنی ان کو مکمل ختم کر لیتے) تو آیۂ کریمہ ظہر اور عصر کے درمیان نازل ہو گئی، جس میں یہ حکم دے دیا گیا کہ دو گروہ بنا لیں ایک کو آدمی نماز پڑھائیں، دوسرے دشمن کے سامنے کھڑے رہیں، پھر وہ آ کر آپ کے ساتھ نماز ادا کریں اور یہ پہلے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔"

خیال رہے کہ بعض روایات میں صراحۃً ذکر ہے کہ خالد بن ولید نے کہا کہ اچھا آنے والی نماز (یعنی نماز عصر) ان کو بہت زیادہ پسند ہے اور اس کی یہ زیادہ پابندی کرتے ہیں اس میں حملہ کر کے ان کو ختم کر دیں گے۔ خالد بن ولید حالت کفر میں اسلام کا اور مسلمانوں کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید مخالف تھا۔

اسلام لانے کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ:

"سماه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سیف الله"

(اکمال فی اسماء الرجال)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا سیف اللہ نام رکھا یعنی خالد بن ولید اللہ کی تلوار ہے۔"

اسلام لانے کے بعد جنگوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارنامے مشہور و معروف ہیں۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کفریہ حالت کی اسلام دشمنی کو ذکر نہیں کیا جاتا اور اسے ذکر کرنا بھی درست نہیں تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اپنے بغض کے تیروں کا نشانہ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ ایک خالد بن ولید تو نہیں سینکڑوں صحابہ کرام اسلام لانے سے پہلے اسلام کے شدید دشمن تھے، سینکڑوں صحابہ کرام پہلے منافق رہے، پھر خلوص دل سے اسلام کے شیدائی بن گئے۔ لہذا مذکور اعتراض سوائے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھنے کے اور کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

اعتراض:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے باپ نے بدر اور احد میں جنگ کی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا، تو معاویہ اور ابوسفیان کی شان بیان کرنا کیسے صحیح ہے؟ یہ تو بڑے مجرم ہیں۔

جواب:

ابھی اعتراض دوم کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ کفر کی حالت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کو اسلام لانے اور شرف صحابیت حاصل کرنے کے بعد وجہ اعتراض بنانا حماقت ہے۔ اسلام سے تو سب گناہ مٹ گئے، اسلام کے بعد اگر کوئی اسلام سے پہلے جرائم کی وجہ سے الزام لگاتا ہے تو وہ در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الاسلام یھدم ما قبلہ" (اسلام پہلے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) سے انحراف ہے۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے کفر کے دور کی جنگوں کی وجہ سے مورد الزام ٹھہرانا دوسری حماقت ہے۔

یہ اعتراض سراسر جہالت پر مبنی ہے، بدر کی جنگ رب تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شروع ہوئی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ابوسفیان اس تجارتی قافلہ کا قائد تھا، جو شام کے علاقہ میں تجارت کی غرض سے قافلہ گیا تھا۔ کافروں نے طے یہ کیا تھا کہ اس تجارت میں جو نفع ہوگا وہ مسلمانوں کے خلاف خرچ کیا جائے گا۔ رب تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قافلہ کو روک لیا جائے، ان سے مال لے لیا جائے، اللہ تعالیٰ "عالم الغیب والشھادۃ" ہے جب اسے معلوم تھا کہ قافلہ تو ساحلی علاقہ سے گزر جائے گا اور وہ بڑی جنگ کا سبب بنے گا، تو یہ جنگ کس کی جانب سے شروع ہوئی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کافروں کی جنگ کا بڑا محرک ابوجہل تھا، ابوسفیان تو منع کر رہا تھا کہ ہمارا قافلہ جب صحیح سلامت واپس آ گیا ہے، تو جنگ کرنے کا کیا فائدہ؟ لیکن ابوجہل کو موت بدر میں بلا رہی تھی، اس نے کسی کی بات کو نہ مانا۔

بڑا لشکر تیار کر کے اسلحہ سے لیس بدر میں لے آیا اور بدر میں ہی ابوجہل قتل ہو گیا۔
احد کی جنگ کی تیاری اگرچہ کافروں کی طرف سے تھی، کافروں نے ہی حملہ کرنے کی غرض سے اپنے لشکر کو لایا لیکن صحابہ کرام کے زخمی ہونے اور شہید ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے دانت مبارک کے شہید ہونے کی دو وجہ تھیں:

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں مدینہ طیبہ میں ہی رہتے ہوئے دفاعی جنگ کرنی چاہئے لیکن صحابہ کرام میں بعض جوشیلے حضرات نے جذبہ جہاد کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے باہر جنگ کرنے کو ترجیح دی ایک یہ اجتہادی خطا سبب تھی۔

دوسری اجتہادی خطا یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے پہاڑ کے جس درہ میں پچاس صحابہ کرام کو کھڑا کیا تھا کہ تم نے یہاں سے ہٹنا نہیں، وہ حضرات احد کی جنگ کے فتح ہونے پر مال غنیمت جمع کرنے کی غرض سے درہ چھوڑ آئے، جس کی وجہ سے، کافروں نے حملہ کر دیا۔

بلکہ تیسری عظیم وجہ یہ تھی کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کے مشورہ پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج قیدیوں کو چھوڑیں گے تو پھر آنے والی جنگ میں اتنے ہی مسلمانوں کو شہید ہونا پڑے گا، صحابہ کرام نے شوق شہادت کی وجہ سے اسے قبول کیا تھا۔

اصل اس اعتراض کا جواب یہی ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی اسلام دشمنی کو اسلام لانے کے بعد مورِد الزام ٹھہرانا سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں۔

عکرمہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد:

"کان عکرمة شدید العداوة لرسول الله ﷺ فی الجاهلیة هو وأبوه، وکان فارسا مشهورا هرب حین الفتح فلحق بالیمن لحقت به امرأته أم حکیم بنت الحارث بن هاشم فاتت به النبی ﷺ فلما رآه قال

"عکرمہ اور اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ عداوت (دشمنی) رکھتے تھے، عکرمہ مشہور شاہسوار تھا فتح مکہ کے موقع پر یہ بھاگ کر چلا گیا اور یمن میں پہنچ گیا۔ اس کی زوجہ ام حکیم بنت

مرحبا بالراكب المهاجر فأسلم وذلك سنة ثمان بعد الفتح وحسن اسلامه وقال ﷺ لاصحابه ان عكرمة يأتيكم فلذا رأيتموه فلا تسبوا أباه فان سب الميت يؤذی الحی ولما اسلم عكرمة شكى قولهم عكرمة ابن أبى جهل فنهاهم رسول الله ﷺ ان يقولوا عكرمة بن أبى جهل وقال لا تؤذوا الأحياء بسبب الأموات"۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج۳، ص۱۴۸، ۱۴۹علی حاشیۃ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

حارث (جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور نبی کریم ﷺ سے عکرمہ کیلئے امن (پناہ) کا مطالبہ کیا جسے منظور کرلیا گیا) اسے ملی، اور اسے نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عکرمہ کو دیکھا تو فرمایا "مہاجر سوار کا آنا بہت اچھا" تو عکرمہ نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کا اسلام قبول کرنا فتح مکہ کے بعد سن ۸ھ میں پایا گیا۔ انہوں نے خلوص دل سے اچھے طریقہ سے اسلام لایا، اور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ (کرام) کو فرمایا جب عکرمہ تمہارے پاس آئے اور تم اُسے دیکھو تو اس کے باپ کو گالیاں نہ دو، کیونکہ مردہ کو گالیاں دینے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی شکایت کی کہ وہ مجھے "ابوجہل کا بیٹا عکرمہ" کہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم "عکرمہ بن ابی جہل" نہ کہا کرو، مردہ (کے کفر وعداوت) کی وجہ سے زندہ کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔"

آؤ! سمجھنے کی کوشش کرو:

چند چیزوں کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے:

① عکرمہ حالت کفر میں رسول ﷺ کا شدید دشمن تھا۔ اپنے باپ ابوجہل سے عداوتِ

رسول اللہ ﷺ سے کم نہ تھا۔

۲ فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے جن چند اسلام کے دشمنوں کو "جہاں ملیں" قتل کرنے دینے کا حکم نافذ کیا ان میں "عکرمہ" بھی تھا۔

۳ جب عکرمہ کی زوجہ نے اسلام قبول کر لیا تو عکرمہ کیلئے رسول اللہ ﷺ سے پناہ طلب کی، تو آپ نے یہ نہیں فرمایا: وہ تو میرا شدید دشمن ہے اسے میں پناہ نہیں دیتا بلکہ آپ نے اپنے خصوصی وصف رحمۃ اللعلمین کی وجہ سے اسے پناہ دے دی۔

۴ عکرمہ ڈر کے مارے مکہ سے بھاگ کر یمن کے علاقہ میں چلا گیا لیکن جب وہ اپنی زوجہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ ابھی اسلام قبول نہیں کیا' اسلام قبول کرنے کا ارادہ ہے' دل کے ارادہ پر نبی کریم ﷺ مطلع تھے۔ ان کے آنے پر ہی آپ نے ان کو عزت عطاء فرمائی' یہ نہیں کہا: اے بھاگنے والے! اب تو آ گیا ہے' بلکہ بہت عزت والے الفاظ گرامی سے یوں فرمایا "مرحبا بالراکب المھاجر" اے ہجرت کرنے والے سوار! مرحبا (تمہارا آنا بہت ہی اچھا ہے) کیسے پیارے انداز سے فرمایا؟ اے مکہ سے یمن کی طرف ہجرت کرنے والے!

۵ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی فرما دیا کہ اس کے باپ کو گالی نہ دینا یعنی اس کے باپ کے حق میں سخت کلامی نہ کرنا' کافر نہ کہنا تا کہ عکرمہ (رضی اللہ عنہ) کو تکلیف نہ ہو۔ کون نہیں جانتا کہ ابو جہل کافر تھا' کفر پر ہی مرا' لیکن جب بیٹے نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے اسلام کی وجہ سے اسے ایذاء (تکلیف) سے بچانے کیلئے ابو جہل کی مذمت کرنے سے بھی صحابہ کرام کو روک دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے باپ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا' وہ بھاگ کر بھی کہیں نہیں گئے۔ کیا یہ عقل کی بات ہے کہ مسلمان اور صحابی رسول اللہ ﷺ کے باپ صحابی رسول اللہ ﷺ کی

زمانہ جہالت کی عداوت اور جنگوں کا ذکر کر کے صحابی باپ اور صحابی بیٹے کی شان میں گستاخی نہیں تو اور کیا ہے؟

6. صحابہ کرام نے "عکرمہ بن ابی جہل" کہنا شروع کیا تو اس کی وجہ سے بھی جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوئی کہ مجھے صرف عکرمہ کہا جائے، ابو جہل کا بیٹا نہ کہا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو "عکرمہ بن ابی جہل" کہنے سے بھی روک دیا تا کہ عکرمہ کو ذہنی تکلیف نہ ہو۔

کاش! کسی کو مقام صحابہ کرام سمجھ میں آئے۔ کاش! کہ کسی کو احادیث نبویہ کا علم حاصل ہو جائے۔ کاش! کہ کوئی مسلمان ہو جو ارشادات مصطفویہ کو دل و جان سے مانے تو وہ کبھی صحابہ کرام کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا، وہ کبھی صحابہ کرام کے زمانہ جاہلیت کے افعال واقوال کو طنز کا ذریعہ نہیں بنا سکتا لیکن علم اور ایمان اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت صحابہ کرام کے بغیر یہ مسائل سمجھ میں آ نہیں سکتے، وہ بغض صحابہ کرام سے ایمان سے دور ہی رہے گا۔

اعتراض ۳:

یزید کے باپ معاویہ کی ماں نے رسولِ خدا کے محترم چچا امیر حمزہ کا بعدِ شہادت کلیجہ چبایا، پھر تم کبھی معاویہ کی تعریف کر رہے ہو۔ کبھی اسکے باپ کی اور کبھی اس کی ماں کی تعریف کر رہے ہو، یہ خاندان تو کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں۔

مختصر جواب:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا اس وقت وہ کافرہ تھی۔ نام اس کا "ہند" ہے، بدر میں اس کے باپ عتبہ کو قتل کر دیا گیا تھا جس کا وہ انتقام لے رہی تھی، بلکہ احد کی جنگ کیلئے کافروں کو ابھارنے والی بھی یہی تھی لیکن ہند نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے خاوند ابو سفیان کے بعد اسلام قبول کر لیا، جو پہلے کافرہ تھی اسلام لانے کے بعد وہ مسلمہ ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ بن گئیں۔

حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد ان پر اعتراض کرنا صحابیہ کی شان میں گستاخی اور یزید کا باپ معاویہ کہنا بھی جرم عظیم۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ابوجہل کا بیٹا کہنے سے منع کیا حالانکہ وہ ابوجہل کے ہی بیٹے تھے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سچے اور پکے مسلمان اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کے فاسق وفاجر بیٹے کی طرف ان کی نسبت کرنا وہ اگرچہ یزید کے باپ ہیں لیکن بطور طنز انہیں ''یزید کا باپ کہنا'' ان کی شان میں گستاخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے انحراف ہے۔

تفصیلی جواب:

احد میں ہند نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو میرے باپ کے قاتل حمزہ کو قتل کرے گا میں اپنے گلے کا ہار جو سونے اور جواہر سے بنا ہوا ہے اسے دے دوں گی۔ ''وحشی'' نامی ایک شخص چھپ کر راستے میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب قتال سے واپس ہو رہے تھے اس نے آپ پر اچانک حملہ کر دیا' نیزہ کا وار ایسا تھا کہ آپ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ کا قاتل بھی کافر تھا آپ کے ظاہری اعضاء کو بھی کاٹا گیا' یہ سلوک کافروں کا تھا اور ہند نے آپ کا کلیجہ بھی چبایا۔ اس کے بعد وحشی بھی مسلمان ہو گئے' ابوسفیان بھی مسلمان ہو گئے' ہند بھی مسلمان ہو گئی (رضی اللہ عنہم)۔

وحشی کا اسلام لانا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

''تم فرماؤ! اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے' بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔'' (کنزالایمان)

شان نزول:

"سبب نزولها ماروى عن ابن عباس انه

''مذکورہ بالا آیۃ کریمہ کا شان نزول حضرت

قال بعث رسول الله ﷺ الی وحشی قاتل حمزة یدعوه الی الاسلام فارسل الیه کیف تدعونی الی دینك وانت تزعم انه من قتل او أشرك أوزنی یلق أثاما یضاعف له العذاب وانا فعلت ذلك کله فانزل الله الا من تاب وآمن وعمل صالحا فقال وحشی هذا شرط شدید لعلی لا أقدر علیه فهل غیر ذلك فانزل الله ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء قال وحشی ارانی بعد فی شبهة ایغفر أم لا فانزل الله قل یا عبادی الذین أسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم ○ فقال وحشی نعم الا لأری شرطا فأسلم فمعنی قوله ان الله یغفر الذنوب جمیعا ای بالتوبة اذا تاب وصحت توبته فمحت ذنوبه ومن مات قبل ان یتوب فهو موکول الی مشیئة الله تعالی فیه فان شاء غفرله وعفا عنه وان شاء عذبه بقدر ذنوبه ثم یدخله الجنة بفضله ورحمته فالتوبة واجبة علی کل واحد وخوف العقاب قائم فلعل الله یغفر

ابن عباس کی روایت سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دعوت اسلام کا پیغام بھیجا' اس نے آپ کی طرف خط لکھ کر بھیجا کہ آپ مجھے اپنے دین کی طرف کس طرح بلاتے ہیں' جب آپ کے قرآن کا فیصلہ یہ ہے (ترجمہ) (اللہ کے نیک بندے) وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا بڑھایا جائے گا اس پر عذاب۔ وحشی نے کہا تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ جو شرک کرے، ناحق قتل کرے اور بدکاری کرے اسے عذاب دیا جائے گا' حالانکہ میں نے تو یہ سارے جرم کئے ہیں۔ میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ جب میں نے عذاب میں مبتلاء ہونا ہے اور عذاب مجھے زیادہ دیا جانا ہے اور میں نے عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے' تو اللہ تعالی نے (مستثنیٰ کا حکم) نازل فرمادیا۔ (ترجمہ) مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل

مطلقا ولعله یعذب ثم یغفر بعد ذلك۔"

(تفسیر جمل وحاشیہ جلالین، ص ۳۸۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وحشی نے کہا یہ شرط بھی بڑی شدید ہے کیونکہ ہوسکتا ہے میں نیک عمل کرنے کی طاقت نہ رکھوں کیا کوئی اور حکم بھی ہے، تو اللہ تعالی نے یہ آیۃ کریمہ نازل فرمائی۔ (ترجمہ) بیشک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دیتا ہے اس کے سوا جسے چاہے۔ وحشی نے کہا ابھی تک میرا شبہ زائل نہیں ہوا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی میری مغفرت نہ فرمائے تو آیۃ کریمہ "قل یا عبادی ...... نازل ہوئی، (آیۃ کریمہ بمع ترجمہ کے پہلے ذکر کی جا چکی ہے) تو وحشی نے کہا کہ اب مجھے کسی شرط کی ضرورت نہیں انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ سچے، پکے مسلمان اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن گئے۔"

(حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلیمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے حالت کفر میں مسلمانوں کے عظیم شخص حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا جو جرم کیا تھا، اب اسلام لانے کے بعد جھوٹے مدعی نبوت کو قتل کر کے اس کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔)

تنبیہ : جب انسان سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جو شخص توبہ کے بغیر فوت ہو جاتا ہے اس کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد ہوتا ہے اگر اپنے فضل سے بخش دے تو اسکی مشیّت (مرضی) ہے، چاہے تو عذاب دے لیکن شرک کو اللہ

تعالی بغیر توبہ کے معاف نہیں فرماتا۔

ہاں! اگر شرک سے توبہ کر کے ایمان قبول کر لے تو اس کے تمام گناہ مغاف فرما دیتا ہے۔ جلالین میں یوں ذکر کیا گیا: (ان الله یغفر الذنوب جمیعا) "لمن تاب من الشرك" "اور کمالین میں ذکر کیا گیا "لمن تاب من الشرك بالاسلام"۔

مطلب واضح ہو گیا کہ جو شرک سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لے اللہ تعالی اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالی جن جرموں اور گناہوں کو معاف کرنے کا اعلان فرما رہا ہے، تو ان گناہوں کو لے کر جو "حالت کفر" کے ہیں، صحابہ کرام پر الزام لگانا، دانشمندی نہیں۔ ہاں! ہاں! وہی بات مانیں گے جو رب تعالی نے فرمائی اور جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی کے مطابق کی دلیل مانی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے تو یہ نہیں فرمایا: اے وحشی! تو میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے تو اسلام قبول کر لے تب بھی تجھے قتلِ حمزہ رضی اللہ عنہ کا طعنہ دیا جائے گا۔ نہیں! نہیں! بلکہ آپ نے تو خود وحشی کو دعوت اسلام دی کفر کے سب جرائم اسلام سے معاف کر دینے کا اعلان فرما دیا۔

"هند بنت عتبه بن ربیعه بن عبد الشمس بن عبد مناف القرشية امراة ابی سفیان بن حرب وهی أم معاوية اسلمت فی الفتح بعد اسلام زوجها أبی سفیان وأقرها رسول الله ﷺ علی نکاحها کان بیعتهما فی الاسلام لیلة واحدة وکانت امرأة لها نفس ألفة ورأی وعقل ...... ان هندا اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامها فلمابایع

"حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا جو قرشیہ ہیں عبد مناف تک رسول اللہ ﷺ سے نسب مل جاتا ہے، وہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے خاوند حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پہلے نکاح کو ہی برقرار رکھا، دونوں (میاں، بیوی) نے

رسول الله ﷺ النساء، فی البیعة ولا تسرقن ولا تزنین قالت هند وهل تزانی الحرة وتسرق فلما قال ولا یقتلن اولادھن قالت ربینا ھم صغارا وتقتلھم کبارا وشکت الی رسول الله ﷺ زوجھا أباسفیان وقالت انه شحیح لا یعطیھا من الطعام ما یکفیھا وولدھا، روی ھشام بن عروة عن أبیه قال قالت ھند لأبی سفیان أنی ارید ان أبایع محمدا قال قد رأیتك تکذبین ھذا الحدیث امس قالت والله ما رأیت الله عبد حق عبادته فی ھذا المسجد قبل اللیلة والله ان یاتوا الا مصلین قال فانك قد فعلت ما فعلت فاذھبی برجل من قومك معك فذھبت الی عثمان بن عفان وقیل الی أخیھا ابی حذیفة بن عتبة وذھب معھا فاستأذن لھا فدخلت وھی منقبة فقال تبایعنی علی ان لا تشرکی بالله شیئا وذکرنحو ما تقدم من قولھا للنبی ﷺ وشھدت الیرموك وحرصت علی قتال الروم مع زوجھا ابی سفیان۔"

(اسد الغابہ ج۵ ص۵۶۲ تذکرہ ہند بنت عتبہ)

ایک رات ہی (آگے پیچھے) بیعت کی، یہ سخی شخصیت تھیں، اچھی رائے اور اچھی عقل والی تھیں۔ بیشک ہند نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، اچھی طرح خلوص دل سے اسلام قبول کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے عورتوں نے بیعت کی تو اس میں یہ شرط تھی کہ تم وعدہ کرو کہ چوری نہیں کرو گی اور بدکاری نہیں کرو گی، تو حضرت ہند نے عرض کیا کیا کوئی شریف عورت بدکاری اور چوری کرتی ہے؟ پھر جب آپ نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرنے کا وعدہ کرو، تو پھر حضرت ہند نے عرض کیا کہ ہم جب ان کی بچپن میں پرورش کریں گی تو جب وہ اولاد بڑی ہو جائے گی تو کیا ہم ان کو قتل کر دیں گی؟ انہوں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا خاوند ابوسفیان مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کفایت کرے، (اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے حدیث مسلم اور اس کی شرح میں آ رہا ہے) ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ہند نے اپنے خاوند ابوسفیان کو کہا کہ میں ارادہ رکھتی ہوں کہ محمد (ﷺ)

کی بیعت کرلوں، تو ابوسفیان نے کہا کہ کل تو میں دیکھ رہا تھا کہ تو اس کی تکذیب کر رہی تھی۔ تو ہند نے کہا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی آج رات سے پہلے میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی نے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح عبادت کی ہو جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ لوگ (مسجد حرام میں) سوائے نماز ادا کرنے کے کسی اور غرض سے نہیں آتے۔ ابوسفیان نے کہا جو تم کرنا چاہتی ہو وہی کرو اپنی قوم کے ایک شخص کو اپنے ساتھ لے جاؤ (اسلام پر بیعت کرلو) ایک روایت کے مطابق اپنے ساتھ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو لے گئیں اور ایک روایت کے مطابق اپنے بھائی حذیفہ بن عتبہ کو ساتھ لے گئیں (راقم کے نزدیک ممکن ہے دونوں کو ساتھ لے گئی ہوں) ساتھ والے حضرت عثمان ابن عفان یا حذیفہ بن عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہند کیلئے اجازت طلب کی۔ یہ نقاب اوڑھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میرے ساتھ اس شرط پر بیعت کرو گی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ٹھہراؤ گی، اور چند ان شرائط کا ذکر کیا جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، (یعنی چوری نہیں کرو گی، بدکاری نہیں کرو گی) وہ یرموک میں حاضر ہوئیں اور روم کی جنگ میں اپنے خاوند ابوسفیان کے ساتھ بڑی خصوصی حرص ومحبت سے شریک ہوئیں۔

ہند کا ڈرتے ہوئے آنا اور رحمۃ اللعالمین کی رحمت:

"اذمن جملة الحامل لها عليه ان مكة لما فتحت دخلت المسجد الحرام ليلا فرأت الصحابة قد ملؤوه وانهم على غاية من الاجتهاد فى الصلوة وقراءة القرآن و الطواف والذكر وغير ذلك من العبادات فقالت والله ما رأيت الله عبد حق عبادته فى هذا المسجد قبل هذه الليلة والله ان

"ہند کو اسلام پر ابھارنے کی وجوہ میں سے ایک عظیم وجہ یہ تھی کہ جب مکہ فتح ہوا تو وہ رات کو مسجد حرام میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ مسجد حرام صحابہ کرام سے بھری ہوئی ہے۔ وہ بہت خشوع وخضوع سے نماز ادا کرنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور طواف کرنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور

يأتوا الا مصلين قياما وركوعا وسجودا فاطمأنت الى الاسلام لكنها خشيت ان جاءت الى النبى ﷺ ان يونجها علي ما فعلته من المثلة القبيحة بعمه حمزة رضى الله عنه فجاءت اليه مع رجل من قومها لتبايعه فوجدت عنده من الرحب والسعة والعفو والصفح مالم يخطر ببالها ثم شرط عليها ان لا تزنى فقالت وهل تزنى الحرة يارسول الله فلم تجوز وقوع الزنا الا من البغايا المعدات لذلك ثم شرط عليها ان لاتسرق فامسكت وقالت ان اباسفيان رجل بخيل ولايعطيني مايكفيني الاما اخذت منها من غير علمه فقال لها خذى من ماله ما يكفيك وولدك بالمعروف فلما بلغ ذلك أبا سفيان اظهر غاية الرضاء بل زاد فقال ما أخذت من مالى فهو حلال۔"

(تطهیر الجنان لاحمد بن حجر الہیتمی المکی رحمہ اللہ، ص ۹٫۸)

عبادات میں مشغول ہیں تو وہ کہنے لگی قسم ہے اللہ تعالی کی اس رات سے پہلے میں نے اس مسجد میں ایسی عبادت کرتے کسی کو نہیں دیکھا جیسا عبادت کرنے کا حق ہے، قسم ہے اللہ تعالی کی یہ لوگ تو مسجد میں سوائے نماز کے نہیں آتے۔ یہ تو کوئی قیام میں ہیں، کوئی رکوع میں ہیں، کوئی سجدہ میں ہیں، تو وہ اسلام پر کامل مطمئن ہو گئیں ہو گی لیکن وہ ڈر رہی تھی نبی کریم ﷺ کے پاس آنے سے کہ آپ مجھے توبیخ کریں گے (ڈانٹ دیں گے) کیونکہ میں نے تو ان کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے اعضاء کو کٹوا کر مثلہ بنوادیا تھا۔ پھر وہ اپنی قوم کے ایک شخص کو ساتھ لیکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو ہی گئیں تا کہ آپ کی بیعت کریں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بہت زیادہ کشادہ طبیعت والا، اور وسعت والا (یعنی حسنِ اخلاق والا کشادہ اور اخلاقِ کریمانہ والا) پایا جو ان کے دل میں بھی کھٹکا بھی نہیں تھا کہ آپ اتنے کریم ہیں اور آپ اتنی زیادہ رحمت والے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے بیعت لینے سے پہلے چند شرائط مقرر کہیں کہ

تم زنا کا ارتکاب نہ کرنا' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی شریف عورت بھی بدکاری کرتی ہے' ہند کے نزدیک تو بدکاری کے مرتکب صرف وہی عورتیں ہوسکتی تھیں جو فاحشہ ہوتیں اور بدکاری کیلئے ہی ان کو تیار کیا جاتا، پھر آپ نے یہ شرط لگائی کہ تم چوری نہ کرنا' اس کا جواب بھی وہی تھا جو اسد الغابۃ کے حوالہ سے گذر گیا کہ شریف عورت چوری نہیں کرتی۔

اب تطہیر الجنان کے لفظ (فامسکت) کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اس نے جس طرح پہلے کبھی چوری نہیں کی اسی طرح آئندہ بھی چوری سے باز رہنے کا ہی وعدہ کیا، اسلام لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا خاوند ابوسفیان مجھے اور میری اولاد کیلئے اتنا خرچ نہیں دیتا جو ہمیں کفایت کرے سوائے اس کے کہ کچھ مال میں اسکے مال سے اس کے علم کے بغیر ہی لے لوں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ٹھیک ہے تم اتنا مال اس کا لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو اچھی طرح شریعت کے مطابق کفایت کر سکے، جب یہ خبر ابوسفیان تک پہنچی تو انہوں نے اس پر رضاء مندی ظاہر کی بلکہ خرچ بھی بڑھا دیا اور یہ بھی کہا کہ ہاں! تم میرے مال سے جو بھی خرچ کی ضرورت کیلئے لوگی وہ تمہارے لئے حلال ہوگا۔

اعتراض ۴:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ان کے خلاف فیصلہ کیوں کیا؟

جواب:

وجہ اس کی یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کا حال جانتے تھے۔ آیئے! علامہ ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ہی سنئے:

" فقضی علیه فی غیبته بذلك لعلمه برضاه به واستسلامه له وان كان فيه غاية المشقة على نفسه باعتبار ما جبل عليه من الشح وعلى قوة اسلامها" (تطہیر الجنان بتقدیم وتاخیر ۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ان کے خلاف فیصلہ اس لئے فرمایا کہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ اس فیصلہ کو اپنی رضاء سے قبول کرلیں گے (کسی کا کسی فیصلہ پر

مستقبل میں راضی ہونا اسکے دل کا کام ہے، آپ نے ان کے دل پر مطلع ہوکر ہی توان کے خلاف فیصلہ کردیا اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اسلام لاچکے ہیں تو اس فیصلہ کے سامنے اپنی گردن جھکالیں گے، اگرچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر یہ کام کرنا مشقت آمیز تھا کیونکہ آپ کی عادت ہی یہ تھی کہ آپ اپنی زوجہ کے خرچ کے معاملہ میں سخاوت سے کام نہیں لیتے تھے، لیکن میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادت کو بھی بدل دیا جو دوسرا کوئی شخص یہ کام نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا فیصلہ اس لئے بھی تھا کہ آپ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے قوی اسلام کو بھی جانتے تھے کہ یہ ہماری اجازت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائیں گی، بلکہ اتنا ہی مال لیں گی جتنا شریعت ان کو اجازت دے گی، اور ان کو کفایت کرے گا۔

حضرت ہند رضی اللہ عنہا پر اسلام کا کیا خوب اثر ہوا:

"ولما اسلمت كانت على غاية من التثبت واليقظة فانها اثر البيعة ذهبت الى صنم لها في بيتها فجعلت تضربه بالقدوم حتى كسرته قطعة قطعة وهي تقول كنا منك في غرور"

(تطہیر الجنان ص۹)

"جب حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تو وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہیں، ہوش وحواس کی بیداری سے ہی تو اسلام پر ان کا قائم رہنا تھا، بیشک ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعتِ اسلام کرنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے بت کے پاس گئیں، اسے کلہاڑے سے مارنے لگیں یہاں تک کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے، اور بت کو کہنے لگیں تو نے ہی ہمیں دھوکہ میں رکھا۔"

طبقات ابن سعد سے ہند کے اسلام لانے کو دیکھئے:

عن عبدالله بن الزبير قال لما كان يوم الفتح اسلمت هند بنت عتبة ونساء معها واتين رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالابطح فبايعنه

"حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب مکہ شریف فتح ہوا تو ہند بنت عتبہ نے اسلام قبول کرلیا (شرف صحابیت کو پالیا)

فتكلمت هند فقالت يا رسول الله ﷺ الحمد لله الذى اظهر الدين الذى اختاره لنفسه لتنفعنى رحمك يا محمد انى امرأة مؤمنه بالله مصدقة برسوله ثم كشفت عن نقابها وقالت انا هند بنت عتبة فقال رسول الله ﷺ مرحبا بك"

(طبقات الکبری لابن سعد رحمہ اللہ ج ۸ ص ۲۳۶ تذکرۃ ہند بن عتبہ)

کچھ اور عورتیں بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والی تھیں یہ سب عورتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس مقام ابطح میں حاضر ہوئیں، تو انہوں نے آپ سے بیعت کی حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے کلام کو شروع فرمایا: عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سب تعریفیں اللہ تعالی کی جس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کیا، تا کہ مجھے بھی آپ کی رحمت سے فائدہ دے۔ اے محمد ﷺ! میں اک عورت ہوں جو اللہ تعالی پر ایمان لانے والی ہوں اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے والی ہوں، پھر انہوں نے اپنا نقاب ہٹایا اور عرض کیا میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مرحبا بک" "تمہارا آنا بڑی خوشی کا سبب ہے۔"

ہند اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد:

ہند اسلام لانے سے پہلے نبی کریم ﷺ سے شدید عداوت رکھتی تھی، آیئے! اس کی بہت بڑی دشمنی کو اس کی اپنی زبان سے ہی سنئے:

فقالت والله ما كان على الأرض اهل خباء احب الى من ان يذلوا من خبائك ولقد اصبحت وماعلى الأرض اهل خباء احب الى من ان يعزوا من خبائك فقال رسول

وہ نبی کریم ﷺ کو بتاتی ہے کہ قسم ہے اللہ تعالی کی روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں تھا بنسبت آپ کے گھر کے جس کے متعلق میں یہ چاہتی تھی کہ اس گھر والے ذلیل ہو جائیں

اللہ ﷺ وزیادۃ وقرأ علیهن القرآن وبایعهن فقالت هند من بینهن یارسول اللہ نماسك فقال انی لا اصافح النساء ان قولی لمائة امرأة مثل قول لا مرأة واحدة"

(الطبقات الکبری لابن سعد بالروایۃ المذکورۃ لعبد اللہ بن الزبیر ج۸ص۲۳۶)

(یعنی زمانہ جاہلیت میں صرف آپ کے گھر والوں کی ذلت کی خواہش رکھتی تھی کسی گھر والوں کیلئے میری یہ تمنا نہ تھی) لیکن اب (اسلام کے بعد) تحقیق میری حالت یہ ہو گئی کہ اب روئے زمین پر کوئی گھر نہیں بنسبت آپ کے گھر کے جس کے متعلق میں یہ چاہتی ہوں کہ اس گھر والوں کو عزت حاصل ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اور زیادہ" (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اس محبت کو اور زیادہ کرے) پھر آپ نے آنی والی عورتوں پر قرآن پڑھا اور ان کو بیعت کیا ان عورتوں میں سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہم آپ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرنا چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" میں کسی عورت سے مصافحہ نہیں کرتا" بیشک میری بات سو عورتوں سے بھی ایسی ہی ہے جیسے ایک عورت سے ہے۔"

اسلام لانے کے بعد حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے:

"قال محمد بن عمر لما اسلمت هند جعلت تضرب صنما فی بیتها بالقدوم حتی فلّذته فلّذت فلّذت وهی تقول کنا منك فی غرور"

"محمد بن عمر فرماتے ہیں: جب حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تو اپنے گھر میں رکھے ہوئے بت کو کلہاڑے سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر

دیئے' اور یہ کہنے لگیں: ہم تیری وجہ سے ہی دھوکہ میں مبتلاء رہے۔" (الطبقات الکبری لابن سعد ج ۸ ص ۲۳۶ تذکرہ ھند بنت عتبہ)

مندرجہ بالا عبارات سے یہ فوائد حاصل ہوئے:

﴿۱﴾ اسلام سے پہلے ہند کو رسول اللہ ﷺ سے شدید عداوت تھی' وہ دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ صرف رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کیلئے ذلت کی تمنا رکھتی تھی کہ کاش! اس گھر والے ذلیل ہو جائیں اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اتنی زیادہ محبت تو ہوگئی کہ اب صرف یہ تمنا کرنے لگیں کہ آپ کے گھر والوں والوں کو عزت حاصل ہو جائے کسی اور گھر والوں کیلئے یہ تمنا نہیں کی۔

﴿۲﴾ اسلام سے پہلے تو ہند مشرکہ تھیں اور بت پرست تھیں لیکن اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی شرک کا خود بخود زوال ہو گیا۔ اور اسلام کی برکت سے آپ نے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' اسلام سے محبت ہوگئی' بت سے نفرت ہوگئی۔

﴿۳﴾ اسلام خوشی سے قبول کیا' اسلام ڈر سے قبول نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے کا سبب صحابہ کرام کا عبادت کرنا' قرآن پاک پڑھنا' اللہ کا ذکر کرنا ہے۔

﴿۴﴾ صحابہ کرام کی عبادت کیسی خوب تھی' کتنے ہی خشوع و خضوع والی تھی' جسے دیکھ کر غیر مسلموں نے اسلام قبول کر لیا۔

یا اللہ! ہماری عبادتوں کو بھی ایسا بنا دے جسے تیری قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے۔

﴿۵﴾ اسلام سے پہلے ہند نے بدر میں قتل کیے ہوئے اپنے باپ عتبہ کا بدلہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (جو اس کے باپ کو قتل کرنے والے تھے) سے اس طرح لیا کہ اپنی قیمتی ہار قاتل حمزہ کو دینے کی لالچ دے کر آپ کو شہید کرایا' ان کے اعضاء کٹوائے اور ان کا کلیجہ چبوایا۔ ان مظالم کی وجہ سے ہند نبی کریم ﷺ کے سامنے آنے سے ڈر رہی تھی کہ آپ مجھے ڈانٹیں گے' آپ کو اپنے چچا کی یاد آئے گی۔

سبحان اللہ! مصطفیٰ کریم ﷺ نے اپنی رحمت کے دامن میں انہیں لے لیا' اپنے رحمۃ اللعالمین ہونے کا حق ادا کر دیا، ان کے آنے پر "مرحبا بک" کہہ کران کو خوش آمدید کہا۔ کشادہ روئی (ہنس مکھ) سے ان کو ملے' اپنی کامل رحمت سے ان کے اسلام کو قبول کرلیا۔

﴿۶﴾ ہند کو زمانہ جاہلیت میں شرک سے نفرت نہیں تھی کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے اسے بیعت کرنے میں یہ شرط لگائی کہ اللہ سے شریک نہ ٹھہرانا تو اس نے بغیر کسی تبصرہ کے اس شرط کو قبول کیا۔

﴿۷﴾ ہند کو زمانہ جاہلیت میں بھی بدکاری' چوری اور اولاد کو قتل کرنے سے نفرت تھی' اسی لئے جب یہ شرط لگائی گئی کہ بدکاری نہ کرنا تو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی اس فعل سے بریٔ الذمہ ہونے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا کوئی شریف عورت برائی کا ارتکاب کرتی ہے؟ یہ تو صرف پیشہ ور فاحشہ عورتوں کا کام ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے چوری نہ کرنے کی شرط لگائی تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی شریف عورت بھی چوری کرتی ہے؟ اسی سے انہوں نے واضح کر دیا کہ ہم نے زمانہ جاہلیت میں بھی چوری نہیں کی کہ ہم شریف لوگ تھے۔

جب نبی کریم ﷺ نے اولاد کو قتل نہ کرنے کی شرط لگائی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اولاد کی بچپن میں پرورش کر کے بڑا کر کے قتل کر دیں گی؟ اس سے یہ بتا دیا کہ اولاد کو قتل کرنا تو سنگ دل ماؤں کا کام ہے۔ ہم نے تو زمانہ جاہلیت میں بھی اولاد کو قتل نہیں کیا کیونکہ ہم نے سنگ دلی کا کام نہیں کیا۔

﴿۸﴾ نبی کریم ﷺ کے اسلام' اسلام سے محبت' اور محبت اللہ کی محبت رسول ﷺ کی خبر یوں دی کہ اللہ تعالیٰ! اسے زیادہ کرے۔

﴿۹﴾ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اچھی طرح' خصوصی دل سے ایمان قبول کیا اور اس پر قائم

ودائم رہیں۔

۱۰ مسئلہ پوچھنے پر کسی کی شکایت کرتے ہوئے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں، بلکہ یہ جائز ہے۔

(۱۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے اسلام کے قوی ہونے پر اعتماد کیا۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دل پر مطلع ہوتے ہوئے ان کے خلاف فیصلہ کیا کہ میں نے ان کے خلاف بھی اگر فیصلہ کیا تو اس پر رضامند ہو کر اسے تسلیم کرلیں گے۔

(۱۳) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم کر کے اپنے ایمان کے کامل ہونے کا ثبوت پیش کردیا۔

آیئے! حدیث بخاری کو دیکھتے چلے جائیں:

"عن عائشة قالت جاءت هند بنت عتبة فقالت یا رسول الله ما كان على ظهر الارض من اهل خباء احب الى ان یذلوا من اهل خبائك ثم ما اصبح الیوم على ظهر الارض اهل خباء احب الى ان یعزوا من اهل خبائك قال وایضا والذی نفسی بیده قالت یا رسول الله ان ابا سفیان رجل مسیك فهل على حرج ان اطعم من الذی له عیاله قال بالمعروف"۔

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہند بنت عتبہ آئی اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں تھا جس کے متعلق میری یہ تمنا ہو کہ اس گھر والے ذلیل ہو جائیں صرف آپ کے گھر والوں کے متعلق میری تمنا تھی کہ یہ ذلیل ہو جائیں' آج مجھے یوں حال حاصل ہو گیا کہ روئے زمین پر صرف آپ کے گھر والوں کیلئے میری خواہش یہ ہے کہ ان کو عزت حاصل رہے' کسی اور گھر کیلئے یہ خواہش میں نے کبھی نہیں کی' آپ نے فرمایا: "اور بھی"

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ (یعنی تمہیں اور زیادہ مجھ سے محبت حاصل ہو) حضرت ہند نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! (میرا خاوند) ابوسفیان ایک ایسا شخص ہے جو مال کو روک کر رکھتا ہے، کیا مجھ پر کوئی حرج ہے کہ میں اس کی اولاد کو اس کے مال سے کھلالیا کروں؟ آپ نے فرمایا: اچھی طرح یعنی شریعت کی اجازت کے مطابق کھلالیا کرو۔"

صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل البخاری، ج۱، ص۵۳۹، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

اس حدیث میں مذکور "وایضاً" کے متعلق علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (پرہاروی) صاحب نبراس یوں بیان فرماتے ہیں:

" وایضا والذی نفسی بیدہ " تصدیق لھا وأخبار بزیادۃ حبھا " نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد "اور بھی"، "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے" اس سے آپ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی تصدیق کی اور خبر دی کہ انہیں اس کے بعد میرے ساتھ اور زیادہ محبت حاصل ہوگی۔

اس کے بعد علامہ پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" ومن فھم العکس فقد وھم "
(الناھیۃ، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص۴۴)

"جس نے آپ کے ارشاد کا مطلب الٹا سمجھا تو تحقیق اسے وہم ہوا۔"

راقم کے نزدیک یوں کہہ لیجئے اگر حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب کسی نے الٹ بیان کیا تو اس کا دماغ الٹا ہے وہ سر پھرا ہے یعنی محققین یوں بیان کریں کہ آپ نے فرمایا: تمہاری محبت اللہ اور اسکے رسول اللہ ﷺ سے محبت روز بڑھتی چلی جائے گی لیکن اس کے خلاف کوئی بد بخت اس کا مطلب یہ بیان کرے کہ تمہارا بغض بڑھتا چلا جائے گا تو سمجھ لیجئے

کہ وہ صحابہ کرام سے بغض رکھنے والا ہے۔

آیئے! حدیث مسلم کو بھی دیکھتے چلے جائیں:

"حدثنا عبد بن حمید قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهری عن عروۃ عن عائشة قالت جاءت هند الی النبی ﷺ فقالت یارسول الله والله ما کان علی ظهر الارض اهل خباء احب من ان یذلهم الله من اهل خبائك وعلی ظهر الارض اهل خباء احب الی ان یعزهم الله من اهل خبائك فقال النبی ﷺ والذی نفسی بیده ثم قالت یا رسول الله ﷺ ان أبا سفیان رجل ممسك فهل علی حرج ان انفق علی عیاله من ماله بغیر اذنه فقال النبی ﷺ لا حرج علیك ان تنفقی علیهم بالمعروف" وفی روایة وما اصبح الیوم ظهر الأرض الی ان یعزوا من اهل خبائك فقال رسول الله ﷺ وأیضا"۔

حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ہند (رضی اللہ عنہا) نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں، عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تمام روئے زمین میں کوئی ایسا گھر نہیں تھا سوائے آپ کے گھر کے متعلق میں یہ چاہتی تھی کہ اللہ اس گھر والوں کو ذلیل کرے، آج میرا یہ حال ہے (یعنی اسلام کی برکت سے) اب روئے زمین میں کوئی گھر سوائے آپ کے گھر کے نہیں کہ جس کے متعلق میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گھر والوں کو عزت عطاء کرے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اور بھی" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے" پھر ہند نے کہا: بیشک میرا خاوند ابوسفیان وہ شخص ہے جو مال کو روک کر رکھتا ہے (یعنی خرچ پورا نہیں دیتا) کیا مجھ پر کوئی حرج ہے کہ میں اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر اس کے عیال (اولاد) پر خرچ کرلوں؟ تو آپ نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں جبکہ تم بھلائی سے یعنی

(مسلم ج ۲ ص ۸۳ باب قضیۃ ہند) شریعت کے مطابق خرچ کرو۔"

"وایضا والذی نفسی بیدہ" کی وضاحت نووی شرح مسلم سے دیکھئے، توجہ فرمائیں کہ "وایضا" کا مطلب کیا ہے؟ شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قوله صلى اله عليه وسلم والذى نفسى بيده فمعناه وستزيدين من ذلك ويتمكن الايمان من قلبك ويزيدك حبك الله ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم ويقوى رجوعك عن بغضه وأصل هذه اللفظة آض يئيض ايضا اذا رجع"۔

(نووی شرح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ، ج ۲، ص ۸۳)

یہ لفظ "آض یئیض ایضا" سے لیا ہوا ہے جس کا معنی ہے "لوٹنا" اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "وایضا والذی نفسی بیدہ" کا مطلب یہ ہے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تمہیں میرے ساتھ اور زیادہ محبت ہوگی اور ایمان تیرے دل میں اور زیادہ جگہ پکڑے گا یعنی تمہارا ایمان اور زیادہ پختہ ہوگا اور تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور زیادہ ہوگی اور تمہارا بغض سے رجوع اور زیادہ قوی ہوگا۔"

سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب کیا خوب علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ آپ نے تو حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ ہاں تمہاری محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روز بروز بڑھتی رہے گی، اور تمہارا بغض جو اسلام لانے کی وجہ سے ختم ہو چکا ہے، وہ اور ہی زیادہ مضبوطی سے ختم ہوتا ہی رہے گا۔

اور حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے بھی واضح طور پر بتا دیا کہ اسلام لانے سے پہلے تو مجھے آپ سے بہت زیادہ بغض حاصل تھا، مجھے سب گھروں میں سے آپ کا گھر ہی زیادہ ناپسند تھا، اس وقت تو میرے دل میں یہی تمنا پائی جاتی تھی کہ اور گھروں کے علاوہ صرف آپ کے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے لیکن اب تو مجھے سب گھروں سے آپکا گھر ہی زیادہ پسند ہے، اب

تو میں یہی چاہتی ہوں کہ اور گھروں کی بنسبت اللہ تعالیٰ آپ کے گھر کو ہی زیادہ عزت عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ جو دلوں کا حال جاننے والے تھے' آپ نے جب حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا کلام سنا تو اس پر اعتبار کیا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو تو میرے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کا کلیجہ چبانے والی ہے' مجھے تیری بات پر یقین نہیں' بلکہ فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت اور زیادہ ہوگی اور تمہارا بغض جو زائل ہو چکا ہے' وہ زائل ہی رہے گا' اس کا زوال بڑا مضبوط ہوگا۔

حقیقت یہی ہے کہ رحمۃ العالمین کی شان کے لائق ہی یہی تھا کہ آپ اسلام لانے والی عورت کے ساتھ رحمت سے ہی پیش آئیں' آپ نے اپنے رحمۃ اللعالمین ہونے کا حق ادا کر دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی چند مرویات احادیث:

یہ تو پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۳ ہے، لیکن ان میں سے چند احادیث کو "الناهية" میں ذکر کیا گیا ہے ان کو ہی راقم بمع ترجمہ کے نقل کر رہا ہے۔ پہلے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آپ سے بخاری اور مسلم نے روایت بھی ذکر کی ہیں:

"وان البخاری مسلما یرویان عنه الحدیث مع شرطهما ان لا یرویان الاعن ثقة ضابط۔"

"بیشک بخاری اور مسلم آپ سے جو روایت ذکر کرتے ہیں وہ اپنی شرائط کے مطابق وہ صرف ثقہ اور صحیح ضبط کرنے والے اور سچے راویوں سے ہی روایات ذکر کرتے ہیں۔"

تو اسی سے واضح ہو گیا کہ محدثین کے شیخین یعنی بخاری و مسلم کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ثقہ راوی ہیں یعنی ان میں ورع و تقویٰ اور مروت پائی گئی ہے' اور حافظہ ان کا

قوی ہے' اور وہ سچے ہیں۔

① "اخرج البخاری ومسلم ومالك فی المؤطا وابو داود والترمذی والنسائی عن حمید بن عبد الرحمن بن عوف أنه سمع معاویة عام حج علی المنبر وتناول قصه من شعر وكانت فی ید حرس فقال یا أهل مدینة این علماء كم سمعت النبی ﷺ ینهی عن مثل هذه یقول انما هلكت بنو اسرائیل حین اتخذوها"

"بخاری ومسلم اور امام مالک مؤطا میں اور ابو داؤد اور ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کی بیشک انہوں نے حج کے سال منبر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ انہوں نے اپنے محافظ کے ہاتھ سے بالوں کا گچھا لے کر یہ کہا اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس قسم کی چیزوں کو منع کرتے ہوئے سنا' آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے یہ کام کئے۔"

وضاحت حدیث:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو مدینہ طیبہ میں خطبہ دیا' دوران خطبہ منبر پر اپنے محافظ سے بالوں کا ایک گچھا لیا۔ اس وقت عورتیں اپنے بالوں کو بڑا اور خوبصورت دکھانے کیلئے دوسرے انسانی بالوں کا گچھا بنا کر اپنے بالوں میں لگاتی تھیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے علماء کہاں ہیں؟ یعنی انہیں اسے روکنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ اس سے روکتے تھے اور آپ نے بنی اسرائیل کی ہلاکت کا سبب بھی اسی قسم کی غیر شرعی حرکات کو قرار دیا۔

② "واخرج البخاری ومسلم والنسائی فی سعید بن المسیب قال قدم معاویة المدینه فخطبنا واخرج كبة من شعر فقال

"بخاری ومسلم اور نسائی نے سعید بن میسب سے روایت کی وہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ مدینہ طیبہ میں آئے تو آپ نے ہمیں

ما كنت أرى ان أحدا يفعله الا اليهود ان رسول الله ﷺ بلغه فسماه الزور"

خطبہ دیا اور بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ کسی ایک نے یہ کام کیا ہو سوائے یہود کے، بیشک رسول اللہ ﷺ کو جب اس کے بارے میں خبر ملی تو آپ نے اسے جھوٹی بناوٹ قرار دیا۔"

﴿۳﴾ "واخرج البخاری عن وارد كاتب المغيرة بن شعبه ان معاوية كتب الى المغيرة اكتب الى بحديث سمعته من رسول الله ﷺ فكتب اليه المغيرة انى سمعته يقول عند الفراغ من الصلوة لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير ثلاث مرات قال وكان ينهى عن قيل وقال وكثرة السوال واضاعة المال ومنع وهات وعقوق الامهات ووأد البنات"

"بخاری نے مغیرہ بن شعبہ کے کاتب وارد سے روایت کی کہ بیشک معاویہ نے مغیرہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا کہ میری طرف کوئی حدیث لکھ کر بھیجو، جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو ان کی طرف حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے لکھا: بیشک میں نے آپ سے نماز کے فارغ ہونے پر یہ کہتے ہوئے سنا" لا الـه الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير "اور آپ کو روکتے ہوئے سنا قیل وقال سے (یعنی بے مقصد بحثوں سے) اور زیادہ سوال کرنے سے اور مال کو ضائع کرنے سے اور منع کرنے اور لینے سے اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے اور بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے سے۔"

مختصر وضاحت:

یہ روایت اصل میں "عن معاوية عن المغيرة" ہے اسی لئے روایت امیر معاویہ ہے "وقيل وقال" سے مراد جھگڑے والی بحثوں سے منع کیا۔ کثرت سوال کا مطلب سوال

کرنے (مانگنے کی عادت بنانا) مال کو ضائع کرنے کا مطلب بے جا خرچ کرنا۔ "منع وھات" کا مطلب یہ ہے کہ حق سے منع کرنے اور ناحق کو لینے سے منع کیا۔

۴ "واخرج البخاری عن أبی أمامة بن سهل قال سمعت معاویة بن أبی سفیان وهو جالس علی المنبر أذن المؤذن فقال الله اکبر الله اکبر قال معاویة الله اکبر الله اکبر، فقال اشهد ان لا اله الا الله فقال معاویة وانا، قال اشهد ان محمدا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال معاویة انا فلما انقضی التاذین قال یاایها الناس انی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی هذا المجلس حین أذن المؤذن یقول ما سمعتم منی من مقالتی"

"بخاری نے ابوامامہ بن سہل سے روایت کی، انہوں نے کہا: میں نے معاویہ بن ابی سفیان سے سنا اس حال میں کہ وہ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، جب مؤذن نے اذان کہی تو اس نے کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر تو حضرت معاویہ نے (اس کے جواب میں) کہا: "اللہ اکبر اللہ اکبر" جب مؤذن نے کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ" تو حضرت امیر معاویہ نے کہا: "اور میں" مؤذن نے کہا: "اشھد ان محمد ارسول اللہ" تو حضرت امیر معاویہ نے کہا: "اور میں" جب اذان ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! بیشک میں نے اسی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب مؤذن نے اذان دی جیسا تم نے مجھ سے سنا۔"

تنبیہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا جواب دیتے ہوئے "اشھد ان لا الہ الا اللہ" میں اور "اشھد ان محمدا رسول اللہ" میں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف "وأنا" بھی کہا ہے "اور میں" بھی یہی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں (اور میں) بھی گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد اللہ

کے رسول ہیں ۔ (یہ بیان جواز تھا آپ ﷺ کی طرف سے) ورنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات مکمل جواب والی بھی موجود ہیں۔

⑤ "عن طلحة بن عبيد الله قال كنا عند معاوية بن ابى سفيان فأذن المؤذن فقال الله اكبر الله اكبر فقال معاوية الله اكبر الله اكبر فقال اشهد ان لا اله الا الله فقال معاوية اشهد ان لا اله الا الله فقال اشهد ان محمدا رسول الله فقال معاوية اشهدان محمد رسول الله حتى بلغ حى على الصلوة، حى على الفلاح فقال لا حول ولا قوة الا بالله قال يحيى وحدثنى رجل ان معاوية لما قال ذلك قال هكذا سمعنا نبيكم يقول "۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی رحمہ اللہ ج اول ص ۱۰۹ باب مایستحب الرجل ان یقولہ اذا سمع الأذان)

"طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں: ہم حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے جب مؤذن نے اذان دی تو اس نے کہا "اللہ اکبر اللہ اکبر" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ اکبر اللہ اکبر" جب مؤذن نے کہا: "اشہد ان لا الہ الا اللہ" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اشہد ان لا الہ الا اللہ" جب مؤذن نے کہا: "اشہد ان محمدا رسول اللہ" تو حضرت معاویہ نے کہا: "اشہد ان محمد ارسول اللہ" یہاں تک کہ مؤذن جب "حی علی الصلوۃ" حی علی الفلاح" پر پہنچا تو آپ نے کہا: "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" یحیٰی کہتے ہیں: مجھے ایک شخص (صحابی) نے بتایا کہ حضرت معاویہ نے جب اذان کا جواب دیا تو فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے اس طرح سنا۔"

⑥ "واخرج البخارى عن حميد بن عبد الرحمن سمعت معاوية خطيبا يقول سمعت النبى ﷺ يقول من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين وانما انا قاسم والله يعطى ولن تزال هذه الأمة قائمة لا يضرهم من خالفهم

"بخاری نے حمید بن عبد الرحمٰن سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت معاویہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس شخص سے اللہ تعالی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے

حتی یأتی امر الله"۔

دین کی فقاہت (سمجھ) عطاء کر دیتا ہے۔ بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطاء کرتا ہے۔ ہمیشہ یہ میری امت (دین پر) قائم رہے گی، کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے۔" (یعنی قیامت آجائے)۔

۷ "واخرج مسلم عنه سمعت رسول الله ﷺ یقول انما انا خازن فمن اعطیته عن طیب نفس فیبارك له فیه ومن اعطیته عن مسئلة وشره کان کالذی یا کل ولا یشبع"۔

"مسلم نے حضرت معاویہ سے روایت کی وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بیشک میں خازن ہوں، جس کو میں اپنی خوشی سے دے دوں، اسے اس میں برکت دی جائے گی، اور جسے میں اس کے مانگنے اور اس کی حرص کے بعد دوں تو وہ ایسا ہوگا جیسے کوئی کھاتا رہے اور سیر نہ ہو۔"

۸ "واخرج مسلم عن طلحة بن یحیی عن عمه قال کنت عند معاویة بن أبی سفیان فجاء المؤذن یدعوه الی الصلوة فقال معاویة سمعت رسول الله ﷺ یقول المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیامة"

"مسلم نے طلحہ بن یحیٰی سے روایت کی وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے پاس تھا، تو مؤذن آیا آپ کو نماز کیلئے بلانے کیلئے، تو حضرت معاویہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا مؤذن قیامت کے دن لوگوں میں سے لمبی گردنوں والے ہوں گے۔"

۹ "عن ابی سعید قال خرج معاویة عن

"مسلم نے ابو سعید سے روایت کی وہ کہتے

فی المسجد فقال ما اجلسکم قالوا جلسنا نذکر الله قال الله ما اجلسکم الا ذلك، قالوا الله ما اجلسنا غیرہ قال انی لم أستحلفکم تهمة لکم وما کان احد بمنزلتی من رسول الله ﷺ أقل عنه حدیثا منی وان رسول الله ﷺ خرج علی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسکم ههنا قالوا جلسنا نذکر الله ونحمده علی ما هدانا للاسلام ومن به علینا قال الله ما اجلسکم الا ذلك قال اما انی لم استحلفکم تهمة لکم ولکنی أتانی جبریل فاخبرنی ان الله عزوجل یباهی بکم الملائکة" (اخرجه مسلم)

ہیں: حضرت معاویہ مسجد کے حلقہ میں تشریف لائے تو فرمایا: تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کا ذکر کرنے کیلئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے کہا: قسم ہے اللہ کی کیا کسی اور چیز نے تمہیں نہیں بٹھایا سوائے اس کے؟ انہوں نے کہا قسم ہے اللہ کی ہمیں اس کے علاوہ کسی اور چیز نے نہیں بٹھایا۔ تو حضرت معاویہ نے کہا: بیشک میں نے تم سے قسم تم پر (جھوٹ کی) تہمت کی وجہ سے نہیں لی کوئی ایک نہیں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہونے کے باوجود اس نے احادیث آپ سے کم روایات کی ہوں، بیشک رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ایک حلقہ میں تشریف لائے، تو آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے یہاں بٹھایا؟

انہوں نے عرض کیا ہمیں بٹھایا ہے اس چیز نے کہ ہم اللہ کا ذکر کریں، اور ہم اس کی تعریف کریں اس پر کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی، اور اس نے ہم پر احسان کیا، تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی کیا تمہیں نہیں بٹھایا سوائے اس کے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا قسم ہے اللہ کی سوائے اس کے ہمیں کسی اور چیز نے نہیں بٹھایا۔ آپ نے فرمایا: بیشک میں نے تم سے قسم (جھوٹ کی) تہمت کیلئے نہیں لی، لیکن میرے پاس جبریل آئے تو انہوں نے مجھے خبر دی بیشک اللہ تعالیٰ فرشتوں پر تمہارا ذکر فخریہ طور پر کرتا ہے۔ (فخر جو اس کی شان کے لائق ہے)

فائدہ جلیلہ:

یہاں ہی علامہ عبدالعزیز فرہاروی (پرہاروی) نے ایک حدیث شفاء شریف سے روایت کی:

(۱۰)"وقال المحدث القاضی عیاض فی الشفاء یروی ان معاویة کان یکتب بین یدیہ ﷺ فقال لہ الق الدواة وحرف القلم واقم الباء وفرق السین ولا تعور المیم وحسن اللہ ومد الرحمن وجود الرحیم"۔

"محدث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت معاویہ نبی کریم ﷺ کے سامنے لکھ رہے تھے۔ آپ نے ان کو فرمایا: دوات میں سیاہی ڈالو اور قلم اچھی طرح تراشو اور باء کو سیدھا صحیح کرو' سین کے دندانے علیحدہ بناؤ' اور میم کو کانا نہ بناؤ (یعنی درمیان میں سوراخ نہ رکھو) اور کلمہ "اللہ" کو خوبصورت لکھو' اور "رحمٰن" کو کھینچ کر لکھو اور رحیم کو عمدہ طریقہ سے لکھو۔"

(۱۱)"واخرج البخاری عنہ قال انکم لتصلون صلوة لقد صحبنا النبی ﷺ فما رأیناہ یصلیھا ولقد نھی عنھا یعنی الرکعتین بعد العصر"۔

"بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' آپ نے فرمایا: بیشک تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم نبی کریم ﷺ کی مصاحبت میں (آپ کے ساتھ رہے ہیں) ہم نے آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' تحقیق آپ نے اس سے منع فرمایا' یعنی عصر کے بعد دو رکعتوں سے منع فرمایا۔"

(۱۲)"واخرج مسلم عن معاویة أیا کم والأحادیث الاحدیثا کان فی عھد عمر فأن عمر کان یخیف الناس فی اللہ عزوجل"۔

"مسلم نے حضرت معاویہ سے روایت کی کہ تم احادیث بیان کرنے سے بچ کر رہو، مگر وہ حدیث (بیان کرو) جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیان کی جاتی تھی: بیشک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ تعالی کا خوف دلاتے تھے۔

وضاحت حدیث:

کثرت احادیث کے نہ بیان کرنے کی وجہ یہ تھی کہ احادیث بغیر قوی ثبوت کے نہ بیان کی جائیں اصل وجہ یہ تھی کہ اہل کتاب اپنی کتب سے بعض واقعات بیان کرتے تھے' بعض حضرات بغیر تحقیق کے ان کو احادیث سمجھتے تھے۔ جب شہر اور علاقے فتح ہوئے تو حکم دیا گیا کہ جو احادیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیان کی گئیں ان پر اعتماد کیا جائے کیونکہ آپ احادیث کے معاملہ میں سخت موقف اختیار کرتے تھے۔ اگر کوئی حدیث پیش کرتا تو فرماتے کہ اور گواہ بھی لاؤ ورنہ میں تمہیں کوڑے سے سبق سکھادوں گا' مقصد اس کا یہی ہوتا تھا کہ لوگ احادیث بیان کرنے میں جلدی نہ کریں تاکہ جو حدیث بھی سامنے آئے اس پر بہت زیادہ وثوق پایا جائے' اسی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ جلد بازی سے احادیث بیان کرنے سے اجتناب کرو' بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جن احادیث کی تحقیق کی جا چکی ہے وہی بیان کرو۔

(۱۳) "واخرج احمد وابو داؤد والحاکم عن معاویة مرفوعا ان اهل الکتاب تفرقوا فی دینهم علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق هذه الأمة علی ثلاث وسبعین کلها فی النار الا واحدة وهی الجماعة ویخرج من امتی قوم تتجاری بهم تلک الأهواء کما یتجاری الکلب لصاحبه فلا یبقی منهم عرق ولا مفصل الادخله"۔

"امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی (مرفوع حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے) بیشک اہل کتاب اپنے دین میں بہتر فرقوں میں بٹ گئے' اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب جہنمی ہوں گے' سوائے ایک کے اور وہ جماعت ہوگی' اور میری امت میں سے ایک قوم وہ ہوگی جس میں خواہشات اس طرح

ہوں گی جس طرح کاٹنے والے کتے کا اثر کاٹے ہوئے شخص میں سرایت کر جاتا ہے' کوئی رگ اور جوڑ باقی نہیں رہتا مگر یہ کہ وہ اس میں سرایت کر جاتا ہے۔"

(۱۴)"واخرج احمد والنسائی والحاکم عن معاویة مرفوعا کل ذنب عسی الله ان یغفره الا من مات مشرکا أومن یقتل مؤمنا متعمدا"۔

"امام احمد اور نسائی اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی کہ ہر گناہ کو امید ہے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے سوائے اس کے جو مشرک مرا یا جس نے مؤمن شخص کو جان بوجھ کر قتل کیا۔"

وضاحت حدیث:

اللہ جس کے گناہ کو بغیر توبہ معاف کرنا چاہے گا' اسے معاف کر دے گا لیکن شرک کو وہ کبھی توبہ کے بغیر معاف نہیں فرمائے گا۔ ہاں! جس نے شرک سے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا کیونکہ اسلام سے شرک مٹ جاتا ہے۔ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دیتا ہے وہ حقوق العباد میں آ جاتا ہے' اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو معاف نہیں فرماتا۔

(۱۵)"واخرج ابوداود عن معاویة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الاغلوطات"

ابوداؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچیدہ مسائل میں الجھنے سے منع فرمایا۔"

(۱۶)"واخرج ابو یعلی والطبرانی عن معاویة مرفوعا ستکون ائمة من بعدی یقولون فلا یرد علیهم قولهم یتقاحمون فی النار کما تقاحم القردة"۔

"ابو یعلیٰ اور طبرانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی کہ میرے بعد حکام ایسے ہوں گے جو باتیں کریں گے لیکن ان کی باتیں ان پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔ وہ آگ میں (بلاسوچے، سمجھے) ایسے داخل ہوں گے

جیسے چھڑی گھس جاتی ہے۔''

مراد یہ ہے کہ وہ جھوٹ بہت بولیں گے، جس کی وجہ سے وہ جہنم میں جائیں گے۔

(۱۷)"واخرج ابوداود عن معاویة مرفوعا لا تبادرونی برکوع ولا سجود انی مهما اسبقکم به اذا رکعت تدرکونی به اذا رفعت انی قدبدنت"

''ابو داؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی: مجھ سے رکوع اور سجود میں جلدی نہ کرو، میں تم سے پہلے رکوع میں جاؤں گا، اور پہلے سر اٹھاؤں گا، تم مجھے پا لو گے، بیشک میں جسیم ہو گیا ہوں۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حاجتمندوں کیلئے ایک شخص کو مقرر کرنا:

"واخرج ابو داود والترمذی عن عمر وبن مرة انه قال لمعاویة سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ولاه الله شیئا من أمر المسلمین فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله دون حاجته وخلته وفقره فجعل معاویة رجلا علی حوائج الناس"۔

(الناہیہ، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص ۲۳)

''ابو داود اور ترمذی نے عمر و بن مرہ سے روایت کی: انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جسے اللہ تعالی مسلمانوں کے معاملات کا والی بنا دے (یعنی جسے مسلمانوں کا حاکم بنا دے) وہ ان کی حاجات وضروریات اور ان کے فقر کو دور کرنے سے رک جائے تو اللہ تعالی بھی اس کی حاجت وضرورت اور فقر کو دور کرنے سے رک جاتا ہے (یہ سن کر) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے کیلئے ایک شخص کو مقرر کر دیا۔''

"واخرج الترمذی وابوداود عن سلیم بن عامر قال کان بین معاویة وبین الروم

''ترمذی اور ابوداؤد نے سلیم بن عامر سے روایت کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور

عهد وكان يسير نحو بلادهم حتى اذا انقضى العهد أغار عليهم فجاء رجل على فرس أوبرذون وهو يقول الله اكبر الله اكبر وفاء لا غدر فنظروا فاذا هو عمر وبن عبسه فسأله معاوية عن ذلك فقال سمعت رسول الله ﷺ يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهده ولا يشد نه حتى يمضي أمره أوينبذ اليهم على سواء قال فرجع معاوية"۔

(الناہیۂ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص ۲۴)

رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ معاہدہ ختم ہونے کے قریب تھا تو آپ اپنے لشکر کو لے کر ان کے شہروں کی طرف چلنے لگے تاکہ جب ہی معاہدہ ختم ہو تو اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے، تو ایک شخص گھوڑے پر سوار یا برزون پر سوار ہو کر آئے (برزون، ٹٹو یا ترکی گھوڑے کو کہا جاتا ہے) وہ کہنے لگے اللہ اکبر، اللہ اکبر وفاء چاہیے غدر نہیں۔ لوگوں نے دیکھا وہ عمرو بن عبسہ تھے، ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (قول کے متعلق) پوچھا، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جب کسی (حاکم) اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو مدت معاہدہ ختم ہونے سے پہلے وعدہ کو نہ توڑے اور نہ ہی اس قوم پر سختی کرے، یا پھر دونوں طرف سے معاہدہ برابر طور پر ٹوٹ جائے، راوی فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو واپس لوٹا لیا۔"

وضاحت حدیث:

ایک تو حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں ارشاد مصطفوی ﷺ کی کتنی ہی زیادہ قدر و منزلت تھی کہ حدیث کو سنتے ہی لشکر کو واپس لوٹا لیا، کوئی اس میں بحث نہیں کی، کوئی تاخیر نہ کی، بلکہ ادھر حدیث سنی ادھر عمل کر دیا۔

حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ معاہدہ کی میعاد ختم ہونے سے پہلے اچانک حملے کیلئے دشمن کے علاقہ کی طرف لشکر لے جانا منع ہے۔ لشکر کشی کی دو ہی صورتیں ہیں:

﴿۱﴾ ایک یہ کہ معاہدہ کے ختم ہونے کی مدت آنے کے بعد اپنے علاقہ سے لشکر لے کر جائے۔

﴿۲﴾ دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن معاہدہ توڑ دے تو مسلمان بھی توڑ دیں تو جب دونوں طرف سے مدت کے ختم ہونے سے پہلے معاہدہ ٹوٹ جائے گا تو اس صورت میں لشکر کشی جائز ہوگی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت محبت:

"ومن شدة حبه النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماذكره القاضی عياض فی الشفاء ان عابس بن ربيعه لما دخل على معاوية من باب الدار قام من سريره وتلقاه وقبل بين عينيه"۔

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کا ذکر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفاء میں فرمایا: بیشک عابس بن ربیعہ جب حضرت امیر معایہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر کے دروازے سے داخل ہوئے تو وہ اپنی چارپائی سے اٹھے اور ان کی ملاقات کی اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اس کی وجہ کیا تھی؟ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے مشابہ تھی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باصلاحیت شخص کو عامل بناتے تھے:

"ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه استخلفه على الشام مع أنه كان شديد التحری فی صلاح الأمراء وفسادهم وأقره

بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کے علاقہ میں اپنا خلیفہ (گورنر) بنایا، حالانکہ آپ کسی

عثمان فلم ینزلہ"۔
(الناھیہ ص۲۶)

کو عامل (گورنر) بناتے وقت بہت کوشش سے چھانٹ بینٹ کرتے تھے، یہ دیکھتے تھے یہ باصلاحیت ہے یا فسادی۔ آپ فقط باصلاحیت کو ہی عامل (گورنر) بناتے تھے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو برقرار رکھا، معزول نہیں کیا۔ (وجہ اس کی یہی تھی کہ آپ باصلاحیت شخص تھے)۔"

اعتراض:

معاویہ تو پسند کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی جائیں۔ معاویہ کہاں باصلاحیت اور اچھے شخص تھے، آیئے! ہمارا اعتراض حدیث پاک کے آئینہ میں دیکھئے:

"اخرج مسلم عن ابن ابی وقاص قال جاء معاویۃ بن أبی سفیان سعدا فقال ما منعك ان تسب ابا تراب قال اما ما ذکرت ثلاثا قالھن لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلن اسبہ فذ کر قولہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الأانہ لانبی بعدی وقولہ یوم خیبر لأعطین الرأیۃ رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ ولأنہ لما نزلت آیۃ المباھلۃ دعا علیا وفاطمۃ وحسنا وحسینا فقال اللھم ھؤلاء اھلی" انتھی ملخصا"

"مسلم نے ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان سعد بن ابی وقاص کے پاس آئے، تو کہا کہ کیا وجہ ہے جو تمہیں حضرت ابوتراب (علی المرتضی) رضی اللہ عنہ کو گالی دینے سے روکتی ہے انہوں نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اقوال یاد ہیں جو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمائے اس لئے میں ہرگز انہیں گالیاں نہیں دوں گا۔ ① آپ کا ارشاد یہ ہے تمہارا میرے ساتھ ایسا تعلق ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام کا موسی علیہ السلام سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

۲ اور آپ کا ارشاد یہ ہے جو آپ نے خیبر کے دن فرمایا بیشک میں ضرور بر ضرور جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔

۳ اور جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور عرض کیا: اے اللہ! یہ میری اہل ہیں۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنی عظیم شان کے مالک ہیں تو امیر معاویہ کا انہیں گالیاں دینے کا حکم کیا شانِ اہل بیت کی توہین ہے یا نہیں؟

جواب اول:

آیئے! دیکھئے ایمان والے محققین علماء کرام کیا خوبصورت انداز پر حدیث کا مطلب بیان کرتے ہیں:

"واما بأنه سمع قوما یسبونه فاراد کفهم عن سبه باظهار فضله علی لسان سعد"۔

"جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے رہے ہیں تو آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کیوں گالیاں نہیں دیتے؟"

مقصد یہ تھا کہ جب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان بیان کریں گے تو دوسرے لوگ بھی گالیاں دینے سے رک جائیں گے، یعنی آپ نے تو گالیاں دینے سے روکنے کا طریقہ استعمال کیا، لیکن لوگوں نے سمجھا آپ نے گالیاں دینے کا حکم دیا۔

جواب دوم:

"واما بأنه لیس فیه الأمر بل سوال من السبب المانع عنه"۔

"آپ کے ارشاد میں کوئی امر کا صیغہ نہیں کہ آپ نے حکم دیا ہو، بلکہ سوال ہے کہ تمہارے گالیاں نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟

(الناہیہ، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص ۳۷)

سوال کی وجہ پہلے جواب میں بہت واضح ہے۔

تنبیہ:

گالیوں کا ایک مفہوم ہمارے ذہنوں میں اپنے زمانہ کے مطابق ہے بیہودہ بکواس کرنا فحش گالی دینا' وہ صحابہ کرام کے زمانہ میں گالیاں نہیں دی جاتی تھیں' بلکہ سخت کلامی ہوتی تھی، سخت کلامی کرنے کا حکم بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا، صرف وجہ پوچھی۔

عجیب جہالت:

بعض لوگوں نے ''ابوتراب'' کنیت ذکر کرنے پر بھی اعتراض کیا کہ امیر معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ذکر کیا اور کنیت ذکر کی جو آپ کی حقارت پر دلالت کر رہی ہے اس کا جواب یہ ہے:

" وتكنيه رضی اللہ عنہ بأبي تراب ليس طعنا فانه كان يحب ان يكنى به " (الناہیہ ص ۳۷)

''آپ کی کنیت ابوتراب بیان کرنا آپ پر طعن نہیں، کیونکہ آپ کو یہ کنیت پسند تھی۔''

وجہ اس کی حدیث پاک میں موجود ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر مسجد میں لیٹے ہوئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جسم پر مٹی کو دیکھ کر فرمایا: "قُمْ ابا تراب ، قُمْ ابا تراب" اے ابوتراب! اٹھو! اے ابوتراب! اٹھو۔ اس وقت سے آپ کو اپنی کنیت ''ابوتراب'' بہت پسند رہی۔

اعتراض:

معاویہ اور ابوسفیان کا ایمان نفع مند نہیں کیونکہ معاویہ اور ان کے باپ ابوسفیان نے فتح مکہ کے دن ایمان لایا' فتح مکہ کے دن ایمان لانا نفع مند نہیں اسلئے کہ قرآن پاک میں ہے:

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ (سورہ سجدہ ۲۹:۲۱)

''تم فرماؤ فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا' اور نہ انہیں مہلت ملے۔'' (کنزالایمان)

جواب:

آیہ کریمہ سے مراد فتح مکہ نہیں بلکہ قیامت کا دن ہے جو فیصلہ کا دن ہے اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہی کتنا خوب ہے: " قل یوم الفتح " " تم فرماؤ فیصلہ کا دن۔" آیئے! معتبر تفاسیر کو دیکھئے:

"(قل یوم الفتح) ای لا یقبل ایمانهم فی تلک الحالة لأن الایمان" المقبول هو الذی یکون فی دار الدنیا ولا ینظرون ای لا یمهلون بالأعادة الی الدنیالیؤمنوا فیقبل ایمانهم"۔

(تفسیر کبیر ج ۲۵ ص ۱۸۸ مطبوعہ ایران)

"اس آیۃ کریمہ میں" یوم فتح" سے مراد یہ ہے کہ ان کا ایمان اس حالت میں یعنی قیامت کے دن قبول نہیں ہوگا کیونکہ ایمان وہی مقبول ہوگا جو دنیا میں لایا گیا ہو ان کو دنیا میں لوٹائے جانے کی مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ ایمان لائیں تو ان کا ایمان قبول کیا جائے۔"

"عن مجاهد فی قوله قل یوم الفتح قال یوم القیامة، واخرج عبد الرزاق وابن جریر وابن المنذر وابن أبی حاتم عن قتادة فی قوله قل یوم الفتح قال یوم القضاء وفی قوله وانتظرانهم منتظرون قال یوم القیامة"۔

(تفسیر در منثور)

"حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول میں فرمایا:" قل یوم الفتح" سے مراد قیامت کا دن ہے اور عبد الرزاق اور ابن جریر اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہم نے قتادہ سے روایت کی کہ" قل یوم الفتح" سے مراد فیصلہ کا دن ہے۔ اور" وانتظر انهم منتظرون" سے مراد قیامت کا دن ہے۔"

"(قل یوم الفتح) ای اذا حل بکم بأس الله وسخطه وغضبه فی الدنیا وفی الآخرة (لا ینفع الذین کفروا ایمانهم ولا هم ینظرون) کما قال تعالی (فلما جاء تهم

"(قل یوم الفتح) کا مطلب یہ ہے کہ جب تم پر اللہ کا عذاب اور اس کی ناراضگی اور اس کا غضب آجائے خواہ دنیا میں یا آخرت میں تو اس دن کافروں کو ان کا ایمان نفع نہیں دے گا

رسلهم بالبینات فرحوا بما عندهم من العلم) الآیتین ومن زعم ان المراد من هذا الفتح فتح مکة فقد ابعد النجحة واخطأ فأفحش فان یوم الفتح قد قبل رسول الله ﷺ الاسلام مطلقا وقد کانوا قریبا من ألفین ولو کان المراد فتح مکة لما قبل اسلامهم لقوله تعالی (قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانهم ولا هم ینظرون) وانما المراد الفتح الذی هو القضاء والفصل کقوله فافتح بینی وبینهم"۔ (تفسیر ابن کثیر)

جیسا کہ اللہ تعالی نے دوسری آیۃ کریمہ میں ارشاد فرمایا (جب ان کے پاس رسول بینات ودلائل لائے تو وہ خوش ہونے لگے) جن لوگوں نے اس زیر بحث آیۃ میں یوم فتح سے مراد فتح مکہ لیا ہے وہ مقصد سے بہت دور ہے اور بہت بڑی غلطی ہے بیشک فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے مطلقا ایمان قبول فرمایا وہ دو ہزار کے قریب تھے، (جن کا ایمان قبول کیا گیا) اگر زیر بحث آیۃ کریمہ میں (یوم الفتح) سے مراد فتح مکہ کا دن ہوتا تو نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کے ارشاد گرامی (قل یوم الفتح......) کے پیش نظر ان کا ایمان قبول نہ فرماتے آپ کا ایمان قبول کرنا ہی اس پر دلالت کر رہا ہے یوم فتح سے مراد فیصلہ کا دن ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے (ترجمہ) (اے اللہ) فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما۔"

تنبیہ:

مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے (یوم الفتح) سے مراد رب تعالی کے فیصلہ کے دن پر ضمنا ایک آیۃ کریمہ کا کچھ حصہ پیش کیا(فلما جاء تهم رسلهم بالبینات فرحوا بما عندهم من العلم) اس کے بعد (الآیتین) تحریر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ اہل علم مکمل دو آیتوں سے مطلب سمجھ لیں۔ چونکہ راقم کی کوشش متوسط طلباء کرام کیلئے ہے اسلئے دونوں آیتوں اور بعد والی آیۃ اور

ان کے ترجمہ کو پیش کیا جا رہا ہے تا کہ طلباء کرام کو سمجھنا آسان ہو۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ○ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○

(سورہ مومن ۲۴: ۸۳ تا ۸۵)

"تو جب ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے تو وہ اسی پر خوش رہے جو ان کے پاس دنیا کا علم تھا اور انہیں پر الٹ پڑا جس کی ہنسی بناتے تھے پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا بولے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جو اس کے شریک کرتے تھے ان سے منکر ہوئے تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے۔" (کنزالایمان)

"(قل يوم الفتح) اى يوم القيامة وهو يوم الفصل بين المؤمنين واعدائهم"
(تفسیر مدارک التنزیل لنسفی)

"یوم فتح سے مراد قیامت کا دن ہے، وہ فیصلہ کا دن ہے مؤمنوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان۔"

"(يوم الفتح) يوم القيامة ظاهر على القول بأن المراد بالفتح الفصل للخصومة فقد قال سبحانه ان ربك هو يفصل بينهم يوم القيامة"
(تفسیر روح المعانی)

"یوم فتح سے مراد قیامت کا دن ہے، ظاہر قول یہی ہے کہ بیشک فتح سے مراد جھگڑے میں فیصلہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے (ترجمہ) بیشک وہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن۔"

اعتراض:

خازن میں فتح مکہ مراد ہے، فتح مکہ کی نفی کس طرح درست ہے؟

جواب:

پہلے خازن کی عبارت اور ترجمہ دیکھئے، پھر صدرالافاضل مولینا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان کو دیکھئے تو شائد تمہیں سمجھ آئے گی کہ اگر زیر بحث آیہ کریمہ میں یوم الفتح سے مراد فتح مکہ لی جائے تو اس سے مراد کون لوگ ہیں؟

"(قل یوم الفتح) یعنی یوم القیامة لا ینفع الذین کفروا ایمانهم ای لا یقبل منهم الایمان ومن حمل یوم الفتح علی فتح مكة او القتل یوم بدر قال معناه لا ینفع الذین کفروا ایمانهم اذ جائهم العذاب۔"

(تفسیر خازن)

"یوم فتح سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کافروں کا ایمان لانا ان کو نفع نہیں دے گا، یعنی ان کا ایمان قبول نہیں ہو گا، جن لوگوں نے یوم فتح سے مراد فتح مکہ یا بدر کی لڑائی کا دن لیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کافروں کو ایمان نفع نہیں دے گا جب ان کے پاس عذاب آئے گا۔"

آیئے! اس کی وضاحت خزائن العرفان میں دیکھئے:

زیر بحث آیہ کریمہ کے حاشیہ ۵۹ میں صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"توبہ ومعذرت کے دن سے یا روز قیامت مراد ہے یا روز فتح مکہ یا روز بدر بر تقدیر اول اگر روز قیامت مراد ہو تو ایمان کا نافع نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ ایمان وہی مقبول ہے جو دنیا میں ہو اور دنیا سے نکلنے کے بعد وہ ایمان مقبول ہو گا نہ ایمان لانے کیلئے دنیا میں واپس آنا میسر آئے گا، اور اگر فیصلہ کے دن سے روز بدر یا روز فتح مکہ مراد ہو تو معنی یہ ہیں کہ جبکہ عذاب آ جائے اور وہ لوگ قتل ہونے لگیں تو حالت قتل میں ان کا ایمان لانا قبول نہ کیا جائے گا اور نہ عذاب مؤخر کر کے انہیں مہلت دی جائے گی، چنانچہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو قوم بنی کنانہ بھاگی حضرت خالد بن ولید نے جب انہیں گھیرا اور انہوں نے دیکھا کہ اب قتل سر پر آ گیا کوئی امید جان بری کی نہیں تو انہوں نے اسلام کا اظہار کیا حضرت خالد

نے قبول نہ فرمایا اور انہیں قتل کر دیا۔ (خزائن العرفان، جمل وغیرہ)

حقیقت یہ ہے کہ اس اعتراض کے نتائج بہت برے ہیں:

وجہ اس کی یہ ہے کہ دو ہزار صحابہ کرام جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ایمان قبول کیا ہے، ان تمام کی شان میں گستاخی لازم آئے گی ان کا ایمان ان کیلئے نفع مند نہیں آئے گا۔

سب سے عظیم گستاخی جس کے تصور سے بھی جسم تھر تھر کانپتا ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی لازم آئے گی کہ آپ نے دو ہزار لوگوں کے ایمان کا اعتبار کیوں کیا ہے جبکہ ایمان ان کیلئے نفع مند ہی نہیں۔ ہاں! غور کر، ذرا یہ تو بتا، کیا قرآن کو تو اچھا سمجھتا ہے یا سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا سمجھتے ہیں۔ جب آپ نے دو ہزار لوگوں کا ایمان قبول کیا تو پتہ چلا کہ جس آیۃ کو جہلاء نے دلیل بنایا وہ دلیل غلط اور باطل ہے۔

تو جاہل واحمق ہے غلط تیرا بیان ہے
کسی محب رسول وصحابہ سے پوچھ کیا شان قرآن ہے

تنبیہ: پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام کے اختلاف اور جنگوں میں دونوں طرف سے قتل ہونے والے صحابہ کرام شہید ہیں، دونوں طرف کے حضرات کو شہید اسی وقت کہا جا سکتا ہے، جب کوئی ایک فریق بھی ظالم نہ ہو، ظالم کے ساتھ قتل ہونے پر شہید نہیں ہوا کرتے۔

راقم بہت ڈرتا ہے:

یہ بیان کرنا تو راقم کیلئے آسان ہے جو مرقاۃ میں یہ ذکر کیا گیا ہے:

" وكان الحسن رضی الله يومئذ احق الناس" ''حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت سب لوگوں سے حق پر تھے۔''

لیکن یہ ذکر کرنا راقم کو کیوں مشکل نظر آتا ہے؟ واللہ اعلم۔ مرقاۃ میں یہ ذکر کیا گیا ہے:

" احد الطائفتين مصيبة والأخرى مخطئة" ''دو گروہوں میں سے ایک درست راہ پر تھا دوسرا غلطی پر تھا۔''

راقم یہ تو کہتا ہے کہ فلاں طرف حق تھا' یہ بھی کہہ لیتا ہے کہ فلاں طرف اجتہادی خطاء تھی۔ہاں! کبھی کسی کے کلام کو نقل کرتے ہوئے بھی کہہ لیتا ہے کہ فلاں غلطی پر تھا' ہوسکتا ہے سہو کتابت سے یا بے توجہی سے یا غلطی سے صحابہ کے ایک فریق کو غلطی پر کہہ دے تو وہ راقم کی غلطی ہوگی' اگرچہ شارحین بھی کہتے ہیں' صحابہ کرام نے غلطیاں کی ہیں۔

راقم کیوں ڈرتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ رب تعالی کی طرف گھٹیا چیز کی نسبت کرنا جائز نہیں یعنی یوں کہنا جائز نہیں ''اللہ خالق الکلاب والخنازیر'' اللہ تعالی کتوں اور خنزیروں کا خالق ہے' ہاں! البتہ یہ کہا جائے۔''اللہ خالق کل شئ'' اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔تو اس کے ضمن میں کتے اور خنزیر بھی آ جائیں گے۔

تو اس لئے راقم نے اجتہادی خطاء کے الفاظ کو ترجیح دی ہے کہ اس میں ثواب ہے گناہ نہیں' لیکن مطلقا خطاء کے الفاظ کا استعمال تو مؤاخذہ کی دعوت دیتا ہے۔

راقم نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہمیشہ یوں کہا:

کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر رجم کی حد کے سبب کو نہ دیکھیں کہ آپ کو فلاں وجہ سے سنگسار کیا گیا' بلکہ محبت صحابہ کرام کا دم بھرتے ہوئے یہ کہہ کر تو دیکھیں' کیا خوب ہی حسین بات نظر آئے گی: حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا ایمان دیکھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں'' یا رسول الله طهرنی ''یارسول اللہ مجھے پاک کریں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' ويحك ارجع فاستغفر الله وتب اليه ''اللہ تم پر رحم کرے لوٹ جاؤ' پھر اللہ سے بخشش طلب کرو اور اسی کی طرف توبہ کرو۔

''قال فرجع غير بعيد ثم جاء فقال يا رسول الله طهرني' فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذلك''

''راوی (بریدہ) کہتے ہیں وہ زیادہ دور نہیں گئے پھر لوٹ کر آ گئے' عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے پاک کریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلے

کی طرح ہی کلام کیا۔"

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا چار مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا مجھے پاک کریں، نبی کریم ﷺ کا انہیں بار بار لوٹانا، ان کا بار بار یہی عرض کرنا، چوتھی مرتبہ اقرار کے بعد آپ کا تحقیق کے بعد حکم دینا کہ "اسے سنگسار کردو" یہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے کامل ایمان اور کامل خوف خدا پر دلالت کرتا ہے۔ آیئے! ذرا نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کو بھی دیکھئے:

"ثم جاء رسول الله ﷺ وهم جلوس فسلم ثم جلس فقال استغفروا لماعز بن مالك قال فقالوا غفر الله لماعز بن مالك ، قال فقال رسول الله ﷺ لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم"

"حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ سنگسار کے دو یا تین دن بعد نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں سلام کہا: پھر آپ بھی بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: ماعز بن مالک کیلئے بخشش طلب کرو، صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کی بخشش کردے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے تو وہ توبہ کی کہ اگر ساری امت پر وہ توبہ تقسیم ہوتی، تو سب کو کافی ہوجاتی۔"

راقم کے ڈرنے کی ایک وجہ یہ ہے:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیہ کریمہ "قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ" کے تحت بیان فرماتے ہیں:

"اضافة الكذب الى رواته أولى من ان يضاف الى الانبياء عليهم السلام"۔ (کبیر)

اگر ایسی کوئی روایت ہو جس میں انبیاء کرام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو۔ (اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے یعنی کوئی ایسی وجہ نہ بیان ہو سکے جس سے انبیاء کرام کی

صداقت ثابت ہو سکے) تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے لیکن انبیاء کرام کو جھوٹا کہنا محال ہوگا روایت کو رد کر دیا جائے گا لیکن انبیاء کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔

راقم نے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے نتیجہ یہ نکالا:

کہ شان صحابہ میں گستاخی کو برداشت کرنا تو مشکل ہے' البتہ مؤرخین کے رطب ویابس اقوال کو دیکھ کر مؤرخین کے اقوال کو رد کرنا آسان ہے۔

ایک بات یاد رہے کہ مؤرخ کا کام اقوال کو جمع کرنا ہے' تحقیق کرنا اس کا کام نہیں' تاریخ کی ایک ہی کتاب میں کئی اقوال ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے نظر آئیں گے۔ کہاں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ''العلماء کالجھلاء'' نام نہاد مبلغین کو جھوٹا کہنا آسان ہے لیکن کسی صحابی کی شان میں گستاخی کو برداشت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں:

صحابہ کرام واہل بیت اطہار کی شان میں حسین امتزاج:

"عن البراء قال رأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم والحسن بن علی علی عاتقه يقول اللهم انی احبه فأحبه".

(بخاری و مسلم، مشکوۃ مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

''حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حسن بن علی آپ کے کندھے پر ہیں اور آپ رب تعالیٰ کے حضور عرض کر رہے ہیں: اے اللہ! بیشک میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔''

"عن أبی هريرة قال خرجت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفة من النهار حتی أتی خباء فاطمة فقال اثم لكع اثم لكع يعنی حسنا

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے کسی حصہ میں نکلا یہاں تک آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے

فلم یلبث ان جاء یسعی حتی اعتنق کل واحد منهما صاحبه فقال رسول الله ﷺ اللھم انی احبه فأحبه واحب من یحبه"۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب اہل بیت النبی ﷺ)

کے حجرے کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: کیا بچہ یہاں ہی ہے' (دوبارہ پھر کہا) کیا بچہ یہاں ہی ہے یعنی حسن۔ابھی کچھ دیر نہ ہوئی بچہ دوڑتا ہوا آ گیا' دونوں نے ایک دوسرے کو گلے سے لگایا تو رسول اللہ ﷺ عرض کرنے لگے: اے اللہ! بیشک میں اس سے محبت کرتا ہوں' تو بھی اس سے محبت کر' اور اس سے بھی محبت کر جو اس سے محبت کرے۔"

تنبیہ:

"خباء" کا معنی اگرچہ خیمہ ہوتا ہے لیکن اس مقام میں حجرہ' یا گھر، یا گھر کا اردگرد۔ راقم نے اسی لئے (حجرہ کے پاس) ترجمہ کیا ہے "لُکَعُ" کا معنی الصبی الصغیر" (چھوٹا بچہ) ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کا ذکر:

"عن یعلی بن مرۃ قال قال رسول الله ﷺ حسین منی وانا من حسین احب الله من احب حسینا حسین سبط من الاسباط"۔

(رواہ الترمذی' مشکوۃ مناقب اہل البیت)

"حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے میں حسین سے متصل ہوں اور حسین میرے ساتھ متصل ہے' اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے حسین میرا نواسہ ہے۔"

وضاحت حدیث:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حسین منی وانا من حسین"

"حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔"

اس حدیث پاک کی شرح کو اسی مناقب کے باب میں ایک دوسری حدیث سے سمجھئے اور خوبصورت امتزاج بھی دیکھئے:

"وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ العباس منی وأنا منه"۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ مناقب اہل بیت)

''عباس مجھ سے ہیں یعنی میرے اُقارب سے ہیں، اور میں ان کا قریبی ہوں، عباس میرے اہل بیت سے ہیں اور میں ان کے خاندان سے منسلک ہوں، عباس میرے ساتھ متصل ہیں، میں ان سے متصل ہوں۔''

(احب الله من أحب حسينا) "فان محبته محبة الرسول ومحبة الرسول محبة الله"

''امام حسین کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت اللہ سے محبت ہے۔''

اسی وجہ سے جو امام حسین رضی اللہ عنہ کا محبّ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھی محبّ ہے۔

امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی محبوبیت کا ذکر:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخر میں یہ دعاء ہے:

"اللهم احبهما فاحبهما وأحب من يحبهما"

(رواہ الترمذی باب مناقب اھل بیت)

''اے اللہ! بیشک میں ان دونوں سے (یعنی حسن اور حسین سے پہلے ان کا ہی تذکرہ ہے) محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر، اور اے اللہ! اس سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت کرے۔''

"عن انس قال سئل رسول الله ﷺ اى اهل بيتك أحب اليك قال الحسن و الحسين و كان يقول لفاطمة ادعى لى ابنتى فيشمهما ويضمهما أليه"۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اہل بیت میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''حسن اور حسین'' آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کو کہا کرتے تھے میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ' آپ دونوں کو سونگھتے تھے اور دونوں کو اپنے سینے سے لگاتے تھے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کو چومنے کی وجہ:

"والمعنی فیحضران فیشمهما لأنهما ریحاناه"

(مرقاة ج ۱۱ص ۳۹۲)

"مطلب یہ ہے کہ جب دونوں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوتے تو آپ ان دونوں کو چومتے اسلئے کہ وہ دونوں آپ کے گل ریحان (ایک خاص پھول کا نام ریحان ہے) تھے۔"

یہ مسئلہ ایک دوسری حدیث سے زیادہ واضح ہو رہا ہے:

"عن عبد الرحمن بن ابی نعم قال سمعت عبد الله بن عمرو سأله رجل عن المحرم قال شعبة احسبه بقتل الذباب قال اهل العراق یسالونی عن الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هما ریحانی من الدنیاء۔"

(رواہ البخاری مشکوۃ، مناقب اہل بیت)

"عبد الرحمٰن بن نعیم کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے سنا کہ ان سے ایک شخص محرم کے متعلق پوچھ رہا ہے کہ حالت احرام میں (شعبہ کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ وہ پوچھ رہا تھا) مکھیوں کو قتل کرنے کا کیا حکم ہے انہوں نے کہا عراقی مجھ سے مکھیوں کے قتل کے بارے میں پوچھتے ہیں حالانکہ انہوں نے تو نواسئہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل (شہید) کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا: یہ دونوں دنیا میں میرے ریحان ہیں۔"

حضرت زید اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کا ذکر:

"عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعث بعثا وأمر علیهم أسامة بن زید فطعن

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا ان پر

بعض الناس فی أمارته فقال رسول الله ﷺ ان کنتم تطعنون فی أمارۃ ابیه من قبل وایم الله ان کان لخلیقا للامارۃ وان کان لمن احب الناس الی وان هذا لمن احب الناس الی بعدہ۔"
(بخاری و مسلم، مشکوۃ مناقب اہل بیت)

امیر اسامہ بن زید کو مقرر فرمایا، بعض لوگوں نے ان کے امیر بنانے پر طعن کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے امیر بنانے پر طعن کر رہے ہو تم تو اس سے پہلے اس کے باپ کے امیر بنانے پر اعتراض کر رہے تھے، قسم ہے اللہ کی، بیشک وہ امیر بننے کے لائق تھا اور بیشک وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا، اور بیشک اس کے بعد یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

وضاحت حدیث:

(اَمَّرَ) میم کی شد سے ہے، اس کا معنی ہے" امیر بنایا "فطعن" طعن کا معنی ہاتھ یا نیزے سے کسی کو نشانہ بنانا (چک دینا)"والمعنی فتکلم الناس" یہاں معنی یہ ہے کہ لوگوں نے اس میں کلام کیا، چہ میگوئیاں کیں کہ یہ نوجوان ہے اور اس کے زیرِ قیادت بڑے بڑے لوگوں کو کر دیا گیا۔

اعتراض: صحابہ نے نبی کریم ﷺ پر اعتراض کیوں کیا، کیا صحابہ کی بہت بڑی غلطی نہ تھی؟

جواب: بعض الناس" ای المنافقون أواجلاف العرب۔" (مرقاۃ)

"بعض الناس سے مراد منافقین ہیں یہ اعتراض کرنے والے منافق لوگ تھے، ہاں! ان کے ساتھ کچھ اکھڑ، اجڈ دیہاتی نئے مسلم بھی مل گئے ہوں، تو ممکن ہے۔"

اسی کو لمعات میں ان الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔

"فقد کنتم تطعنون الطعن فی امارۃ الموالی کان من عادۃ الجاهلیة فلماجاء الله

"زمانہ جاہلیت میں لوگ ہر اس شخص پر اعتراض کرتے تھے جو موالی ہوں لیکن ان کو

الاسلام ورفع قدر من لم یکن له قدر عندهم بالایمان والهجرة والعلم ارتفعت الجاهلیة وعاداتها۔"
(لمعات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

قائد یا حاکم وامیر بنا دیا جائے جب اسلام آ گیا تو ایمان وہجرت وعلم کی وجہ سے ان کی جاہلیت اوران کی عادات کو اٹھا لیا گیا۔اب مطلب واضح ہو گیا کہ معترضین منافق تھے، یا اکھڑ لوگ، دیہاتی تھے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا، جیسے جیسے اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہوتا چلا گیا ان کی عادات بھی بدلتی گئیں۔ "واللہ اعلم بالصواب"

حضرت ابو بکر کی محبوبیت بروایت عمر (رضی اللہ عنہ)

"وعن عمر قال ابو بکر سیدنا وخیرنا وأحبنا الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔"
(رواہ الترمذی مشکوۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابو بکر ہمارے سردار ہیں، اور ہم سب سے بہتر ہیں، اور ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔"

وضاحت حدیث:

(ابو بکر سیدنا) "ای نسبا و حسبا" ابو بکر حسب ونسب میں ہمارے سردار ہیں **(وخیرنا)** ای افضلنا معرفة و کسبا" ہم تمام سے معرفت اور کسب میں آپ افضل ہیں (کسب سے مراد اعمال ہیں) **(واحبنا)** "الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ای حضوراو غیبا" آپ ہم تمام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ محبوب تھے خواہ آپ حاضر ہوتے یا غیب ہوتے۔ ہر حال میں وہ ہم سے زیادہ محبوب تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبوبیت:

"عن سهل بن سعد ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

"سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک

قال یوم خیبر لأعطین هذه الرایة غدا رجلا یفتح الله علی یدیه یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله" (الی آخر الحدیث)

(بخاری ومسلم مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا: میں ضرور برضرور کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا' وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے محبوبین ومحبین:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(سورۃ المائدۃ ۶:۵۴)

"اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے وہ اللہ سے محبت کریں گے' نرم ہوں گے مؤمنوں پر اور سخت ہوں گے کافروں پر' جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں' اور نہیں خوف رکھیں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔"

نتیجہ واضح ہے:

کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہوں' اور مومنوں پر نرم ہوں اور کافروں پر سخت ہوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں یہ منصب اللہ تعالیٰ نے

اپنے فضل سے ان کو عطاء کیا ہے کیونکہ اللہ جسے چاہے اسے ہی عطاء کرتا ہے' اللہ وسعت والا ہے یعنی اس کے فضل اور اس کی عطاء وسیع ہیں اور وہ علم والا ہے وہ جانتا ہے یہ منصب کسے عطاء کرنا ہے۔ رب تعالی اپنے فضل سے کسی کو عطاء کرے تو کوئی دوسرا جلے تو کیا فرق پڑے گا کسی کے جلنے سے کسی کے منصب کا زوال نہیں۔

صحابہ کرام میں یہ اوصاف کامل طور پر پائے جاتے ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۠

(سورۃ الفتح ۲۶:۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضاء چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی' پھر موٹی ہوئی' پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے' تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں' اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان والے اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔ (کنزالایمان)''

فائدہ:

اس آیۃ کریمہ سے واضح کر دیا'' صحابہ سب کے سب صاحب ایمان و عمل صالح ہیں' اس لئے یہ وعدہ سبھی سے ہے۔ (خزائن العرفان)

ان دونوں مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تمام صحابہ کرام اللہ کے محبوب ہیں۔

حضرت علی وحضرت فاطمہ کی محبوبیت بروایت حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم)

"وعن جمیع بن عمیر قال دخلت مع عمتی علی عائشة فسألت ای الناس کان أحب الی رسول الله ﷺ قالت فاطمة فقیل من الرجال قالت زوجها"۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب اہل بیت)

"جمیع بن عمیر (دونوں نام مصغر) فرماتے ہیں: میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو میں نے پوچھا لوگوں میں سے کون زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ (یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں) پھر آپ سے پوچھا گیا مردوں میں سے (کون زیادہ محبوب تھا؟) تو آپ نے فرمایا: ان کے زوج (یعنی مردوں میں سے زیادہ آپ کو محبوب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے)۔"

حضرت ابوبکر عائشہ رضی اللہ عنہما کی محبوبیت:

"عن عمرو بن العاص ان النبی ﷺ بعثه علی جیش ذات السلاسل قال فاتیته فقلت ای الناس أحب الیك؟ قال عائشة قلت من الرجال قال ابو ها قلت ثم من؟ قال عمر فعد رجالا فسکت مخافة ان یجعلنی فی آخرھم"۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر)

"حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے انہیں ذات سلاسل کے لشکر پر امیر بنا کر بھیجا وہ کہتے ہیں جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا: لوگوں میں سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ، پھر میں نے کہا مردوں میں سے کون آپ کو زیادہ

کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے باپ، میں نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا عمر، آپ نے چند حضرات کے نام ذکر فرمائے مجھے ڈر لاحق ہوا کہ مجھے کہیں سب کے آخر میں نہ کر دیں، تو میں خاموش ہو گیا۔

کیا خوب فائدہ حاصل ہوا:

جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں وہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ محبوب ہیں، اور جہاں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آپ کو محبوب ہیں وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی محبوب ہیں۔ ایک ایک رخ اختیار نہ کیا جائے، بلکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت امتزاج فرمایا اسی پر عقیدہ رکھا جائے۔

انصار کی محبوبیت:

"عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی صبیا نا ونساء مقبلین من عرس فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اللهم انتم من أحب الناس الی اللهم انتم من أحب الناس الی یعنی الانصار"۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب جامع المناقب)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شادی کی دعوت ولیمہ سے عورتوں اور بچوں کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: اے اللہ! تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، (یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے) وہ عورتیں اور بچے انصار قبیلہ کے تھے۔"

وضاحت حدیث:

قوله (**من عرس**) وهو بضم العین طعام الولیمة وفی القاموس العرس الاقامة فی الفرح" (مرقاۃ)

"عرس" ولیمہ کے طعام کو بھی کہا جاتا ہے، اور خوشی کے موقع پر قائم رہنے کو بھی عرس کہا جاتا ہے۔"

قوله (**اللهم**) ای اللهم انت تعلم صدقی فیما

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: (اللہم) اس کا

صدقی فیما أقول فی حق الانصار ثم خاطبھم۔"
(لمعات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

مطلب یہ ہے "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں جو انصار کے حق میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے، پھر ان کو خطاب کیا تم سب لوگوں میں مجھے زیادہ محبوب ہو۔"

انصار کی محبت علامت ایمان اور بغض علامت نفاق:

"عن انس عن النبی ﷺ قال آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغض الانصار"۔
(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب جامع المناقب)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان کی نشانی انصار اور محبت ہے، اور منافقت کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔"

"وعن البراء قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الانصار لایحبھم الا مؤمن ولا یبغضھم الا منافق فمن احبھم احبہ اللہ ومن ابغضھم ابغضہ اللہ"
(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب جامع المناقب)

"حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: انصار سے نہیں محبت کرتا سوائے مومن کے اور ان سے نہیں بغض رکھتا سوائے منافق کے، جس نے ان سے محبت کی اللہ اس سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد مصطفوی ﷺ:

"عن ام سلمۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ لا یحب علیا منافق ولایبغضہ مؤمن"
(رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث غریب اسنادا، مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) سے کوئی منافق محبت نہیں کرتا اور ان سے کوئی مومن بغض نہیں رکھتا۔"

"عن المسوربن مخرمہ ان رسول اللہ ﷺ

"مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں: بے شک رسول

قال فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی وفی روایة یریبنی ما أرابها ویؤذینی ما آذاها"۔

اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا' جس نے اسے پریشان کیا اس نے مجھے پریشان کیا' جس نے اسے تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔"

(بخاری و مسلم' مشکوۃ باب مناقب اہل بیت)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ کی روایت میں ہے:

"قال ایها الناس من آذی عمی فقد آذانی فانما الرجل صنوأبیه"۔

(رواہ الترمذی' مشکوۃ باب مناقب اہل بیت)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو ایذاء (تکلیف) پہنچائی اس نے مجھے ایذاء (تکلیف) دی' بیشک انسان کا چچا اس کے باپ کی طرح ہی ہوتا ہے۔"

تنبیہ:

اس سے مراد مومن چچا ہے کافر مراد نہیں' وہ تو آپ کے دس تھے۔ ابولہب کی مذمت رب تعالیٰ نے خود فرمائی۔

"عن اسامة قال کنت جالسا اذ جاء علی والعباس یستأذنان فقالا لأسامة استأذن لنا علی رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله علی والعباس یستأذنان فقال اتدری ما جاء بهما قلت لا قال لکنی ادری ائذن لهما فدخلا فقال یا رسول الله جئناك نسألك ای اهلك احب الیك قال فاطمة بنت محمد قالا ما جئناك نسألك عن

"حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بیٹھا ہوا تھا (رسول اللہ ﷺ کے پاس) اسی دوران حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما آئے اجازت طلب کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ سے ان دونوں نے اسامہ کو کہا جاؤ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے آنے کے متعلق بتاؤ اور ہمارے لئے اجازت طلب کرو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! علی اور عباس

رضی اللہ عنہما اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ انہیں کیا چیز لائی ہے؟ میں نے کہا نہیں (مجھے کوئی علم نہیں) آپ نے فرمایا لیکن میں جانتا ہوں ان کو اجازت دے دو۔ وہ حاضر ہوئے عرض کرنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس لئے آئے ہیں کہ ہم آپ سے پوچھیں آپ کی اہل سے آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟

اهلك قال احب اهلی الی من قد انعم الله علیه وانعمت علیه أسامة ابن زید قالا ثم من؟ قال ثم علی ابن أبی طالب فقال العباس یا رسول الله جعلت عمك آخرهم قال ان علیا سبقك بالهجرة"۔

(رواہ الترمذی مشکوۃ باب مناقب اہل البیت)

آپ نے فرمایا: فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے عرض کیا: ہم اس لئے آپ کے پاس حاضر نہیں ہوئے کہ آپ کی اولاد کے متعلق سوال کریں، تو آپ نے فرمایا: میرے قرابت داروں میں سے وہی مجھے زیادہ محبوب ہے (جس کے متعلق رب تعالی نے فرمایا) (تحقیق اللہ کا انعام ہے اس پر اور آپ کا انعام اس پر) وہ اسامہ بن زید ہے۔ ان دونوں حضرات نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا پھر علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنے چچا کو ان کے آخر میں کر دیا، تو آپ نے فرمایا کہ بیشک علی (رضی اللہ عنہ) نے تم سے پہلے ہجرت کی۔"

فائدہ جلیلہ:

اس حدیث پاک میں "اہل" کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا۔ ایک اولاد کے معنی میں اور دوسرا اقربی رشتہ داروں کے معنی میں، اسلئے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اس سوال "ای اهلك احب الیك" آپ کو اپنی اہل میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ کے جواب میں آپ نے فرمایا: "فاطمہ" تو ان دونوں نے کہا: "ما جئناك نسألك عن أهلك" ہم آپ کے پاس آپ کی اولاد کے بارے میں سوال کرنے کیلئے نہیں

آئے'' یہاں اہل بمعنی اولاد ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: احب اھلی الی من قد انعم اللہ علیہ وانعمت علیک "اسامۃ بن زید'' مجھے میرے رشتہ داروں میں سے زیادہ محبوب وہ ہے (جس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا) ''تحقیق اللہ کا انعام ہے اس پر اور آپ کا انعام ہے اس پر'') وہ اسامہ بن زید'' اس مقام میں اہل کا معنی قریبی رشتہ دار ہیں۔

محبت میں اولیت زیادتی مدارج کا سبب نہیں:

"قولہ ثم علی بن ابی طالب وھذا نص جلی علی انہ لا یلزم الا حبیۃ الا فضلیۃ فان علیھا افضل من اسامۃ وزید بالاجماع"۔

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۹۵)

''نبی کریم ﷺ نے محبت میں حضرت اسامہ بن زید کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اولیت دی لیکن اولیت محبت سے افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی' کیونکہ اس مسئلہ میں اجماع امت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسامہ اور زید رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔''

صحابہ کرام کے مختلف قبائل کی محبیت ومحبوبیت:

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ قریش والانصار وجھینۃ ومزینۃ واسلم وغفار واشجع موالی لیس لھم مولی دون اللہ ورسولہ"۔

(بخاری' مسلم' مشکوۃ باب مناقب قریش وذکر القبائل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش اور انصار اور جہینہ اور مزینہ اور اسلم اور غفار اور اشجع (قبائل) میرے موالی ہیں' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ ان کا کوئی مولی نہیں۔''

ولی اور مولی کا معنی مددگار بھی ہے اور محب ومحبوب بھی ہے۔ مطلب واضح ہے کہ یہ قبائل میرے مددگار بھی ہیں اور میرے محب بھی ہیں اور میرے محبوب بھی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے علاوہ ان کا کوئی محبوب ومحب نہیں۔

بغضِ عرب بغضِ مصطفیٰ ﷺ ہے:

"وعن سلمان قال قال لی رسول الله ﷺ لا تبغضنی فتفارق دینك قلت یا رسول الله کیف ابغضك وبك ھدانا الله قال تبغض العرب فتبغضنی"۔

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب، مشکوۃ باب مناقب قریش وذکر القبائل)

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ بغض نہ رکھنا، دین سے جدا ہو جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے تو مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عرب سے بغض رکھنا میرے ساتھ بغض رکھنا ہے۔"

حدیث پاک کا نتیجہ واضح ہے:

کہ عرب سے مراد مسلمان حضرات ہی ہیں، کفار مراد نہیں ہو سکتے۔ تو پتہ چلا کہ تمام عرب صحابہ کرام میں سے کسی ایک سے بغض رکھنا در حقیقت نبی کریم ﷺ سے بغض رکھنا ہے، اور نبی کریم ﷺ سے بغض رکھنا دین سے پھر جانا اور بے ایمان ہونا ہے۔

"والحاصل ان بغض العرب قد یصیر سببا لبغض سید الخلق فالحذر فالحذر کیلا تقع فی الخطر"۔

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۶۶)

"حاصل حدیث یہ ہے کہ بیشک عرب سے بغض رکھنا کبھی سید الخلق رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھنے کا سبب بن جاتا ہے اس سے بچ کر رہو، بچ کر رہو تا کہ تم (ایمان کے ضائع ہونے کے) خطرہ میں نہ پڑو۔"

"علی مجھ سے، میں علی سے" کا مطلب کیا ہے؟

"عن عمران ابن حصین ان النبی ﷺ قال ان علیا منی وانا منه وھو ولی کل

"عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک علی مجھ سے

متعلق ہے، اور میں علی سے متعلق ہوں اور وہ ہر مؤمن کے ولی ہیں۔"

مؤمن"۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب علی بن ابی طالب)

"قوله (ان علیا منی وانا منه) ای فی النسب والمصاهرة والمسابقة والمحبة وغیر ذلك من المزایا والخصوصیات لا فی محض القرابة والا فجعفر وعقیل شریکان" (لمعات)

(ان علیا منی وانا منه) کا مطلب یہ ہے کہ علی کو میرے ساتھ اور مجھے ان کے ساتھ نسبی تعلق ہے۔ یعنی ان کا نسب میرے نسب سے متعلق ہے اور میرا نسب ان سے متعلق ہے۔ مصاہرت میں ہمارا تعلق ہے یعنی وہ میرے داماد ہیں اور میں ان کا سسر ہوں۔ مسابقت کی وجہ سے ہمارا تعلق ہے، بچوں میں سے پہلے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ہی ان کا تعلق مجھ سے خصوصی ہے، اور میرا ان سے خصوصی تعلق ہے۔

محبت کی وجہ سے ہمارا تعلق ہے، وہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میں ان سے محبت رکھتا ہوں ان خصوصی تعلقات کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق تھا صرف رشتہ داری کے لحاظ پر حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہما بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شریک ہیں یعنی سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جیسا رشتہ رکھتے ہیں۔

"عن حبشی بن جنادة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی منی وانا من علی ولایؤدی عنی الا انا أو علی"۔

(رواہ الترمذی ورواہ احمد من ابی جنادة، مشکوۃ باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

"حبشی بن جنادہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی میرے ساتھ متعلق ہیں اور میں علی کے ساتھ متعلق ہوں، میری طرف یہ کوئی اور ادا نہیں کرسکتا، سوائے میرے اور علی کے۔"

"لما فرض الحج أمر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أبا بکر بأن یحج بالناس ثم بعث علیا لینبذ علی المشرکین عهدهم ویقرأ علیهم سورة برأة وکان من عادتهم اذا کان بینهم معادلة

"جب حج فرض ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو حج کرائیں، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ مشرکوں کو صلح حدیبیہ کی پابندیاں

فی صلح ونقض وابرام لا یؤدی الاسید القوم أومن یلیه من ذی قرابة ولا تقبلون ممن سواهم فقال هذا تکریما له واعتذارا لأبی بکر"۔

(الماخوذ من لمعات ومرقاۃ)

نہ کرنے کی وجہ سے اعلان کردیں کہ ہم بھی معاہدہ توڑ رہے ہیں۔ ان کو سورۃ براءۃ کی آیات سنانے کے لئے مشرکین سے بیزاری کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا' وجہ اس کی یہ تھی کہ اس وقت عرب لوگوں کا دستور یہ تھا کہ صلح یا وعدہ کے توڑنے کا اعلان قوم کا سردار خود کرتا یا اپنے قریبی رشتہ دار کو بھیجتا وہ اعلان کرتا۔ کسی دوسرے شخص کے اعلان کو وہ نہیں سنتے تھے، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکریم بھی ہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس عذر کرنا بھی ہے۔"

حج کے امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی رہے:

"عن أبی هریرة قال بعثنی ابو بکر فی الحجة التی امره النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل حجة الوداع یوم النحر فی رهط أمره ان یؤذن فی الناس الا لا یحج بعد العام مشرك ولا یطوفن با لبیت عریان"۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب قصۃ حجۃ الوداع و الطواف)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنا کر بھیجا اس میں انہوں نے دس ذی الحج کو مجھے بھیجا ایک قافلہ میں اور مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں میں اعلان کردوں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور بیت اللہ شریف کا ننگے طواف نہیں کرے گا۔"

مختصر وضاحت:

حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کے ایک قافلہ کا امیر بنا

کر بھیجا۔ یہ حج ۹ھ میں ادا کیا گیا' ننگے طواف کرنے سے منع کیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین بیت اللہ شریف کا اس لئے ننگے طواف کرتے تھے کہ ہمارے کپڑے حلال مال کے نہیں ہوتے اس لئے ہم یہ کپڑے پہن کر طواف نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط رسم کو مٹانے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے اعلان کرادیا۔

عباس مجھ سے اور میں عباس سے:

"وعن ابن عباس قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم العباس منی وأنا منه۔"
(رواہ الترمذی' مشکوۃ باب مناقب اہل البیت)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس مجھ سے متعلق ہے' میں عباس سے متعلق ہوں۔"

وضاحت حدیث:

(قوله العباس منی) "ای من اقاربی أومن أهل بيتي أو متصل بی"۔
(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۸۸)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد" عباس مجھ سے متعلق ہے" کا مطلب یہ ہے کہ عباس میرے قریبی رشتہ داروں سے ہیں یعنی آپ کے چچا اور میرے اہل بیت سے ہیں' اور میرے ساتھ متصل ہیں۔"
(راقم)

واضح ہوا کہ "اہل بیت" کا اطلاق آپ کے چچا پر بھی ہے۔

ادب سیکھنا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سیکھئے:

"وكان العباس اكبر منه صلی اللہ علیہ وسلم بسنتين ومن لطائف طبعه وحسن أدبه أنه لما قيل له انت اكبر أم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال هو اكبر وأنا أسن"۔

"حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بڑے تھے، آپ کی طبیعت کے لطائف اور حسن ادب یہ ہے کہ جب آپ کو کہا گیا کہ آپ بڑے ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۸۸)

بڑے ہیں، تو آپ نے جواب دیا بڑے تو وہی ہیں اور عمر میری زیادہ ہے۔"

سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے چڑھایا:

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپن میں گم ہو گئے تھے' تو آپ کی ماں نے نذر مانی کہ اگر میرا بچہ مل گیا تو میں کعبہ شریف پر غلاف چڑھاؤں گی۔ جب یہ مل گئے تو ان کی والدہ نے اپنی نذر پوری کر دی کعبہ شریف پر غلاف چڑھا دیا' سب سے پہلا غلاف یہی چڑھایا گیا جو آج تک جاری ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

آپ زمانہ جاہلیت میں قوم کے رئیس تھے' حاجیوں کو پانی پلاتے تھے' مسجد حرام کی تعمیر کیلئے قریش کو برانگیختہ کرتے (ابھارتے) تھے۔ گالی گلوچ' قطع تعلقی سے دور رہتے تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: آپ نے وفات کے دن (۷۰) غلام آزاد کئے۔ عام الفیل (ہاتھی والے سال) سے تقریباً دو سال پہلے پیدا ہوئے جمعہ کے دن ۱۲ رجب ۳۲ھ ۸۸ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ بقیع میں دفن ہوئے' اسلام آپ نے پہلے سے قبول کیا ہوا تھا لیکن چھپایا ہوا تھا۔ بدر میں آپ کو جبراً لایا گیا تھا' اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں فرمایا: "من لقی العباس فلا یقتله فانه خرج مکرها" جو عباس کو ملے وہ انہیں قتل نہ کرے کیونکہ ان کو جبراً لایا گیا ہے۔ بدر میں کافروں کے ساتھ آنے کی وجہ سے ان کو قید بھی کیا گیا' انہوں نے فدیہ بھی دیا' پھر مکہ میں چلے گئے' پھر ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے۔

(ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۸۸)

حسین مجھ سے اور میں حسین سے:

"عن یعلی بن مرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حسین منی وانا من حسین احب الله

"حضرت یعلی ابن مرہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسین

من احب حسینا حسین سبط من الاسباط"۔
(رواہ الترمذی' مشکوۃ باب مناقب اہل بیت)

مجھ سے اور میں حسین سے ہوں اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے' حسین بیٹوں میں سے بیٹا ہے۔"

وضاحت حدیث:

(قوله حسين منى وانا من حسين) قال القاضی کانه ﷺ بنور الوحی ما سیحدث بينه وبين القوم فخصه بالذكر وبين انهما كالشئ الواحد فی وجوب المحبة وحرمة التعرض والمحاربة وأكد ذلك بقوله (احب الله من احب حسينا) فان محبته محبة الرسول ومحبة الرسول محبة الله"۔
(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۹۲)

"نبی کریم ﷺ کے ارشاد "حسین مجھ سے متعلق ہیں اور میں حسین سے متعلق ہوں" کا مطلب علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے یوں بیان فرماتے ہیں: گویا کہ نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور قوم کے درمیان واقعات نمودار ہوں گے' اسی وجہ سے ان کا خصوصی ذکر فرمایا اور یہ واضح کیا بیشک وہ دونوں یعنی نبی کریم ﷺ اور امام حسین رضی اللہ عنہ ایک چیز کی طرح ہیں' دونوں سے محبت رکھنا واجب ہے' دونوں سے لڑائی کرنے یا گستاخی کے طور پر دونوں کے درپے ہونا (پیچھے پڑنا) حرام ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے زیادہ تاکید فرمائی' اپنے دعائیہ کلمات سے "اللہ اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھے"۔ پھر آپ نے فرمایا "سبط من الاسباط" یعنی یہ میری بیٹی کا بیٹا ہے "السبط ولد الولد"

اولاد کی اولاد کو سبط کہا جاتا ہے' خواہ پوتا ہو یا نواسہ۔

''علی منی وانا من علی'' سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ ثلاثہ پر ثابت نہیں ہو سکتی:

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ ''علی مجھ سے متعلق ہیں اور میں علی سے متعلق ہوں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر افضلیت دیں تو سمجھ لیں کہ یہ مبلغ جاہل مطلق ہے کیونکہ یہی ارشاد حضرت عباس اور امام حسین رضی اللہ عنہما کیلئے بھی ہے تو ان دونوں کو بھی تینوں خلفاء راشدین پر افضل ماننا لازم آئے گا' جو اجماع امت کے خلاف ہے' محبوبیت کا ذکر بھی راقم نے احادیث کے ذریعے وسیع تر بیان کر دیا' اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ خیبر کے موقع پر اس ارشاد "قال یوم خیبر لأعطین هذه الرایه غدا رجلا یفتح علی یدیه یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله" (خیبر کے دن آپ کا فرمان کہ کل میں اسے جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہو گی وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تینوں خلفاء راشدین پر افضل ہونے پر دلیل قائم کرنا غلط ہے کیونکہ محبوبیت کا ذکر بھی وسیع تر پیش کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُخوت:

"عن ابن عمر قال آخی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابه فجاء علی تدمع عیناه فقال آخیت بین اصحابك ولم تؤاخ بینی وبین أحد فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انت أخی فی الدنیا والآخرة"۔

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان مؤاخات قائم کی (یعنی بھائی چارہ قائم کیا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے' آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنے صحابہ کے

درمیان بھائی چارہ قائم کیا لیکن میرے اور کسی ایک کے درمیان بھائی چارہ قائم نہیں کیا' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میرے بھائی ہو دنیا میں اور آخرت میں''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اخوت:

"عن عبد الله مسعود عن النبی ﷺ قال لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکنه أخی وصاحبی وقد اتخذ الله صاحبکم خلیلا"۔

(رواہ مسلم، مشکوۃ باب مناقب أبی بکر)

''عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور میرے دوست ہیں' تحقیق اللہ تعالی نے تمہارے صاحب کو خلیل بنادیا''۔

"وفی روایة للبخاری کنت متخذا من أمتی خلیلا ولکن اخوة الاسلام افضل"

''بخاری کی ایک روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن اخوت اسلامی (یعنی اسلامی بھائی چارہ) افضل ہے''۔

"عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال ان من أمن الناس علی فی صحبته وماله ابوبکر وعند البخاری أبا بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت أبا بکر خلیلا ولکن اخوة الاسلام ومودته، لا تبقین فی المسجد خوخة الا خوخة أبی بکر وفی روایة لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لاتخذت أبا بکر خلیلا"۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک کسی کی صحابیت اور اس کے مال کا مجھ پر اگر بڑا احسان وانعام ہے تو وہ ابوبکر ہیں (بخاری میں ابا بکر ہے) اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن ان کے ساتھ اسلامی بھائی چارہ اور محبت ہے۔ مسجد میں کھلنے والا کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابوبکر کے دریچہ کے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر میں اپنے رب کے بغیر کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا''۔

وضاحت حدیث:

''امن'' میں ہمزہ اور میم مفتوح ہیں، اور نون مشدد ہے''ای انعمھم ''یعنی لوگوں میں سے سب سے زیادہ کسی کی صحبت و مال میں مجھ پر زیادہ احسان و انعام ہے تو وہ ابوبکر ہیں یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جب ''ابوبکر'' پڑھا جائے، مبتداء محذوف نکالا جائے۔ ''ھو ابوبکر'' پورا جملہ اسم ''ان'' بنایا جائے، بخاری نے ''ابا بکر'' ذکر کیا ہے جو اسم ''ان'' ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا سب لوگوں میں سے زیادہ ابوبکر کے مال و صحبت کا مجھ پر احسان و انعام ہے۔

(ولو کنت متخذا خلیلا) "قال القاضی الخلیل الصاحب الواد الذی یفتقر الیہ ویعتمد فی الأمور علیہ فأن اصل الترکیب من الخلۃ بالفتح وھی الحاجۃ والمعنی لو کنت متخذا من الخلق خلیلا ارجع الیہ واعتمد علیہ فی جملۃ الأمور ومجامع الأحول ھو اللہ تعالی"۔

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۱)

''خلیل'' کا لفظ ''خلۃ'' (بالفتح) سے لیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے، جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جائے اور تمام امور میں اس پر اعتماد کیا جائے یعنی اگر میں اپنی حاجات میں اللہ تعالی کے بغیر کسی اور کی طرف رجوع کرتا تو ابوبکر کی طرف رجوع کرتا لیکن میں نے اپنا خلیل یعنی اپنا محتاج الیہ صرف اللہ تعالی کو بنا لیا ہے لیکن ہمارے درمیان اخوت اسلامی پائی گئی اور محبت پائی گئی ہے۔''

"لا تبقین فی المسجد خوخۃ الا خوخۃ أبی بکر"۔ کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے اردگرد گھر تھے جن کے چھوٹے دروازے مسجد میں کھلتے تھے سب کو بند کرنے کا حکم دیا گیا سوائے حضرت ابوبکر کے دروازے کے، اسے مسجد میں کھلنے کی اجازت کو برقرار رکھا گیا۔

نتیجہ واضح ہوا:

کہ صرف اخوت کا اعتبار کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضلیت نہیں دی جا سکتی اسلئے کہ آپ کو بھی اخوت اسلامی حاصل ہے۔ مراد دونوں حضرات کی اخوت سے اخوت اسلامی ہی ہے۔ صرف چچازاد تو آپ کے حضرت عقیل، حضرت جعفر بھی ہیں۔

امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں:

"عن أبی سعید قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنة"۔ (رواہ الترمذی مشکوۃ باب مناقب اہل البیت)

"حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔"

حدیث پاک کے تین مطلب:

(۱) "قال المظھر یعنی ھما افضل من مات شابا فی سبیل الله من اصحاب الجنة ولم یرد بہ سن الشباب لانھما ماتا وقد کھلا بل ما یفعله الشباب من المروة کما یقال فلان فتی وان کا ن شیخا یشیرالی مروته وفتوته"

"ایک مطلب یہ ہے یہ جو لوگ جوانی میں فوت ہوئے اور جنت کے مستحق ہوئے، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ان کے سردار ہوں گے۔ حدیث پاک سے مراد خود حضرات حسنین کریمین کی جوانی مراد نہیں کیونکہ وہ دونوں بڑھاپے کی عمر میں فوت ہوئے ہیں۔ ہاں! البتہ دونوں کی مروت مراد ہے، جیسے جوانی میں مروت پائی جاتی ہے، بعض اوقات بوڑھے شخص کو مروت کی وجہ سے کہا جاتا ہے "یہ جوان ہے"۔

(۲) أوانھما سیدا اھل الجنة سوی الانبیاء والخلفاء الراشدین وذلك لأن اھل الجنة

"دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات انبیاء کرام اور خلفاء راشدین کے علاوہ باقی

کلھم فی سن واحد وھو الشباب ولیس فیھم شیخ ولا کھل"۔

جنتیوں کے سردار ہوں گے اسلئے کہ جنت والے تمام ایک عمر کے ہوں گے، وہ جوانی کی عمر ہوگی (یعنی تیس تیس سال کی عمر ہوگی) ان میں کوئی تھوڑا بوڑھا یا زیادہ بوڑھا نہیں ہوگا۔"

(۳) "وقال الطیبی ویمکن ان یراد ھما الأن سیدا شباب من ھم من اھل الجنة من شبان ھذا الزمان"

"تیسرا مطلب یہ ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ اس زمانے میں جو جنت کے مستحق جوان ہیں ان کی سرداری انہیں حاصل ہے۔"

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جنت کے بڑوں کے سردار ہوں گے:

"وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر وعمر سیدا کھول أھل الجنة من الأولین والاٰخرین الا النبیین والمرسلین رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجة عن علی"
(مشکوۃ، باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اگلے اور پچھلے جنت کے بوڑھوں (بڑوں) کے سردار ہو ں گے، سوائے انبیاء ومرسلین (رسولوں) کے۔"

کمال بات یہ ہے:

کہ یہی حدیث ابن ماجہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

وضاحت حدیث:

"وفی الجامع الصغیر رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ عن علی"

جامع صغیر للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے: ترمذی نے جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ مسند احمد میں بھی ان ہی سے مروی ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

سے روایت کی۔"

مسند احمد کی ایک روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

"قال صلی اللہ علیہ وسلم سیدا کھول اھل الجنۃ و شبابھما بعد النبیین والمرسلین واخرجہ المخلص الذھبی ولم یقل شبابھما"

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں (ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما) جنت کے بڑوں اور جوانوں کے سردار ہوں گے۔"

"وانما قال سیدا کھول اھل الجنۃ شباب اشارۃ الی کمال الحال فان الکھل اکمل الانسانیۃ عقلا من الشباب ومدارج الجنۃ علی قدر العقول کما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلی یا علی اذا تقرب الناس با نواع البر فتقرب انت بانواع العقل"

"زیادہ روایات میں "شباب" (جوانوں کی سرداری) کا تذکرہ نہیں' بلکہ صرف "سیدا کھول اھل الجنۃ" (بڑوں کے جنت میں سردار ہوں گے) کا تذکرہ ہے' حالانکہ شیخین کریمین کو جنت کے جوانوں پر بھی سرداری حاصل ہوگی۔ وجہ اس کی کمال حال کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ جوانی کی بنسبت بڑی عمر میں عقل انسانی میں کمال حاصل ہوتا ہے۔"

اور جنت کے مدارج کی دارومدار قدرِ عقول پر ہی ہوگی' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جب لوگ مختلف نیکیوں کی وجہ سے تقرب حاصل کریں گے' تو تم عقل کی مختلف اقسام سے تقرب حاصل کرنا۔

نتیجہ واضح ہے کہ:

اگر حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو جنتیوں کی سرداری حاصل ہے تو ان سے بڑھ کر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جنتیوں کی سرداری حاصل ہے۔ اگر کوئی رافضی بریلویت کا لبادہ اوڑھ کر حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کے جنتیوں کے سردار ہونے والی حدیث سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دے تو وہ دجال وکذاب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کے شہر کا دروازہ ہیں:

"عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنا دارالحکمة وعلی بابها"۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔"

وضاحت حدیث:

بعض روایات میں ہے"أنا مدینة العلم "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ اور مصابیح کی روایت میں ہے"انا دار العلم "چونکہ دار کا معنی گھر بھی ہے اور شہر بھی ہے' چاہے تو یوں معنی کیا جائے میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں' چاہے تو یوں معنی کیا جائے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں (بہتر یہی ہے کہ شہر ہی معنی کیا جائے تا کہ سب کا معنی ایک ہی رہے)

" وفی روایة زیادة فمن اراد العلم فلیأته من بابه"

"ایک روایت میں کچھ الفاظ زائد بھی ہیں' جن کا ترجمہ یہ ہے جو شخص علم کا ارادہ رکھتا ہو وہ دروازے سے آئے۔"

"والمعنی علی باب من ابوابها ولکن التخصیص یفید نوعا من التعظیم"

"مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کے شہر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں' لیکن آپ کا خصوصی طور پر ذکر آپ کی عظمت کے بیان کیلئے ہے۔"

عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ شہر کا ایک دروازہ نہیں ہوتا' بلکہ کئی دروازے ہوتے ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعض صحابہ پر فضیلت اور علمی برتری حاصل ہے:

"وھو کذلك لأنه بالنسبة الی بعض الصحابة اظھم واعلمھم ومما یدل علی

حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کے شہر کا دروازہ ہیں بنسبت بعض صحابہ کرام کے' یعنی آپ کو بعض

ان جمیع الاصحاب بمنزلة الأبواب قوله ﷺ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم مع الایماء الی اختلاف مراتب انوارھا فی الاهتداء"

صحابہ کرام پر عظمت حاصل ہے اور بعض پر آپ کو علمی فوقیت حاصل ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ تمام صحابہ کرام علم کے شہر کے دروازے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس اقتداء کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔ البتہ اس طرف اشارہ واضح ہے کہ صحابہ کرام کے مراتب مختلف ہیں، اس لئے ہدایت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔"

واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر فضیلت حاصل نہیں تھی۔

علم کے شہر کا دروازہ ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بند نہیں:

"ومما یحقق ذلك ان التابعین اخذوا انواع العلوم الشرعیة من القراءة والتفسیر والحدیث والفقه من سائر الصحابة غیر علی رضی الله عنه ایضا فعلم عدم انحصار البابیة فی حقة"

"تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ بیشک تابعین نے مختلف قسم کے علوم شرعیہ یعنی علم قرأت علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ صحابہ کرام سے ہی حاصل کئے ہیں، سب ہی کے استاذ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ مختلف صحابہ کرام سے یہ علوم تابعین نے حاصل کئے ہیں، تو مسئلہ واضح ہوا کہ علم کے شہر کا دروازہ ہونا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بند نہیں تھا۔"

جزئی فضیلت کو کلی پر محمول نہ کیا جائے:

بعض صحابہ کرام کو کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے صحابہ کرام پر فضیلت حاصل ہے وہ

جس وجہ سے فضیلت حاصل ہے اس میں بند رہے گی۔ وہ ایک وجہ فضیلت خلفاء راشدین پر فضیلت کا سبب نہیں بنے گی۔

"اللھم الا ان یختص بباب القضاء فانه ورد فی شأنه أنه اقضاکم کما انه جاء فی حق أبی أنه اقرؤکم وفی حق زید بن ثابت أنه افرضکم وفی حق معاذ بن جبل انه اعلمکم بالحلال والحرام"

"ہاں! اگر یوں کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قضاء (فیصلہ کرنے) کا دروازہ خاص ہے کیونکہ آپ کی شان میں روایت موجود ہے کہ "بیشک علی رضی اللہ عنہ تم سب سے اعلیٰ قاضی ہیں۔ (سب سے اچھا فیصلہ کرتے ہیں)

جیسا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے "بیشک ابی تم سب سے زیادہ اچھے قاری ہیں۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حق میں مروی ہے کہ زید بن ثابت تم سب سے زیادہ میراث کا علم رکھتے ہیں۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ وہ تم سب سے زیادہ حلال وحرام کا علم رکھتے ہیں۔"

نتیجہ واضح ہے:

کہ کسی ایک ایک مسئلہ میں فوقیت کی وجہ سے حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کو خلفاء راشدین پر فوقیت حاصل نہیں تو اسی طرح منصب قضاء میں فوقیت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے تینوں خلفاء راشدین پر افضل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خیبر میں آپ کو جھنڈا دیا جانا اور آپ کے ہاتھ پر خیبر کا فتح ہونا بھی جزئی فضیلت رکھتا ہے، اس سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تینوں خلفاء راشدین پر فضیلت نہیں دی جا سکتی۔ وہاں تو ہر صحابی کی تمنا یہی تھی کہ کاش جھنڈا مجھے مل جائے کیونکہ ہر صحابی کو یقین یہی تھا کہ جسے بھی جھنڈا دے دیا گیا اسے ہی فتح حاصل ہوگی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرما دیا ہے کہ جھنڈا اسے دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے، چونکہ سب صحابہ کو یہ وصف حاصل تو تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی

رضی اللہ عنہ کو یہ جزئی خصوصیت عطاء فرمائی۔ اس جزئی خصوصیت کا اہل سنت میں سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ ان کی اکیلے گواہی کو دو کے برابر مقام حاصل تھا لیکن اس جزئی فضیلت کی وجہ سے ان کو چار خلفاء راشدین میں سے کسی ایک پر بھی فضیلت حاصل نہیں تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علمی کمال:

"ومما یدل علی جزالة علمه ما فی الریاض عن معقل بن یسار قال وضأت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال هل لك فی فاطمة تعودها فقلت نعم فقام متوكئا علی فقال أنه سیحمل ثقلها غیرك ویكون اجرها لك قال فكأنه لم یكن علی شئ حتی دخلنا علی فاطمة فقلنا كیف تجدینك قالت لقد اشتد حزنی واشتد فاقتی وطال سقمی قال عبد الله بن احمد حنبل وجدت بخط أبی فی هذا الحدیث قال أوما ترضین ان زوجك اقدمهم سلما واكثرهم علما واعظمهم حلما" اخرجه احمد"

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمی کمال پر معقل بن یسار کی روایت دلالت کر رہی ہے جو ریاض الصالحین میں ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی عیادت کیلئے چلو گے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! تو آپ مجھ پر سہارا لگا کر کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: یہ بوجھ تو ابھی کسی اور پر چلا جائے گا البتہ اجر تمہیں ملے گا (یعنی میرے سہارے کا بوجھ تمہیں محسوس نہیں ہوگا، البتہ ثواب تمہیں ملے گا) معقل بن یسار کہتے ہیں: آپ کے فرمان پر ہی مجھ پر کوئی بوجھ نہ رہا، پھر ہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے (یقینی بات یہی ہے کہ یہ پردے میں سن رہے تھے) آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: تم اپنے آپ کو کیسے پاتی ہو؟ انہوں

نے کہا پریشانی بہت ہے فاقہ زیادہ ہے اور مرض لمبی ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں: میں نے اس حدیث پر اپنے باپ حضرت احمد بن حنبل کے خط سے لکھا ہوا یہ پایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارے زوج کو اسلام میں سبقت حاصل ہے۔ اور ان کو کثیر علم حاصل ہے اور عظیم بردباری حاصل ہے۔

"وعن ابن عباس وقد سأله الناس فقالوا ای رجل کان علیا قال قد ملئ جوفه حکما وعلما وبأسا ونجدة مع قرابته من رسول الله ﷺ"۔

(اخرجہ احمد فی المناقب)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے لوگوں نے پوچھا: علی کیسے شخص ہیں؟ تو آپ نے کہا کہ ان کا پیٹ علم وحکمت و بہادری سے بھرا ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے آپ کو بلندی حاصل ہے۔"

"وعن سعید بن المسیب قال عمر کان یتعوذ من معضلة لیس لها ابو حسن" اخرجه احمد"

"حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشکل و پیچیدہ مسائل سے پناہ پکڑتے تھے کہ اس کیلئے ابو الحسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) موجود نہیں ہیں۔"

رافضیوں کی دلیل باطل:

"قال الطیبی لعل الشیعة تتمسك بهذا التمثیل ان اخذ العلم والحکمة عنه مختص به لا یتجاوزه الی غیره الا بواسطته رضی الله عنه لأن الدار انما یدخل من بابها وقد قال تعالی وأتوا البیوت من ابوابها ولا حجة لهم فیه اذلیس دارا لجنة بأوسع من دار الحکمه ولها ثمانیة ابواب"

"علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے شیعہ اس مثال سے یہ دلیل پکڑیں کہ بیشک علم وحکمت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ آپ کے واسطہ کے بغیر کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتا جیسا کہ کسی گھر میں سوائے دروازہ کے کوئی داخل نہیں ہوسکتا' رب تعالی نے بھی گھروں میں دروازے سے آنے کے متعلق ارشاد

فرمایا ہے لیکن یہ ان کے دلیل باطل ہے کیونکہ جنت کے بھی آٹھ دروازے ہیں اور جنت کا گھر علم کے گھر سے زیادہ وسیع نہیں۔ اس لئے علم کے شہر یا علم کے گھر کے بھی کئی دروازے ہیں۔ (ازوضاحت حدیث تا ایں جاماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۴۵ تا ۳۴۶)

اعتراض:

مشکوۃ سے جو یہ حدیث نقل کی گئی ہے اس کے متعلق تو آخر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے:

"وقال روی بعضهم هذا الحديث عن شريك ولم يذكروا فيه عن الصنا بحی ولا نعرف هذا الحديث عن احد من الثقات غير شريك"

"بعض حضرات نے اس حدیث کو شریک سے روایت کیا' اور اس میں صنابحی کا ذکر نہیں' لہذا یہ حدیث سوائے شریک کے کسی ایک ثقہ راوی سے مروی نہیں جب ثقہ راوی سے یہ حدیث مروی نہیں تو اس کو فضائل میں ذکر کرنا کیسے ثابت ہے۔"

یہ حدیث صرف ضعیف نہیں بلکہ موضوع ہے "قال الذهبی هو موضوع" ذہبی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ "وقال ابو زرعة كم خلق افتضحوا فيه" ابو زرعہ نے کہا کتنی مخلوق اس میں رسوا ہوئی کہ اسے ثابت نہیں کر سکی" واورد ابن الجوزی فی الموضوعات "ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

" وقال ابن رقيق العيد هذا الحديث لم يثبتوه وقيل انه باطل"

" ابن رقیق العید نے کہا ہے یہ حدیث ثابت نہیں بلکہ بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔"

جواب:

یہ حدیث متعدد طرق یعنی متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ اس کے الفاظ مبارکہ بھی متعدد ہیں' جیسا کہ وضاحت کی ابتداء میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

"اعلم ان حدیث 'انا مدینة العلم وعلی بابها" رواہ الحاکم فی المناقب من مستدرکہ من حدیث ابن عباس وقال صحیح"

''حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔''

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے:

لیکن حاکم کے صحیح ہونے کے قول کا ذہبی وغیرہ نے تعاقب کیا ہے' جو اقوال اعتراض میں ذکر کئے گئے ہیں وہ سب ہی تقریباً حاکم کے رد میں ہیں اور خاص کر کے بخاری نے یہ ذکر کیا ہے ''انه لیس له وجه صحیح'' اس حدیث کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

محاکمہ:

مستدرک نے حاکم میں حدیث کو صحیح قرار دیا اور بعض لوگوں نے حدیث کو موضوع قرار دیا ان دونوں قولوں کو رد کر کے حافظ ابوسعید علائی نے بہتر محاکمہ پیش کیا ہے۔ آیئے! دیکھئے:

"قال الحافظ ابو سعید العلائی الصواب انه حسن باعتبار طرقه لا صحیح ولا ضعیف فضلا عن ان یکون موضوعا"

حافظ ابوسعید علائی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن ہے' صحیح بھی نہیں اور ضعیف بھی نہیں' جب ضعیف نہیں تو موضوع کیسے ہوسکتی ہے۔''

"وسئل الحافظ العسقلانی عنه فقال انه حسن لا صحیح کما قال الحاکم ولا موضوع کما قال ابن الجوزی"۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے' صحیح بھی نہیں جیسا کہ حاکم نے کہا' اور یہ حدیث موضوع بھی نہیں جیسا کہ ابن جوزی نے کہا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم:

"عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینا أنا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتی انی لأری الری یخرج فی أظفاری ثم أعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اولته یا رسول الله قال العلم"۔
(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میں سویا ہوا تھا پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: علم۔"

وضاحت حدیث:

حدیث شریف میں الفاظ مبارکہ "فشربت حتی أنی لاری الری یخرج فی اظفاری" کی تشریح دیکھئے:

"لأری الری" بکسر الراء وتشدید الیاء ای أثر اللبن ای یظهر وفی روایة یجری فی اظفاری"

"الری" راء کے نیچے کسرہ (زیر) ہے اور یاء مشدد ہے، جس کا معنی یہ ہے دودھ کا پانی سے اثر ظاہر ہونا ایک روایت میں "یخرج" ہے جس کا معنی ظاہر ہونا اور ایک روایت میں یجری ہے جاری ہونا۔"

مطلب واضح ہے کہ میں نے دودھ پیا جس کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہوا۔

طلباء کرام خصوصی توجہ فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اعطیت سؤری عمر بن الخطاب" نہیں فرمایا جس کا معنی یہ کیا جائے کہ میں نے اپنا بقیہ بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دیا، بلکہ آپ نے "فضلی" ذکر فرمایا، اسی لئے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی "سؤری الکثیر الخالص" کیا ہے، جو لفظ "فضل" کے مناسب ہے یعنی میں نے اپنا بچا ہوا خالص دودھ کثیر مقدار میں عمر بن خطاب کو دیا۔ (راقم)

خیال رہے یہ خواب سید الانبیاء ﷺ کا ہے، نبی کے خواب سے تو بیٹے کو قربان کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (راقم)

صحابہ کرام نے جب رسول اللہ ﷺ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا: (دودھ سے مراد علم ہے)

" والمراد من العلم علم الدین "والله اعلم " "علم سے مراد علم دین ہے، واللہ اعلم"

علماء کرام نے بیان فرمایا کہ عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ایک عالم مثال ہے، یہ نورانی عالم ہے جو جسمانی عالم کے مشابہ ہے اور نیند سبب ہے نورانی روح کے عالم کی سیر کا۔ عالم مثال میں جو صورتیں نظر آتی ہیں جسمانی صورتوں کا غیر ہوتی ہیں، علم مثال میں علم دودھ کی صورت میں ہوتا ہے ان دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ دودھ بدن کی پہلی غذا ہے اور بدن کی صلاح کا سبب ہے۔ اسی طرح علم روح کے پہلی غذا ہے اور روح کی صلاح (بہتری) کا سبب ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تجلی علمی صرف چار صورتوں میں واقع ہوتی ہے پانی، دودھ، شراب اور شہد کی صورت میں۔ جس آیۂ کریمہ میں جنت کی چار نہروں کا ذکر ہے، اس میں ان چار کا ہی ذکر ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ

(سورۃ محمد ۲۶:۱۵)

"احوال اس جنت کا جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے ہے اس میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بگڑے اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذت ہے اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا۔" (کنز الایمان)

"فمن شرب الماء یعطی العلم اللدنی ومن شرب اللبن یعطی العلم باسرار الشریعة

جس آدمی نے عالم مثال میں پانی پیا اسے علم لدنی عطاء کیا گیا، جس نے دودھ پیا اسے

ومن شرب الخمر یعطی العلم بالکمال ومن شرب العسل یعطی العلم بطریق الوحی"

اسرار شریعت کا علم دیا گیا' جس نے عالم خواب میں شراب طہور پیا اسے کامل علم عطاء کیا گیا' جس نے شہد پیا اسکے دل میں علم القاء کیا گیا (یعنی اس کے دل میں علم ڈال دیا گیا)۔"

فائدہ جلیلہ:

"وقد قال بعض العارفین ان الانهار الاربعة عبارة عن الخلفاء ویطابقه تخصیص اللبن بعمر رضی الله عنه"

"عارفین کاملین اہل علم نے یہ بیان کیا ہے: جنت کی چار نہروں سے چار خلفاء راشدین کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے' اسی کی مطابق دودھ کی تخصیص حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی گئی۔"

راقم کے نزدیک عالم خواب میں جو چار صورتیں پیش کی گئی ہیں وہی چار خلفاء راشدین کے علم کی صورتیں ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو علم لدنی عطاء کیا گیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسرار شریعت کا علم دیا گیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم میں کمال عطاء کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں علم ڈالا گیا۔

"نعرہ تحقیق" اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت:

آج کل رافضیوں کا تفضیلی فرقہ ایک انوکھی منطق پیش کر رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صرف خلافت میں اولیت حاصل ہے' شان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔

یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس اپنے قول کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نعرہ تحقیق سے کبھی مکمل روکا جاتا ہے کبھی کوئی یوں کہتا ہے کہ نعرہ تحقیق کے جواب میں "حق چار یار" نہ کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین اصحاب خلفاء راشدین کی شان کو کم کرنے کی

ناپاک جسارت ہے۔

عقیدہ اہل سنت:

"افضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضی"
(عقائد نسفی، علامہ تفتازانی رحمہ اللہ، ص ۱۴۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

نبی کریم ﷺ کے بعد تمام انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں بیان کیا ہے "والأحسن ان یقال بعد الانبیاء" احسن یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں خلفاء راشدین کی جو ترتیب خلافت ہے وہی ترتیب ان کے مدارج اوران کی فضیلت میں ہے۔اس ترتیب کو ذکر کرنے کے بعد علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد میں بیان کرتے ہیں:

"وعلی هذا وجدنا السلف والظاهر انه لو لم یکن لهم دلیل علی ذلك لما حکموا بذلك"

"اسی پر ہم نے سلف صالحین کو پایا ہے ظاہر بات یہ ہے کہ اگران کے پاس دلیل نہ ہوتی تو اس پر حکم نہ لگاتے۔"

سلف صالحین سے مراد کون ہیں:

صاحب نبراس بیان کرتے ہیں:

"هم الصحابة والتابعون واتباعهم" سلف صالحین سے مراد صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین ہیں۔ بعض حضرات نے سلف صالحین سے مراد صرف صحابہ کرام اور تابعین مراد لئے ہیں، تبع تابعین مراد نہیں لئے" (صحیح قول پہلا ہی ہے)۔

"واما الذی توقف فی عثمان وعلی رضی الله عنهما والذی فضل الثانی علی الأول

فمن المتاخرین"   (نبراس، ص ۴۷۶ مطبوعہ مؤسسۃ الشرف لاہور)

"حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ اس میں بعض حضرات نے توقف کیا ہے اور بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی۔ یہ متاخرین حضرات ہیں جب صحابہ کرام اور تابعین کے قول کے مطابق مدارج کی ترتیب یہ ہے کہ پہلا مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دوسرا مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اور تیسرا مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور چوتھا مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے مقابل بعض متاخرین کے قول کو کیسے ترجیح دی جائے؟ لہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت نہیں دی جاسکتی۔

پھر آج کل کے رافضیوں کے قول کو کیسے مانا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں:

"لأن عادتهم شدة الاجتهاد في تحقيق الحق وفي المواقف وحسن ظننا بهم يقتضي بأنهم لو لم يعرفوا ذلك لما اطبقوا عليه فوجب علينا اتباعهم في ذلك القول وتفويض ما هو الحق الى الله"۔

(نبراس، ص ۴۸۹ مطبوعہ مؤسسۃ الشرف لاہور)

"صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی عادت یہ تھی وہ کسی مسئلہ کی تحقیق حق میں بہت شدید کوشش سے کام لیتے تھے، اسلئے ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی اتباع کریں۔ مواقف میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ ہمیں اس مسئلہ میں حسن ظن رکھنا چاہئے کہ سلف صالحین کے پاس اگر دلائل وحقائق نہ ہوتے تو وہ اس مسئلہ پر اتفاق نہ کرتے، جب اس مسئلہ میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا اجماع ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے قول کی اتباع کریں پھر بھی حقیقت حق کو اللہ تعالی کے سپرد کردیں۔"

"وعن عبد الله بن عمر قال اجمع المهاجرون والانصار على ان خير هذه الأمة ابو بكر وعمر عثمان رضی الله عنهم رواه خيثمه بن سعد"
(نبراس، ص۴۹۲)

"خیثمہ بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی مہاجرین وانصار صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے بہتر، سب سے افضل حضرت ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان"۔(رضی اللہ عنہم)

"حق چاریار":

اجمع الصوفية على تقديم ابی بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم "
(نبراس ص۴۹۲)

"اللہ والے اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ سب سے پہلا درجہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا۔"

"(وخلافتهم) ای نیابتهم عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بحيث يجب على كافة الأمم) ای جمیع طوائف المؤمنين من كفه اذا منعه كان احاطة الجماعة يمنع خروج احدهم (الاتباع) ای اتباع النائب وفی الكافة احتراز عن القاضی (ثابتة على هذا الترتيب) ای ترتيب الافضلية يعنی ان الخلافة بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لأبی بكر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لعلی "(نبراس ص۴۹۳)

"چار یاروں کی خلافت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی تمام امت پر اتباع کرنی لازم ہے۔ مومنین کی کوئی جماعت بھی اس سے پیچھے نہ ہٹے، اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہے خلافت کی ترتیب بھی افضلیت کی ترتیب کے مطابق ہے یعنی افضلیت کی ترتیب چار یاروں میں اصل اور خلافت کی ترتیب فرع ہے۔"

"حق چاریار" کا مطلب واضح ہے:

چار یاروں کی فضیلت حق ہے وہ بھی ترتیب وار، جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان چاروں کو جس ترتیب سے دے رکھی تھی رب تعالیٰ نے وہی ترتیب ان کی خلافت میں بھی رکھی۔

''حق چار یار'' کہنے سے روکنے کا مطلب:

رافضی حضرات اسی لئے ''حق چار یار'' کہنے سے روک رہے ہیں کہ جب ''حق چار یار'' کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چار خلفاء راشدین کی فضیلت ترتیب وار ہے یعنی پہلے حضرت ابوبکر صدیق' پھر حضرت عمر' پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی المرتضی (رضی اللہ عنہم)۔ ''حق چار یار'' کہنے سے رافضیوں کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل اور خلیفہ بلافصل مانتے ہیں یہ تو اتفاقی امر ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی خلافت میں بھی ان کی فضیلت کے مطابق ہی ترتیب رکھ دی۔

''حق چار یار'' کہنے کا عجیب فائدہ:

''حق چار یار'' کہنے سے چار خلفاء راشدین کی فضیلت ترتیب وار کے ثبوت کا اقرار واعلان کیا جاتا ہے' تو ضمناً خود بخود ان کی خلافت کے ترتیب وار ہونے کا اقرار واعلان بھی پایا جاتا ہے۔ رافضی حضرات کے عقیدہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل'' کا رد بھی ہو جاتا ہے۔

تفضیلی رافضیوں کی دلیل کا بھی رد ہو گیا:

تفضیلی رافضی ''نعرہ تحقیق'' سے روکنے پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر تم ''حق چار یار'' سے خلافت مراد لیتے ہو تو تمہارا نعرہ اس لئے صحیح نہیں کہ خلیفہ تو پانچ ہوئے ہیں یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ ہیں جو پانچویں خلیفہ ہیں' اسلئے ''حق پانچ یار'' کہنا چاہئے۔

اگر تم ''حق چار یار'' سے ''حق صحابی'' کہتے ہو تو سب حق ہیں' لہذا ''حق سب یار'' کہو' جو اہل سنت حق چار یار سے دونوں مطلب نہیں لیتے تو اعتراض کیسے اور ان کی دلیل کا کیا مطلب اور کیا وزن ہے؟ ان کی دلیل پانی کے بلبلہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

اہل سنت کا وہی عقیدہ ہے جو بیان کیا جا چکا ہے کہ ''حق چار یار'' کا مطلب چار خلفاء راشدین سب صحابہ سے افضل ہیں' وہ بھی ترتیب وار۔ اسی سے ضمنی طور پر بالتبع ان کی خلافت بالترتیب کے حق ہونے کا بھی حق ادا ہو جاتا ہے' اور رافضیوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

خلیفہ بلا فصل کا بھی رد ہو جاتا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق ہونے کا تو انکار نہیں، لیکن اصطلاحی طور پر ان پر ''یار'' ہونے کا استعمال نہیں، بلکہ ولدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر اطلاق ہے۔ سب صحابہ کے حق ہونے یعنی کسی کے صحابی ہونے کا تو اہل سنت کو تو کوئی انکار نہیں لیکن سب صحابہ کا ایک درجہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

رافضیوں کا یہ کہنا کہ ''نعرۂ تحقیق'' کا جواب ''حق سب یار'' کہا جائے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ وہ بھی تو سب صحابہ کو برابر نہیں سمجھتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل مانتے ہیں۔ پھر عجیب دورنگی ان کی یہ ہے کہ ادھر کہتے ہیں کہ ''حق چار یار'' نہ کہو بلکہ ''حق سب یار کہو'' اور ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شان کو نہیں مانتے تو کس منہ سے اہل سنت کو عقیدہ حقہ سے پھیرنے کیلئے مشورہ دیتے ہیں کہ ''حق سب یار'' کہو۔

چار خلفاء راشدین کی افضیلت پر اجماع امت:

" والصحابة كلهم عدول مطلقا لظواهر الكتاب والسنة واجماع من يعتدبه وفی شرح السنة قال ابو منصور البغدادی اصحابنا مجمعون علی ان افضلهم الخلفاء الأربعة علی الترتيب المذكور ثم تمام العشرة ثم اهل بدر ثم احد ثم بيعة الرضوان ومن له مزية من اهل العقبتين من الانصار وكذلك السابقون الاولون وهم من صلی الی القبلتين"۔

(مرقاۃ ج۱۱ص۲۷۲)

''صحابہ کرام تمام ہی مطلقاً عادل ہیں، قرآن پاک اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور شرح السنہ میں ہے: ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: اجماع امت ہے یعنی ہمارے اصحاب اہل سنت کا اجماع ہے کہ چار خلفاء راشدین سب صحابہ سے افضل ہیں۔ اور ان میں فضیلت کی جو ترتیب ہے اسی کے مطابق ان کی خلافت کی بھی ترتیب ہے، اس کے بعد العشرۃ المبشرین کا درجہ ہے، اس کے بعد بدر میں شرکت کرنے والوں کا

پھر غزوہ احد والوں کا' پھر بیعت رضوان والوں کا' اور انصار میں سے جنہوں نے عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ پر بیعت کی' اور اسی طرح پہلے سبقت کرنے والے یعنی جنہوں نے دونوں قبلہ یعنی بیت المقدس اور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل ونجیب صحابی ہیں:

"وأما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار' والحروب التى جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها بسببها وكلهم متأولون فى حروبها ولم يخرج بذالك أحد منهم من العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا فى مسائل كما اختلف المجتهدون بعدهم فى مسائل ولايلزم من ذلك نقص أحد منهم۔"

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۷۲)

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور فاضل اور اخیار صحابہ کرام میں سے ہیں' اور جو جنگیں صحابہ کرام کے درمیان ہوئیں ان کی وجہ یہ تھی کہ ہر فریق اپنے آپ کو حق سمجھتا تھا اور ہر فریق جنگ کرنے کی تاویل اور جواز کی وجہ پیش کرتا تھا۔ اسی وجہ سے کوئی ایک بھی عدالت سے نہیں نکلا' کیونکہ تمام کا ہی اجتہاد اختلافِ مسائل کا سبب بنا' یہ اجتہادی اختلاف ایسا ہی تھا جیسا بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین کا مسائل میں اختلاف ہوا۔ اجتہادی خطاء کی وجہ سے کسی ایک کی طرف نقص کی نسبت لازم نہیں آتی۔''

پہلے تین خلفاء راشدین کی فضیلت حدیث پاک سے:

"وعن ابن عمر قال كنا فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم لانعدل بأبى بكر أحدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم لانفاضل بينهم۔"

(رواہ البخاری' مشکوۃ باب مناقب ابی بکر)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایک کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے' پھر آپ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی اور کو نہیں سمجھتے تھے' پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے

تھے' پھر ہم صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔ پھر ہم صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔"

ایک اور روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں کہتے تھے کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں' ان کے بعد عمر سب سے افضل ہیں' پھر ان کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہم) سب سے افضل ہیں۔ (ابوداؤد)

وضاحت حدیث:

(عن ابن عمر قال كنا) اى معشر الصحابة (فى زمن النبى صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل) اى لا نساوى (بأبى بكر أحدا) اى من الصحابة بل نفضله على غيره"

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم صحابہ کی جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایک صحابی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے' بلکہ ان کو دوسرے سب پر فضیلت دیتے تھے۔"

پھر ان کے بعد کسی اور صحابی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے' بلکہ ان کو سب پر فضیلت دیتے تھے۔ پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے' بلکہ ان کو سب پر فضیلت دیتے تھے۔

(ثم نترك اصحاب النبى صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل) "اى لانوقع المفاضلة بينهم والمعنى لانفضل بعضهم على بعض والمراد مفاضلة مثلهم"۔

"پھر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ مراد اس سے اسی فضیلت کی نفی ہے جو تین خلفاء راشدین پر ہو' یعنی ہم تین خلفاء پر کسی ایک کی فضیلت نہیں ذکر کرتے تھے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور اہل بدر و اُحد اور اہل بیت رضوان میں سے کسی ایک کی فضیلت کا انکار نہیں کیا بلکہ وہ تو اجماع امت سے ثابت ہے کہ چوتھا درجہ فضیلت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی ہے' صرف یہ کہا کہ اس کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی فضیلت:

"عن محمد الحنفية قال قلت لأبى اى الناس خير بعد النبى ﷺ قال ابو بكر قلت ثم من ؟ قال عمر وخشيت ان يقول عثمان قلت ثم انت ؟ قال ماأنا الارجل من المسلمين"۔

(رواہ البخاری' مشکوۃ مناقب أبی بکر)

"محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے کہا نبی کریم ﷺ کے بعد سب لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکرؓ' پھر میں نے پوچھا: ان کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: عمرؓ' میں ڈرا کہ اب آپ کہیں گے "عثمانؓ" میں نے پھر پوچھا کہ ان کے بعد تو آپ سب سے افضل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام شخص ہوں۔"

وضاحت حدیث:

(عن محمد بن الحنفية)" هو ابن على من غير فاطمة (رضى الله عنها) (قال قلت لأبى) اى لعلى كرم الله وجهه (اى الناس خير بعد النبى ﷺ قال) اى على (ابو بكر) اى هو ابو بكر أوابوبكر هو الخير قلت ثم من قال عمر"

"محمد بن حنفیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں (ان کی والدہ کا نام حنفیہ تھا' یہ اپنی ماں کی طرف زیادہ منسوب ہوتے تھے یعنی یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے نہیں تھے) روایت کرتے ہیں میں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی کریم ﷺ

کے بعد سب لوگوں سے بہتر وافضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا سب سے بہتر ابو بکر ہیں، پھر میں نے پوچھا: ان کے بعد سب لوگوں سے بہتر وافضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حضرت عمر"۔

(وخشيت ان يقول عثمان)" اي لو قلت ثم من، فعدلت عن منوال السئوال لهذا فحينئذ (قلت ثم انت؟ قال ما أنا الارجل من المسلمين) وهذا على سبيل التواضع منه مع العلم بأنه حين المسئلة خير الناس بلا نزاع لأنه بعد قتل عثمان رضي الله عنهم"

"پھر میں ڈرا کہ اگر میں نے سوال پہلی طرح ہی کیا تو یقیناً آپ یہی جواب دیں گے کہ حضرت عمر کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان ہیں۔ تو میں نے سوال کا انداز بدل کر پوچھا: پھر حضرت عمر کے بعد تو آپ ہی افضل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام شخص ہوں۔"

آپ کا یہ جواب عاجزی اور انکساری پر مبنی ہے کیونکہ یہ سوال و جواب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ افضل ہیں، اس میں اجماع امت ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضلیت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی:

"عن علي رضي الله عنه قال خير الناس في هذه الأمة بعد أبي بكر عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورين ثم أنا"۔

(رواہ الحافظ ابو سعید السمان، نبراس ص ۴۹۲)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس امت میں حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر فاروق ہیں، پھر حضرت عثمان ذوالنورین ہیں، پھر میں ہوں۔"

سبحان اللہ! خود حضرت علی رضی اللہ عنہ مراتب ومدارج کی وہی ترتیب بیان کریں جس پر اجماع امت ہے۔ جھوٹے مدعیان محبت علی، تفضیلی رافضی یہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا مرتبہ کیوں؟ کیا تم صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین سے زیادہ علم رکھتے ہو؟ سیدھا رافضی

ہونے کا اعلان کرو پھر رافضیوں کے مذہب کے مطابق جو چاہے کہتے رہو سنیت کا لبادہ اوڑھ کر رافضیوں کا کردار ادا نہ کرو۔

"حکی ابو منصور البغدادی علی ان عثمان رضی الله عنه افضل"۔ (نبراس ص ۴۹۲)

"ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: اجماع امت ہے اس پر کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔"

"وقال الامام النووی فی شرح مسلم الصحیح المشهور تقدیم عثمان عن علی رضی الله عنهما۔" (نبراس ص ۴۹۲)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کی شرح میں بیان فرمایا ہے کہ صحیح اور مشہور یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت میں تقدیم حاصل ہے۔"

"وذکر القاضی عیاض عن الامام مالك انه رجع عن التوقف الی هذا"

"حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ توقف کے قائل تھے، پھر آپ نے توقف سے رجوع کر کے وہی قول کیا جس پر اجماع امت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

"وحکی القسطلانی عن سفیان الثوری انه رجع عن تفضیل علی الی تفضیل عثمان"

حضرت قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرما لیا تھا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یعنی پہلے آپ قائل تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لیکن پھر آپ نے رجوع فرما لیا۔ جمہور کی طرح آپ بھی اس کے قائل ہو گئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے۔

(نبراس ص ۴۹۲)

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر:

"وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مامن نبی الاوله وزیران من

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی نہیں مگر یہ

اهل السماء ووزیران من اهل الارض فأما وزیرای من اهل السماء فجبریل ومیکائیل أما وزیرای من اهل الأرض فابو بکر وعمر "۔

کہ اس کے دو وزیر آسمانوں میں ہوتے ہیں اور دو زمین میں، میرے دو وزیر آسمانوں میں جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین میں میرے دو وزیر ابوبکر اور عمر ہیں۔"

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب، مشکوۃ باب مناقب أبی بکر وعمر رضی اللہ عنہما)

وضاحت حدیث:

وزیر کو وزیر کہنے کی وجہ یہ ہے: "أنه یحمل الوزر ای الثقل عن أمیره" کہ وزر کا معنی ہے بوجھ چونکہ وزیر امیر کا بوجھ اور ثقل اٹھاتا ہے۔

(فاما وزیرای من اهل السماء فجبریل ومیکائیل) فیه دلالة ظاهرة علی فضله صلوات الله وسلامه علیه علی جبریل ومیکائیل علیهما السلام کما ان فیه ایماء الی تفضیل جبریل علی میکائیل"

"آپ کے ارشاد گرامی کہ میرے دو وزیر آسمانوں میں جبریل اور میکائیل ہیں" سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل اور میکائیل پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ ان دونوں کو آپ کا معاون بنایا گیا جیسا کہ وزیر کو امیر کا معاون بنایا جاتا ہے۔ پھر جبریل کا پہلے ذکر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ جبریل کو میکائیل پر فضیلت حاصل ہے۔"

"(وأما وزیر ای من اهل الارض فأبو بکر وعمر) فیه دلالة ظاهرة علی فضلهما علی غیرهما من الصحابة وهم افضل الأمة وعلی ان أبا بکر أفضل من عمر لأن الواو وان کان المطلق الجمع ولکن ترتبه فی لفظ الحکیم لا بد من اثر عظیم"

"رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی" میرے دو وزیر زمین پر ابو بکر اور عمر ہیں واضح طور پر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب صحابہ کرام سے افضل ہیں حالانکہ تمام صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی باقی امت سے افضل ہیں، پھر حدیث پاک سے یہ مسئلہ بھی سمجھ آرہا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔"

اگرچہ "واؤ" صرف جمع کیلئے آتی ہے، ترتیب کیلئے نہیں آتی لیکن مصطفیٰ کریم ﷺ جو حکیم ہیں، ان کا ترتیب سے ذکر کرنا یعنی پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا، اسی طرح پہلے جبریل کا ذکر اور پھر میکائیل کا ذکر اثر عظیم رکھتا ہے کیونکہ صاحب حکمت کا قول حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سمع و بصر ہیں:

"وعن عبد الله ابن حنطب ان النبی ﷺ رأی آبا بکر وعمر فقال هذان السمع والبصر"۔ (رواہ الترمذی مرسلا، مشکوۃ باب مناقب أبی بکر وعمر رضی اللہ عنہما)

حضرت عبد اللہ ابن حنطب فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ دونوں سمع اور بصر ہیں۔"

وضاحت حدیث:

ابن حَنْطَب (حاء اور طاء پر فتحہ درمیان میں نون ساکن ہے) نبی کریم ﷺ کو جوامع الکلم کا خصوصی وصف حاصل تھا۔ آیئے! دیکھئے "هذان السمع والبصر" مختصر جملہ کتنے معانی کو حاوی ہے۔

{۱} ایک مشہور معنی تو یہ ہے "هما فی العزة عندی بمنزلتهما" وہ دونوں عزت میں میرے نزدیک کانوں اور آنکھوں کی طرح عزیز ہیں، یعنی انسان کو سننے اور دیکھنے کی قوت سے جس طرح پیار ہے اسی طرح مجھے ان دونوں سے پیار ہے۔ اس معنی کو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے تائید حاصل ہے:

" اللهم متعنا باسماعنا وابصارنا ابو بكر" اے اللہ! ہمیں نفع پہنچا ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں سے یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ہمیں نفع پہنچا' جو ہمارے کان اور ہماری آنکھیں ہیں۔"

اسی معنی کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کی کتاب الجامع الصغیر کی روایت سے بھی تائید حاصل ہے:

"ابو بكر وعمر منی بمنزلة السمع والبصر من الرأس"۔ (رواہ ابویعلی فی مسندہ عن المطلب بن عبد اللہ بن حنطب عن ابیہ عن جدہ مرفوعا)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر اور عمر مجھ سے ایسے متعلق ہیں جیسے سر سے کان اور آنکھیں متعلق ہیں۔"

اس معنی کو اس روایت سے بھی تقریبا تائید حاصل ہے۔

"روی الملافی سیرته عن ابن مسعود وأبی ذر قالا قال رسول الله ﷺ ابو بكر وعمر فی امتی مثل الشمس والقمر فی النجوم"

"حضرت ابن مسعود وابوذر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر اور عمر میری امت میں اس طرح ہیں جس طرح ستاروں میں سورج اور چاند ہیں۔"

{۲} دوسرا معنی جسے تین قسموں میں منقسم کیا ہے' گویا کہ تین معنی علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(هذان السمع والبصر) "ای نفسهما مبالغة كرجل عدل أوهما فی المسلمين أوفی الدين كالسمع والبصر فی الاعضاء فحذف كاف التشبيه للمبالغة ولهذا يسمى تشبيها بليغا"

یہ دونوں یعنی ابوبکر اور عمر سمع اور بصر ہیں یعنی اپنی ذاتوں میں حق کو سننے والے اور دیکھنے والے ہیں، یہ کلام اس طرح مبالغہ پر مبنی ہے جس طرح کہا جاتا ہے "رجل عدل" یہ شخص اتنا عدل کرنے والا ہے گویا کہ عین عدل ہے

یا معنی یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں ان کو سمع اور بصر (سننے اور دیکھنے) کی حیثیت حاصل ہے یا اس کا یہ مطلب ہے کہ دین میں ان دونوں کو سمع اور بصر کی حیثیت حاصل ہے۔''

"قال القاضی ویحتمل أنه ﷺ سماهما بذلك لشدة حرصهما علی استماع الحق واتباعه وتهالکهما علی النظر فی الآیات المنبثة فی الانفس والأفاق والتأمل فیها والاعتبار بها"

''قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا یہ مطلب بھی ہو کہ یہ دونوں حق کے سننے اور حق کی تابعداری میں بہت زیادہ حریص ہیں اور آیات میں نظر کرنے میں اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں' اپنے ذاتوں اور آفاق میں تأمل کرنے اور اعتبار کرنے میں ہی اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے۔''

سمع کو بصر سے پہلے ذکر کرنے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ سمع کو بصر پر فضیلت حاصل ہے قرآن پاک میں بھی کئی مقام پر سمع کو بصر سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جیسے " وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ"۔ (ماخوذ از مرقاۃ' ج ۱۱' ص ۳۱۶' ۳۱۷)

ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کے متعلق فرمان مصطفوی ﷺ:

"وعن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ انی لاأدری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر"۔
(رواہ الترمذی' مشکوۃ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما)

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک میں نہیں جانتا میں تم میں کتنی دیر باقی رہوں گا، میرے بعد دو شخصوں یعنی ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء کرنا۔''

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اس حدیث پاک سے واضح ہو رہی

ہے اور یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ یہ دونوں میرے بعد زندہ رہیں گے۔ نبی کریم ﷺ کو اپنے وصال کا علم دیا گیا تھا اور دنیا میں رہنے یا رب تعالی کے پاس جانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ آپ کا ارشاد " انی لاادری ما بقائی فیکم "یا تو عاجزانہ کلام ہے اور یا آپ کو جو علم عطاء کیا گیا ہے اس پر پہلے کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان بروایت علی المرتضی رضی اللہ عنہ:

"وعن ابن عباس قال انی لواقف فی قوم فدعوا الله لعمر وقد وضع علی سریره اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقه علی منکبی یقول یرحمك الله أنی لأرجو ان یجعلك الله مع صاحبیك لأنی کثیرا ماکنت اسمع رسول الله ﷺ یقول کنت وابوبکر وعمر وفعلت وابوبکر وعمر وانطلقت ابو بکر وعمر ودخلت وأبوبکر وعمر وخرجت وأبوبکر وعمر قال ابن عباس فالتفت فاذا علی بن ابی طالب"۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ مناقب أبی بکر و عمر رضی اللہ عنہما)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں کھڑا تھا اس قوم میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے اللہ تعالی سے دعا کر رہے تھے جب کہ آپ (شہادت کے بعد) چار پائی پر تھے، تو ایک شخص میرے پیچھے تھے جنہوں نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی اور کہنے لگے اللہ تم پر رحم کرے بیشک میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تمہیں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کرے گا (یعنی نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبر اور جنت میں تمہیں بھی اللہ تعالی رکھے گا) کیونکہ میں کثیر طور پر رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتا تھا آپ فرماتے تھے میں تھا (فلاں جگہ) اور ابوبکر اور عمر تھے اور میں نے اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کیا اور میں اور ابوبکر اور عمر چلے، اور میں اور ابوبکر اور عمر (فلاں جگہ) داخل ہوئے، اور میں اور ابوبکر اور عمر (فلاں جگہ سے) نکلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے پیچھے کی طرف دیکھا تو وہ (یعنی یہ

ارشاد فرمانے والے) حضرت علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

سبحان اللہ! کیا خوب شان بیان فرمائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کہ ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت (مصاحبت) اکثر طور پر حاصل رہتی تھی، اس لئے ان دونوں کے آپ کے ساتھ قبر اور جنت میں بھی رہنا نصیب ہوگا۔

بات تو وہی معتبر ہوگی جو حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے بیان کی۔ تمہارے ''نعرہ تحقیق'' کے جواب میں ''حق چار یار'' کہنے سے روکنے کی وجہ سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں فرق نہیں آئے گا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا جنتی ہونا:

"عن ابن مسعود رضی الله عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال يطلع عليكم رجل من اهل الجنة فاطلع ابو بكر ثم قال يطلع عليكم رجل من أهل الجنة فاطلع عمر"۔

(رواه الترمذی وقال ہذا حدیث غریب' مشکوۃ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے سامنے ایک شخص جنتی آرہا ہے تو ابو بکر آ پہنچے پھر فرمایا: تمہارے سامنے ایک شخص جنتی آرہا ہے تو اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سامنے آگئے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو جنتی کہیں' تیرے نہ کہنے سے ان کی شان کم کیسے ہوگی؟

حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی شان:

"عن ابی موسی الاشعری قال كنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط من حيطان المدينة فجاء رجل فاستفتح فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتح له وبشره بالجنة ففتحت له فاذا ابو بكر فبشرته بما قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فحمد الله

''حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باغات میں سے ایک باغ میں تھا۔ تو ایک شخص آئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے متعلق کہا: تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس

ثم جاء رجل فاستفتح فقال النبی ﷺ افتح له وبشره بالجنة ففتحت له فاذا عمر فاخبرته بما قال النبی ﷺ فحمد الله ثم استفتح رجل فقال لی افتح لہ وبشرہ بالجنة علی بلوی تصیبه فاذا عثمان فاخبرته بما قال النبی ﷺ فحمد الله ثم قال الله المستعان "۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب مناقب ہؤلاء الثلاثة)

شخص کیلئے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دے دو، تو میں نے ان کیلئے دروازہ کھول دیا وہ ابو بکر تھے تو میں نے ان کو بشارت دے دی اسی کے مطابق جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو انہوں نے اس پر اللہ کی حمد بیان کی، پھر اور ایک شخص آئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے متعلق کہا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس شخص کیلئے دروازہ کھول دو اور جنت کی اسے بشارت دے دو۔ تو میں نے ان کیلئے دروازہ کھول دیا وہ حضرت عمر تھے، تو میں نے انہیں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی خبر دے دی تو انہوں نے اللہ کی حمد بیان کی۔

تو پھر ایک اور شخص آئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے متعلق کہا، تو مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس شخص کیلئے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی خوشخبری دے دو، ساتھ مصیبتیں پہنچنے کی خبر بھی دے دو۔ تو وہ عثمان تھے تو میں نے انہیں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی خبر دے دی تو انہوں نے اللہ کی حمد بیان کی، پھر کہا (مصائب میں) اللہ تعالیٰ سے ہی امداد طلب کی جائے گی۔

مسلم شریف میں یہ حدیث طویل طریقے سے بھی آئی ہوئی ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ باغ میں بئر اریس میں اپنی ٹانگیں مبارک لٹکا کر بیٹھے تھے، پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ آپ کی دائیں جانب اسی طرح پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ کی دوسری جانب اسی طرح پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو نبی کریم ﷺ کی جانب انہیں جگہ نہ مل سکی وہ سامنے بیٹھ گئے۔

اس منظر کے متعلق " قال سعید بن المسیب فأولتها قبورهم "سعید بن میتب

کہتے ہیں کہ میں نے اس کی تاویل ان کی قبروں کے متعلق کی یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی قبروں کی جگہ مل گئی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سامنے جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے اور قیامت تک آپ کے ساتھ ہی رہیں گے، دوسرا کوئی جدا کرے تو کیسے کرے، بیچارے منحوسوں کی ناپاک کوشش ہے، خود ہی ذلیل ہو رہے ہیں۔

قیامت میں بھی ایک ساتھ اٹھیں گے:

"وعن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم ودخل المسجد وابو بکر وعمر أحد هما عن یمینه والآخر عن شماله وهو آخذ بأیدیهما فقال هکذا نبعث یوم القیامة۔"

(رواہ الترمذی، وقال ہذا حدیث حسن غریب مشکوۃ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن (اپنے حجرہ شریفہ سے) نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے اس حال میں کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما میں سے ایک آپ کی دائیں جانب تھے اور دوسرے آپ کی دوسری جانب تھے اور آپ نے ان دونوں کے ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا: آپ فرما رہے تھے ہم قیامت میں بھی اسی طرح اٹھیں گے۔"

نتیجہ واضح ہوا:

کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دنیا میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے آپ کے ساتھ چلتے رہے، آپ کے ساتھ آتے جاتے رہے، اور مزارات میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گے اور قیامت میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔

بات تمہاری مانوں کہ ان کو پہلے اور دوسرے درجہ سے ہٹادوں یا بات نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی مانوں اوران کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مانوں۔

ہاں!ہاں! میں تو مؤمن ہوں ٔایمان کا تقاضا یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مانوں ٔتمہاری بات کو مان کر تمہاری طرح مردود نہیں ہوسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر عظیم اعتبار تھا:

"عن ابی هريرة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال بينما رجل يسوق بقرة اذ أعيا فركبها فقالت انا لم نخلق لهذا انما خلقنا لحراثة الأرض فقال الناس سبحان الله بقرة تكلم فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فانی أومن به أنا وأبو بكر وعمر وما هما ثم وقال بينما رجل فی غنم له اذ عدا الذئب على شاة منها فأخذها فادركها صاحبها فاستنقذها فقال له الذئب فمن لها يوم السبع يوم لا راعی لها غيری فقال الناس سبحان الله ذئب يتكلم فقال أومن به أنا وأبو بكر وعمر وما هما ثم"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص گائے کو چلا رہا تھا ٔجب وہ تھک گیا تو گائے پر سوار ہوگیا ٔتو گائے نے کہا: ہمیں اس لئے نہیں پیدا کیا گیا ہمیں تو ہل چلانے کیلئے پیدا کیا گیا تو لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! گائے بھی کلام کرتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک میں اور ابوبکر اور عمر اس پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے اور آپ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنی بھیڑ بکریوں میں موجود تھا تو بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر کے اسے پکڑ لیا ٔمالک نے بکری کو پالیا (یعنی بھیڑیئے سے چھڑالیا)

تو بھیڑیئے نے اسے کہا تو اس (بکری) کا درندوں کے دن کون محافظ ہوگا ٔاس دن اس کا چرواہا میرے علاوہ کوئی نہیں ہوگا ٔتو لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بھیڑیا بھی کلام کرتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابوبکر اور عمر اس پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔"

وضاحت حدیث:

(فقال الناس)ای الحاضرون (سبحان الله) تعجبا بقرہ تکلم والحال انها من الحیوانات الصامتة"

"نبی کریم ﷺ نے جب گائے کے کلام کرنے کا ذکر فرمایا: تو وہاں حاضرین لوگ تعجب سے کہنے لگے: سبحان اللہ! گائے کلام کرتی ہے حالانکہ یہ تو کلام نہ کرنے والے حیوانوں میں سے ہے۔"

طلباء کرام خیال رکھیں "تکلم" میں میم پر ضمہ ہے مضارع کا صیغہ ہے ایک تاء حذف ہے اصل میں "تتکلم" تھا۔

(فقال رسول الله ﷺ فانی أومن به) جزاء شرط محذوف ای فان کان الناس یستغربونه ویتعجبون منه فانی لا استغر به وأومن به انا وابو بکر وعمر"

"تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ یہ جزاء ہے شرط اس کی محذوف ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ گائے کے کلام کرنے کو عجیب وغریب سمجھ رہے ہیں تو میں اور ابو بکر اور عمر اسے عجیب وغریب نہیں سمجھتے بلکہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔"

ایک فرق تو یہ واضح ہوگیا کہ لوگ اس پر ایمان تو لائیں گے لیکن تعجب کے بعد لیکن میرا ایمان اس پر بغیر تعجب کے ہے اور ابو بکر اور عمر کا ایمان بھی بغیر تعجب کے بغیر چوں و چرا کے اس پر ہوگا۔

"قال ابن حجر هو محمول علی أنه ﷺ کان اخبرهما به فصدقاه أو اطلق ذلك لما اطلع علیه من انهما یصدقان بذلك ولا یترددان فیه" اھ والأخیر هو الصحیح لما

"حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کا جو تذکرہ فرمایا اگر چہ اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ نے

یدل علیه مقام المدح وکما یشعر الیه قول الراوی " وما هما ثم " والا فکل مؤمن یصدق النبی ﷺ فیما اخبربه فلابد من وجه یمیزهما عن غیرهما کما یشعر الیه مشارکتهما فی الایمان المنسوب الیه ﷺ"۔

ان دونوں کے متعلق خبر دی ہو کہ وہ اس کی تصدیق کر چکے ہیں، لیکن صحیح مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کا ارشاد مستقبل کے بارے میں ہے۔ نبی کریم ﷺ اس پر مطلع تھے (یعنی آپ کو غیبی علم حاصل تھا) کہ یہ دونوں میرے قول کی بغیر کسی تردد (شک میں پڑنے) کے اس کی تصدیق کر دیں گے، نہ اس میں شک کریں گے اور نہ ہی اس کو عجیب وغریب سمجھیں گے۔"

یہی مستقبل کے بارے میں قول اس لئے صحیح ہے کہ ان دونوں کی نبی کریم ﷺ نے مدح فرمائی ہے، اور راوی کا قول بھی اس کی تائید کر رہا ہے کہ "وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے" ان دونوں حضرات کی خصوصی امتیازی شان بیان کی گئی کہ انہوں نے اس پر ایمان لانا ہے بغیر کسی تردد کے، اگرچہ باقی مومنین نے بھی ایمان تو لانا ہے لیکن تردد اور عجیب وغریب سمجھنے کے بعد۔"

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کے ایمان کو اپنے ایمان کے ساتھ ملایا کہ جیسے میرا ایمان بغیر تردد کے ہے تو ایسا ہی سنتے ہی وہ دونوں بھی بغیر تردد کے ایمان لائیں گے:

وفی روایة الترمذی فأنی أومن بذلك ثم ابو بکر وعمر وما هما فی القوم یومئذ"

"ترمذی کی ایک روایت میں ہے "بیشک میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، پھر ابو بکر اور عمر اس پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ دونوں اس دن موجود نہیں تھے۔"

(راقم نے اسی لئے حدیث کے ترجمہ میں ایک جگہ "اس وقت" کا لفظ بھی بڑھایا ہے)

"قال التوربشتی انما أراد بذلك تخصیصهما

علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ

بالتصدیق الذی بلغ عین الیقین و کوشف صاحبه بالحقیقۃ التی لیس وراء ھا للتعجب مجال"۔

نے ان دونوں کی تصدیق کی تخصیص اس لئے بیان فرمائی کہ ان کی تصدیق عین الیقین (مشاہدہ) کے درجہ میں تھی باقیوں کی تصدیق علم الیقین (صرف علم سے حاصل ہونے) کے درجہ میں تھی اور آپ نے ان کے ایمان کی حقیقت کو یوں بیان کیا کہ ان کے ایمان لانے میں تعجب کے پائے جانے کی کوئی مجال نہیں ہوگی۔"

"قال ابن الملك قوله به ای أصدق أنا بما اخبرنی به الملك من تكلم البقرة وابو بكر وعمر لقوة ایما نهما بما اخبرت"

"ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ گائے کے کلام کرنے کی خبر مجھے فرشتہ نے دی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر اور عمر بھی اپنی قوت ایمانی کی وجہ سے میری خبر پر ہی تصدیق کر دیں گے کوئی تردد نہیں کریں۔اس خبر کو عجیب وغریب نہیں سمجھیں گے۔"

حدیث پاک کے دوسرے حصہ یعنی بھیڑیئے کے کلام کرنے کی بھی کافی حد تک وضاحت ہو چکی ہے لیکن ایک جملہ کی وضاحت ضروری ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

(فقال له الذئب فمن لها) ای فمن یحفظ للشاة(یوم السبع یوم لاراعی لها غیری" والمراد بیوم السبع حین یموت الناس ویبقی الوحوش أویوم الاهمال"

"بھیڑیئے نے اس چرواہے کو کہا: اس بکری کی درندوں کے دن کون حفاظت کرے گا' اس دن میرے بغیر اس کا اور کوئی چرواہا نہیں ہوگا' درندوں کے دن سے مراد یہ ہے کہ جب لوگ مر جائیں گے تو اس وقت درندے رہ جائیں بکریوں پر وہی مسلط ہوں گے' گویا کہ وہ چرواہے ہوں گے' یا درندوں والے دن سے

مراد یہ ہے کہ لوگ جب اپنی بکریاں چھوڑ جائیں گے۔

"یوم الاھمال" بکریوں کو چھوڑ دینے سے کیا مراد ہے؟

"فالمراد به من لها عند الفتن حين يترکها الناس لاراعی لها نهبة للذئاب والسباع فجعل السبع لها راعيا اذهو منفرد بها"

(ماخوذ از مرقاۃ، ج۱۱، ص۳۱۲، ۳۱۳)

"مراد اس سے یہ ہے کہ فتنوں کے دور میں لوگ اپنی بکریوں کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، ان کے چرواہے ان کے پاس نہیں رہیں گے یعنی بھیڑیوں اور درندوں کے حملوں سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ وہاں درندوں کی حکومت ہو گی، سوائے درندوں کے ان کا کوئی اور چرواہا نہیں ہوگا۔"

نبی کریم ﷺ نے تین خلفاء راشدین کی بالترتیب فضیلت بیان کرنے سے منع نہیں فرمایا:

"عن ابن عمر قال كنا نفاضل على عهد رسول الله ﷺ فنقول أبو بكر ثم عمر ثم عثمان فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فلا ينكره"۔

(رواہ الترمذی)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فضیلت بیان کرتے تھے ہم کہتے تھے سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر سب سے افضل ہیں، پھر عثمان سب افضل ہیں (رضی اللہ عنہم) رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے اس سے روکا نہیں۔"

مطلب واضح ہے:

کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے اگر کوئی غلط بات کہی جاتی تو آپ اس سے ضرور منع فرماتے تھے۔ جب آپ نے منع نہیں فرمایا تو یہ حدیث تقریری کے درجہ میں ہے، گویا کہ خود نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا اسے درجہ حاصل ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ کا تین خلفاء راشدین کی فضیلت بالترتیب کے متعلق خواب بیان کرنا:

"عن جابر ان رسول الله ﷺ قال أری اللیلة رجل صالح کان أبا بکر نیط رسول الله ﷺ ونیط عمر بأبی بکر ونیط عثمان بعمر قال جابر فلما قمنا من عند رسول الله ﷺ قلنا اما الرجل الصالح فرسول الله ﷺ واما نوط بعضهم ببعض فهم ولاة الأمر الذی بعث الله به نبیه ﷺ"۔

(رواہ ابوداؤد' مشکوۃ باب مناقب ہؤلاء الثلاثہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے رات میں (خواب) میں ایک نیک آدمی دکھایا گیا ابوبکر رسول اللہ ﷺ سے متعلق تھے اور عمر ابوبکر سے متعلق تھے اور عثمان عمر سے متعلق تھے حضرت جابر کہتے ہیں ہم جب رسول ﷺ سے اٹھے تو ہم نے کہا "رجل صالح" سے مراد رسول ﷺ ہیں، اور بعض کا بعض سے تعلق واتصال یہ بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جوامر (دین) دے کر بھیجا گیا' یہی حضرات اس کے والی ہوں گے۔"

وضاحت حدیث:

"وقال الطیبی کان من الظاهر ان یقول رأیت نفسی اللیلة وابو بکر نیط بی فجرد منه ﷺ لکونه رسول الله وحبیبه رجلا صالحا ووضع رسول الله ﷺ موضع رجلا تفخیما غب تفخیم"۔

"علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ظاہر تو یوں نظر آتا ہے کہ آپ اس طرح فرماتے "رأیت نفسی اللیلة وابو بکر نیط بی" میں نے رات کو اپنے آپ کو دیکھا اس حال میں کہ ابوبکر میرے ساتھ متعلق ہیں لیکن آپ نے اپنا تذکرہ نفسی سے نہیں کیا' آپ چونکہ اللہ کے رسول اور حبیب ہیں اس لئے آپ نے اپنے آپ کو "رجل صالح" ذکر فرمایا' جو لفظ بلندی شان پر دلالت کررہا ہے کہ منصب رسالت کی شان کے لائق ہی یہ ہے کہ روز بروز شان میں اضافہ ہوتا رہے۔"

حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی شان:

"عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ یطلع علیکم من تحت الصور رجل من اهل الجنة فطلع ابوبکر فهنأناه ثم لبث هنیهة ثم قال یطلع علیکم من تحت هذا الصور رجل من اهل الجنة فطلع عمر فهنأناه ثم قال یطلع علیکم من تحت هذا الصورة رجل من اهل الجنة اللهم اجعله علیا ثلاث مرات فطلع علی اخرجه احمد، والصور جماعة النخل"۔

(الریاض النضرۃ باب ماجاء فی مناقب أبی بکر وعمر وعلی، مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۱۱ص۳۳۳)

''حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کھجوروں کے درختوں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جو جنتی ہے، اتنے میں حضرت ابوبکر ظاہر ہو گئے۔ ہم نے ان کو مبارک دی، تھوڑا وقت گذرا تو آپ نے پھر فرمایا: ان کھجوروں میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو جنتی ہوگا، تو حضرت عمر ظاہر ہو گئے، تو ہم نے ان کو مبارک دی۔ پھر آپ نے فرمایا: ان کھجوروں میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جو جنتی ہوگا، پھر آپ نے تین مرتبہ دعاء کی اے اللہ! آنے والے علی ہوں، تو اتنے میں حضرت علی ظاہر ہو گئے۔''

''چار یاروں'' کی محبت صرف مومن کے دل میں ہوتی ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا يجتمع حب هؤلاء الاربعة الا فی قلب مؤمن ابو بكر وعمر وعثمان وعلى رضی الله عنهم"۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان چار کی محبت نہیں جمع ہوگی سوائے مومن کے دل میں (وہ چار یہ ہیں) ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔'' (رواہ احمد)

"عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان الله اختار لی اصحابی على جميع العالمين سوى النبيين و المرسلين فاختار من اصحابی اربعة ابابكر

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا (بہتر بنایا) میرے صحابہ کو تمام جہانوں پر سوائے نبیوں اور رسولوں کے، تو پسند فرمایا

وعمر وعثمان وعليا رضی الله عنهم "

میرے صحابہ میں سے چار کو یعنی ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کو۔"

حوض کوثر سے پلانے والے ''چار یاروں'' کا ذکر بالترتیب:

"روی عن انس بن مالك رضی الله عنه عن النبی ﷺ انه قال ان لحوضی اربعة ارکان رکن منه فی یدأبی بکر والثانی فی ید عمر والثالث فی ید عثمان والرابع فی ید علی (رضی الله عنهم) فمن احب ابا بکر وابغض عمر لم یسقه ابو بکر ومن أحب عمر وابغض أبا بکر لم یسقه عمر ومن أحب عثمان وابغض علیا لم یسقه عثمان ومن احب علیا وابغض عثمان لم یسقه علی ومن احسن القول فی أبی بکر فقد أقام الدین ومن احسن القول فی عمر فقد أوضح السبیل ومن احسن القول فی عثمان فقد استنار بنور رب العالمین ومن احسن القول فی علی فقد استمسك بالعروة الوثقی ومن أحسن القول فی اصحابی فهو مؤمن ومن أساء القول فی اصحابی فهو منافق۔"

(کنزالعمال)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک میرے حوض (کوثر) پر چار (طرف) پیالے ہوں گے' ایک پیالہ ابو بکر کے ہاتھ میں ہوگا اور دوسرا عمر کے ہاتھ میں ہوگا اور تیسرا عثمان کے ہاتھ میں ہوگا اور چوتھا علی کے ہاتھ میں ہوگا جو شخص ابو بکر سے محبت رکھتا ہوگا اور عمر سے بغض تو ابو بکر اسے نہیں پلائیں گے' اور جو عمر سے محبت رکھتا ہوگا اور ابو بکر سے بغض، عمر اسے نہیں پلائیں گے اور جو عثمان سے محبت رکھتا ہوگا اور علی سے بغض تو عثمان اسے نہیں پلائیں گے' اور جو علی سے محبت رکھتا ہوگا اور عثمان سے بغض تو علی اسے نہیں پلائیں گے' جس نے ابو بکر کے حق میں اچھی بات کی تو تحقیق اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے عمر کے بارے میں اچھی بات کی تو اس نے سیدھی راہ کو واضح کیا اور عثمان کے بارے میں اچھی بات کی تو اس نے اپنے آپ کو رب العالمین کے نور سے منور کرلیا۔ اور جس

نے علی کے بارے میں اچھی بات کی تو اس نے (دین کی) مضبوط رسی کا سہارا لے لیا۔ اور جس نے میرے صحابہ کے بارے میں اچھی بات کی مؤمن ہے اور جس نے میرے صحابہ کے بارے میں بری بات کی وہ منافق ہے۔"

قبروں سے اٹھنے کی ترتیب:

"عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ أنا اول من تنشق عنه الأرض ثم ابو بكر ثم عمر ثم آتی اهل البقيع فيحشرون معی ثم انتظر أهل مكة"۔

(ترمذی، مستدرک حاکم، مرقاۃ شرح مرقاۃ ج ۱۱ ص ۴۵)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے میری قبر پھٹے گی، پھر ابوبکر کی، پھر عمر کی، پھر میں جنت البقیع والوں کے پاس آؤں گا، ان کو میرے ساتھ جمع کیا جائے گا، پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا۔"

عشرۃ المبشرین کے ذکر میں چار خلفاء راشدین کا ذکر بالترتیب:

"عن عبد الرحمن ابن عوف ان النبی ﷺ قال ابو بكر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة وطلحة فی الجنة والزبير فی الجنة وعبد الرحمن بن عوف فی الجنة وسعد بن ابی وقاص فی الجنة وسعيد بن زيد فی الجنة وابو عبيدة بن الجراح فی الجنة"۔

"حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابو بکر جنتی ہیں اور عمر جنتی ہیں اور عثمان جنتی ہیں اور علی جنتی ہیں، اور طلحہ جنتی ہیں، اور زبیر جنتی ہیں اور عبد الرحمٰن بن عوف جنتی ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں اور سعید بن زید جنتی ہیں اور ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔"

(رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن سعید بن زید، مشکوۃ باب مناقب العشرۃ)

عشرۃ المبشرین میں چار خلفاء راشدین کی ترتیب واضح طور پر:

"عن ابن مسعود قال قلت يا رسول الله ای

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں

الناس احب الیك قال عائشه قلت من الرجال ؟ قال ابو بکر قلت ثم من ؟ قال ثم عمر' قلت ثم من ؟ قال عثمان قلت ثم من ؟ قال ثم علی فأمسکت فقال رسول الله ﷺ سل یا عبد الله عما شئت فقلت یا رسول الله ای الناس أحب الیك بعد علی فقال طلحة ثم الزبیر ثم سعد ثم سعید ثم عبد الرحمن بن عوف ثم ابو عبیدہ بن الجراح"۔

(اخرجه الملاء فی سیرته وهو غریب' الریاض النضرة لأبی جعفر احمد الشهیر بالمحب الطبری رحمه الله)

نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں زیادہ محبوب آپ کو کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ۔ میں نے کہا: مردوں میں سے کون؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر۔ میں نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر عمر' میں نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر عثمان' میں نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر علی' تو میں خاموش ہو گیا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! پوچھئے جو چاہتے ہو' تو میں نے کہا کہ حضرت علی کے بعد لوگوں میں سے آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا پھر طلحہ' پھر زبیر' پھر سعد' پھر سعید' پھر عبد الرحمٰن بن عوف' پھر ابوعبیدہ بن جراح۔"

"چار یاروں" کو بالترتیب رب تعالیٰ نے پسند فرمالیا:

"عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ ان الله اختار اصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی من اصحابی أبابکر وعمر وعثمان وعلیا فجعلهم خیر اصحابی وفی اصحابی کلهم خیر واختار من امتی اربعة قرون الاول والثانی والثالث والرابع"۔

(اخرجه البزار فی مسندہ' الریاض النضرہ ص ۴۷)

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سب جہاں والوں پر چن لیا ہے' سوائے انبیاء اور مرسلین کے، اور میرے صحابہ میں چار کو میرے لئے چن لیا ہے یعنی ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو ،اور میرے صحابہ سب ہی بہتر ہیں، اور میری امت کو سب امتوں پر پسند فرمالیا ہے، اور

میری امت میں سے چار زمانوں کو پسند کرلیا ہے خلیفہ اول کا زمانہ اور دوسرے خلیفہ کے زمانہ اور تیسرے خلیفہ کے زمانہ کو اور چوتھے خلیفہ کے زمانے کو۔

''چار یاروں'' سے محبت ایمان ہے اور بغض رکھنا فجور (گناہ) ہے:

"عن علی بن ابی طالب ان رسول الله ﷺ قال له یا علی ان الله أمرنی ان أتخذ ابابکر وزیرا وعمر مشیرا وعثمان سندا وایاك ظهیرا انتم اربعة فقد أخذ الله میثاقکم فی أم الکتاب لا یحبکم الامؤمن ولا یبغضکم الافاجر انتم خلائف نبوتی وعقدة ذمتی وحجتی علی أمة، لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تعاقوا"۔ (اخرجه ابن السمان فی الموافقة و اخرجه أیضا من طریق آخر عن حذیفة 'الریاض النضرة ص ٤٧)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''اے علی! بیشک اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا کہ میں ابوبکر کو اپنا وزیر بناؤں' اور عمر کو مشیر اور عثمان کو اپنا سہارا بناؤں اور تمہیں مددگار۔ تم چار ہو اللہ تعالی نے تم سے ام الکتاب (لوح محفوظ) میں وعدہ لیا ہے' تمہارے ساتھ کوئی محبت نہیں کرے گا سوائے مؤمن کے اور تمہارے ساتھ کوئی بغض نہیں رکھے گا سوائے فاجر کے تم میرے نبوت کے خلیفہ ہو' اور تم میری ذمہ داری (میرے وعدہ) کے پاسبان ہو' اور تم میری امت کی حجت ودلیل ہو، آپس میں ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرنا' ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرنا' ایک دوسرے سے دوری نہ اختیار کرنا۔''

شیخ الاسلام ابوزرعۃ ولی عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم فتوی:

......﴿الاستفتاء﴾......

"سئل شیخ الاسلام محقق عصره ابوزرعة

''شیخ الاسلام محقق العصر ابوزرعۃ ولی عراقی

الولی العراقی عمن اعتقدفی الخلفاء الاربعة الافضلیة علی الترتیب المعلوم ولکنه یحب أحدهم أکثر هل یأثم ؟

رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص چار خلفاء راشدین کی فضیلت تو مشہور ومعروف ترتیب کے مطابق مانتا ہے اسی پر اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک سے زیادہ محبت رکھتا ہے تو کیا اس سے وہ گنہگار ہوگا؟

جواب:

"فأجاب بأن المحبة قد تکون لأمر دینی وقد تکون لأمر دنیوی فالمحبة الدینیة لازمة للأفضلیة فمن کان افضل کانت محبتنا الدینیة له اکثر فمتی اعتقدنا فی واحد منهم أنه افضل ثم احببنا غیره من جهة الدین اکثر کان تناقضا نعم ان احببنا غیر الأفضل اکثر من محبة الأفضل لأمر دنیوی کقرابة واحسان ونحوه فلا تناقض فی ذلك ولا امتناع فمن اعترف بأن أفضل هذه الأمة بعد نبیها صلی اللہ علیہ وسلم أبو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی لکنه أحب علیا اکثر من أبی بکر مثلا فان کانت المحبة المذکورة محبة دینیة فلا معنی لذلك اذا لمحبة الدینیة لازمة للأفضلیة کما قررناه وهذا لم یعترف بأفضلیة أبی بکر الابلسانه وأما

"تو آپ نے یہ جواب دیا کہ محبت کبھی امر دینی کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی امر دنیاوی کی وجہ سے ہوتی ہے محبت دینی افضلیت کو لازم ہے، جو افضل ہوگا اسی سے ہماری دینی محبت زیادہ ہوگی۔ جب ہم نے یہ عقیدہ رکھا کہ ان میں سے فلاں شخص سب سے افضل ہے، پھر اس کے بغیر دوسرے سے دینی محبت زیادہ کی تو ان میں تناقض لازم آئے گا (یعنی ایک دعوی میں جھوٹا ہوگا یا افضل ماننے کا دعویٰ جھوٹا ہوگا یا محبت کے دعوی میں جھوٹا ہوگا)۔ ہاں! اگر افضل کی بنسبت غیر افضل سے محبت دنیاوی وجہ سے زیادہ رکھی یعنی اس وجہ سے کہ یہ مرا رشتہ دار ہے یا اس کے مجھ پر احسانات ہیں یا کسی اور دنیاوی وجہ سے محبت زیادہ رکھی تو اس میں تناقض نہیں اور یہ منع بھی نہیں جس نے اعتراف کرلیا، (یعنی جسے علم

بقلبه فهو مفضل لعلی لكونه احبه محبة دينية زائدة على محبة أبى بكر وهذا لا يجوز وان كانت المحبة المذكورة محبة دنيوية لكونه من ذرية على اولغير ذلك من المعانى فلا امتناع فيه، انتهى"۔
(الصواعق المحرقہ، ص ٦٥)

حاصل ہوا پھر مانا' جاہل نے اعتراف کیا کرنا ہے؟) کہ اس امت میں نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر' پھر ان کے بعد حضرت عمر' پھر ان کے بعد حضرت عثمان' پھر ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم افضل ہیں لیکن وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بنسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کے محبت زیادہ رکھتا ہے اور اس کی محبت دینی ہو تو اس کا کوئی مقصد نہیں' کیونکہ محبت دینی افضلیت سے لازم آتی ہے (یعنی محبت دینی تو افضل سے ہی زیادہ ہوتی ہے) جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ حقیقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا سوائے زبان کے اعتراف نہیں کر رہا لیکن دل سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتا ہے کیونکہ محبت دینی جس سے زیادہ ہو اس کے نزدیک افضل وہی ہوتا ہے' اور یہ جائز نہیں (کیونکہ اجماع امت کے خلاف ہے' ایسے لوگ ہی تفضیلی رافضی کہلاتے ہیں) ہاں! اگر اولادِ علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے کوئی رشتہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے دنیاوی محبت زیادہ رکھے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

مصطفیٰ کریم ﷺ نے چار خلفاء راشدین کے اوصاف بالترتیب بیان فرمائے:

"عن علی قال قال رسول الله ﷺ رحم الله أبابكر زوجنى ابنته وحملنى الى دار الهجرة وصحبنى فى الغار واعتق بلالا من ماله رحم الله عمر يقول الحق وان كان مرّا تركه الحق وماله من صديق رحم الله عثمان يستحيى منه الملائكة رحمه الله عليا اللهم ادر الحق معه حيث دار"۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ رحم کرے ابوبکر پر جنہوں نے اپنی بیٹی کا میرے ساتھ نکاح کیا' اور مجھے مقام ہجرت تک سواری پر سوار کیا اور غار میں میرے ساتھ رہے' اور آزاد کیا بلال کو اپنے مال سے۔ اللہ رحم کرے عمر پر' جو حق بات کہتے ہیں' اگرچہ حق کڑوا ہی ہو' اور حق بیان کرنے میں اکیلے ہوتے ہیں آپ کا کوئی

اس میں دوست نہیں ہوتا۔ اللہ رحم کرے عثمان پر' جن سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ اللہ رحم کرے علی رضی اللہ عنہم پر' اے اللہ وہ جہاں پھریں ان کے ساتھ حق کو پھیر۔"

(رواه الترمذی وقال هذاحديث غريب مشكوة باب مناقب العشرة)

وضاحت حدیث:

سبحان اللہ! یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے' ارشاد میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے' جس سے واضح ہو رہا ہے کہ چار خلفاء راشدین میں مدارج وفضیلت میں جو ترتیب ہے' قدرتی طور پر رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہی ترتیب ان کی خلافت میں بھی آ گئی۔

"**رحم الله أبابكر**" (اللہ رحم کرے ابوبکر پر) "فيه جواز الدعاء بالرحمة للاحياء" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے پتہ چلا کہ زندہ شخص کیلئے رحمت کی دعاء کرنا جائز ہے یعنی کسی زندہ شخص کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ کہنا سنت نبوی ہے۔ اگرچہ ہمارے عرف میں فوت شدہ کے نام کے ساتھ ہی صرف "رحمه الله" یا "رحمۃ اللہ علیہ" کہتے ہیں۔

راقم کو یہ خوشی ہوگی کہ میری زندگی میں میرے احباب میرے نام کا کہیں اعلان کریں تو "عبدالرزاق بھترالوی رحمہ اللہ" کہا کریں' تاکہ غلط رواج ختم ہو جائے۔

"**زوجنی ابنته**" انہوں نے میرے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔ یہ آپ کا عاجزانہ کلام ہے اور ایک احسان کا شکریہ ادا کر دیا ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ان پر بہت احسانات ہیں' صرف کلمہ پڑھانے کا ہی اتنا بڑا احسان ہے جس کا شکریہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ادا نہیں کر سکتے۔

(**وحملنی الی دار الهجرة**) "ای علی بعيره ولوعلی قبول ثمنه" مجھے انہوں نے اپنی سواری پر سوار کر کے مقام ہجرت تک پہنچایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹنی کی قیمت (مراد ثمن) لینے پر مجبور کیا تھا' انہوں نے ثمن آپ کے ارشاد کے مطابق وصول بھی کئے تھے، پھر بھی آپ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

(وصحبنی فی الغار) "ای حین ھجرنی الأغیار" وہ میری ساتھ غار میں رہے جب دوسرے لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔"

(واعتق بلالا من ماله) ای وجعله خادما لی فی ماله "اورانہوں نے مال سے حضرت بلال کو خرید کے آزاد کردیا، اور میرا خادم بنادیا۔"

(رحم الله عمر یقول الحق) ای الصرف او القول الحق "اللہ تعالیٰ عمر پر رحم کرے ان کا ہر فیصلہ حق ہوتا ہے' ان کی ہر بات حق ہوتی ہے۔

(وان کان مرا) ای ولو کان الحق الصرف اوالقول الحق ای صعبا علی الخلق" "اگرچہ حق کڑوا ہوتا ہے' یعنی حق بات مخلوق کو ماننی مشکل ہوتی ہے۔"

(ترکه الحق) استئناف بیان (وماله من صدیق) جملة حالیة ای صیرہ قول الحق بھذہ الصفة اوخلاہ بھذہ الحالة" "یہ نیا جملہ ہے' مطلب اس کا یہ ہے کہ بات کو حق کی طرف اس صفت سے پھیرنا اور اس میں کوئی دوست مددگار بھی نہ ہو تو یہ ان کا ہی خاصہ ہے۔"

یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حق کہنے میں وہ اکیلے ہوتے ہیں اس حال میں ان کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔

"وھی أنه لا صدیق له اکتفاء برضاء الله ورسوله" "یعنی وہ حق بات کہتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی رضاء کیلئے۔"

انہیں اس معاملہ میں کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی میرا حامی ومددگار نہیں۔

"والمعنی من صدیق تکون صداقته للمراعاة والمداراة' لامطلقا والا فلا شك ان الصدیق کان صدیقاله" "جس دوستی کی نفی ہے اس سے مراد کہ حق بات کی طرف پھرنے میں ان کو رعایت کرنے والے' مہربانی کرنے والے' روا داری رکھنے والے دوست کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مطلق دوست کی نفی نہیں کہ آپ کا کوئی

دوست ہی نہیں حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (اور صحابہ کرام) آپ کے دوست تھے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

(ترك) اس مقام میں یا تو بمعنیٰ "صیر" کے استعمال ہے' اس صورت میں "وماله من صديق" مفعول ثانی ہے' اور یا یہ بمعنیٰ "خلى" کے استعمال ہے۔ (علیحدہ ہونا) جب یہ معنیٰ لیا جائے تو "وماله من صديق" مفعول سے حال ہے۔

"رحم الله عثمان تستحيى منه الملائكة" "اللہ رحم کرے عثمان پر ان سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔"

یہ جملہ واضح ہے' وضاحت کی ضرورت نہیں۔

"رحم الله عليا اللهم ادر الحق معه حيث دار" "اللہ رحم کرے علی پر' اے اللہ! حق کو ان کے ساتھ چلا جہاں وہ چلیں۔"

(ادر) امر ہے (ادارة) سے' اس کا معنیٰ ہے (اجعل الحق دائرا او سائرا معه) اے اللہ! حق کو دائر کر اور ان کے ساتھ چلا۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۶۹)

"حق چار یار" اور امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ:

"افضل الناس بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ابوبكر الصديق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم على بن أبى طالب"۔ (فقہ اکبر مع شرح لعلامۃ القاری ص ۶۱'۶۲)

"سب لوگوں سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ہیں' پھر حضرت عمر بن خطاب ہیں' پھر حضرت عثمان بن عفان ہیں' پھر حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔" (رضی اللہ عنہم)

مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

"وأولى ما يستدل به على افضلية الصديق فى مقام التحقيق نصبه عليه الصلوة والسلام لأمامة الأنام مدة مرضة

"سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تحقیقی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض کے دنوں اور راتوں میں

فی اللیالی والایام ولذا قال أکابر الصحابة رضیه لدیننا أفلا نرضاه لدنیانا"۔

(شرح فقہ اکبر ص ٦٣)

لوگوں کا امام مقرر کیا، اسی وجہ سے اکابر صحابہ کرام نے فرمایا، جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا، ہم اسے دنیا کیلئے کیوں نہ پسند کریں۔

رافضیوں اور معتزلہ کا عقیدہ:

"ثم اعلم ان جمیع الروافض واکثر المعتزلة یفضلون علیا علی أبی بکر"

(شرح فقہ اکبر ص ٦٣)

"پھر یقین کر لو کہ بیشک تمام رافضیوں اور اکثر معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔"

"حق چار یار" اور علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ:

"اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی ثم سائر العشرة ثم باقی اهل البدر ثم باقی اهل أحد ثم باقی اهل البیعة ثم باقی الصحابة هکذا حکی الاجماع ابو منصور البغدادی"۔

(تاریخ الخلفاء ص ٣٧)

"اہل سنت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل حضرت ابو بکر ہیں، پھر حضرت عمر ہیں، پھر حضرت عثمان ہیں، پھر حضرت علی ہیں، پھر باقی العشرۃ المبشرین ہیں، پھر باقی اہل بدر ہیں، پھر باقی اہل احد ہیں، پھر باقی بیعت رضوان والے ہیں، پھر باقی تمام صحابہ کرام ہیں۔ اسی طرح ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر اجماع امت کو بیان کیا ہے۔"

"حق چار یار" وصدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ:

استاذِ استاذی المکرم (حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی صدر الافاضل

حضرت علامہ مولٰینا نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ مراد آبادی صاحب خزائن العرفان فرماتے ہیں:

""اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام عالم سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں' انکے بعد حضرت عمر' ان کے بعد حضرت عثمان' اور ان کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہم)۔ (خاکِ کربلا ص ۱۸)

خلفاء اربعہ کی اصطلاح سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی استعمال کی:

""خلفاء اربعہ (چار یاروں) اور سیدنا حسن علیہم الرضوان کا زمانہ تیس سال ہے جس پر خلافت ورحمت کا خاتمہ ہوگیا۔"" (تصفیہ مابین السنی والشیعہ ص ۸)

آپ نے خلفاء اربعہ (چار یاروں) کا ذکر کر کے امام حسن رضی اللہ عنہ کا علیحدہ ذکر کیا ہے۔ خلفاء خمسہ (پانچ یار) نہیں بیان کیا۔ لہذا تفضیلی رافضیوں کی دلیل کا قلع قمع ہوگیا کہ اگر خلیفہ مراد ہوتو ""حق پانچ یار"" کہنا چاہیے' یہ حربہ جاہل سنیوں کو رافضی بنانے کا ہے۔

حضرت نے اپنی اسی کتاب میں کم از کم تیس مرتبہ ""خلفاء اربعہ"" کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

خلفاء اربعہ (چار یار) اور اعلی حضرت مولٰینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

مسئلہ دوم:

خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالی علیہم سے آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل تھے یا کم؟

الجواب:

اہل سنت و جماعت نصرہم اللہ تعالی کا جامع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالی وتسلیما علیہم کے بعد حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالی علیہم تمام مخلوق الہی سے افضل ہیں۔ تمام امم عالمِ اولین وآخرین میں کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقربت کو نہیں پہنچتا۔

وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط — فضل اللہ تعالی کے دست قدرت میں ہے

وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"
(القرآن الحکیم ۵۷:۲۹)

پھران میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولی علی رضی اللہ عنہ علی سیدہم ومولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم۔ مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم واحادیث کثیرہ حضور پرنور نبی کریم علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشادات جلیلہ واضحہ امیر المومنین مولی علی مرتضی ودیگر ائمہ اہل بیت طہارت وارتضاء واجماع صحابہ کرام وتابعین عظام وتصریحات اولیائے امت وعلمائے امت رضی اللہ عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ حجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہوسکتا۔

(فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۴۷۸ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور)

اعتراض: نعرۂ تحقیق دیوبندیوں کی ایجاد ہے:

سنی حضرات نعرۂ تحقیق کیوں لگائیں؟ یہ تو مولوی مظہر چکوالی کی ایجاد ہے جو دیوبندی تھا۔

جواب:

اگر یہ دیوبندیوں کی ایجاد ہے تو ہمیں اس سے بہت بڑا فائدہ حاصل ہورہا ہے کہ ادھر کہتے ہو کہ "نعرہ رسالت" بدعت ہے تو ادھر کبھی "نعرۂ تحقیق" لگارہے ہو کبھی "تاج وتخت ختم نبوت" کا نعرہ لگارہے ہو اگر یہ جائز ہیں تو "نعرۂ رسالت" بھی جائز ہے۔

راقم کے نزدیک مروج کوئی نعرہ بھی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں کہ ایک شخص کہے: "نعرہ تکبیر" دوسرے جواب دیں "اللہ اکبر"۔ یہ طریقہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے دور میں کب تھا؟ جب کوئی اتنا کہے کہ صحابہ کرام جنگوں میں "اللہ اکبر" پڑھتے تھے، وہ "نعرہ تکبیر" ہی تھا۔ یہ جواب اس لئے کافی نہیں کہ وہاں ایک شخص "نعرہ تکبیر" نہیں کہتا تھا بلکہ صحابہ کرام ازخود ہی "اللہ اکبر" پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد ہم چونتیس مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھتے ہیں، کیا اسے نعرہ تکبیر کہا جائے گا یا صرف تکبیر (اللہ اکبر پڑھنا) کہا جائے گا۔ صرف جہاد

میں ''اللہ اکبر'' پڑھنے سے اگر ''نعرۂ تکبیر'' جائز ہے (یقیناً ہم جائز مانتے ہیں) تو ''نعرۂ رسالت'' بھی جائز ہے کیونکہ ہجرت کر کے جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ میں پہنچے تو بنی نجار کی لڑکیاں دف بجا کر جو اشعار پڑھ رہی تھیں، ان میں ایک شعر یہ بھی تھا:

"ایھا المبعوث فینا بالامر المطاع" ''اب ہم میں مبعوث، ایسے امر سے جس کی اطاعت لازم ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے جب قبائل انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً ''یارسول اللہ ﷺ'' حضور نے فرمایا میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ (مدارج النبوت اردو جلد دوم ص ۱۰۶)

''نعرہ حیدری'' اور ''نعرہ غوثیہ'' بھی جائزہ ہوں گے جب ''یا علی'' اور ''یا غوث اعظم'' کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ نیک لوگ اللہ تعالی کی دی ہوئی طاقت سے امداد کرتے ہیں۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ خود مستقل طور پر اللہ تعالی کے مقابل امداد کرتے ہیں تو یہ شرک ہوگا۔

''نعرۂ تحقیق'' کا جواب ''حق چار یار'' درست ہے۔ دلائل سے راقم نے ''نعرۂ تحقیق'' کا جواب ''حق چار یار'' بیان کرنے میں حق ادا کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو پکارنے کا ذکر ''وسیلہ طلب کرنے'' کی بحث میں آئے گا۔

''حق چار یار'' اور امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ:

(باب) "فی بیان ان افضل الاولیاء المحمدیین بعد الانبیاء والمرسلین ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم اجمعین"۔

''نبی کریم ﷺ کی امت کے اولیاء میں انبیاء ومرسلین کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں، ان کے بعد حضرت عمر ہیں، ان کے بعد حضرت عثمان ہیں، اور ان کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہم) ہیں یعنی انبیاء ومرسلین کے سوا اگلے اور پچھلے تمام لوگوں سے افضل حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں' پھران کے بعد تینوں خلفاء راشدین بالترتیب افضلیت رکھتے ہیں۔

یہ افضلیت مطلق ہے' صرف خلافت میں اولیت کی بات نہیں۔ ارے تفضیلی رافضی! اجماع امت کی مخالفت کر کے دین سے بغاوت نہ کر۔

''حق چار یار'' اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ:

"اتفق اهل السنة ان افضلهم الخلفاء الاربعة" (نووی شرح مسلم فضائل صحابہ)

''اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلفاء اربعہ (چار یار) علی الترتیب افضل ہیں۔''

وہ ترتیب بھی ان الفاظ سے ذکر فرمادی:

"اتفق اهل السنة ان افضلهم ابو بكر ثم عمر"

''اہل سنت کا اتفاق ہے کہ سب صحابہ کرام سے افضل ابوبکر ہیں' پھر حضرت عمر ہیں۔''

''حق چار یار'' اور علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۷۴ھ:

آپ نے خلفاء راشدین کی فضیلت بالترتیب میں عنوان قائم کیا:

"الباب الثالث فی بیان افضلیة ابی بکر علی سائر هذه الأمة ثم عمر ثم عثمان ثم علی"۔ (رضی الله عنهم)
(الصواق الحرقۃ ص ۵۷)

''تیسرا باب اس بیان میں کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں' پھر حضرت عمر ہیں' پھر حضرت عثمان ہیں' پھر حضرت علی ہیں۔'' (رضی اللہ عنہم)

افضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ثبوت قرآن پاک سے:

﴿۱﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O
(سورہ فاتحہ ۱:۵)

''ہمیں سیدھی راہ چلا' راہ ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہے۔''

ان آیات میں سیدھی راہ پر چلانے کی دعاء کی گئی ہے' پھر یہ بتایا گیا کہ یوں دعاء کرو۔اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کی راہ چلا جن پر تیرا انعام ہے۔

پھر رب تعالی نے خود ہی واضح کر دیا کہ جن لوگوں پر اللہ تعالی کا انعام ہے وہ کون لوگ ہیں؟

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا O
(سورہ النساء ۵:۶۹)

''اور جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔''
(کنزالایمان)

مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالی کا انعام اور اس کا فضل انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین پر ہے۔

فائدہ جلیلہ:

(اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم)" يدل على امامة أبى بكر رضى الله عنه"۔

''رب تعالی کا ارشاد گرامی: (اھدنا الصراط ......) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کر رہا ہے۔''

اس لئے کہ جب یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ جن لوگوں پر اللہ تعالی کا انعام ہے وہ انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں' تو اسی سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ:

"ولا شك ان رأس الصديقين ورئيسهم ابو بكر الصديق رضى الله عنه' فكان معنى

اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیقین کے سردار اور رئیس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔آیۃ کریمہ

الآية ان الله أمرنا ان نطلب الهداية التی کان علیها أبو بکر الصدیق وسائر الصدیقین ولو کان أبو بکر ظالما جائز الاقتداء به فثبت بما ذکرناه ودلالة هذه الآية علی امامة أبی بکر"۔

(تفسیر کبیر، علامہ رازی رحمہ اللہ، سورۃ الفاتحہ)

(۲) وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝

(سورۃ اللیل ۳۰: ۱۷ تا ۲۱)

"قال ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی أبی بکر ففیها التصریح بأنه اتقی من سائر الأمة والأتقی هو الاکرم عند الله لقوله تعالی (ان أکرمکم عند الله اتقاکم) والاکرم عند الله الافضل ففتح انه افضل من بقیة الأمة"

کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس راہ کی ہدایت طلب کریں جس پر ابوبکر صدیق اور دوسرے تمام صدیقین ہیں، اگر (معاذ اللہ) ابوبکر ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء جائز نہ ہوتی۔ اسی بحث سے یہ واضح ہو گیا جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیۃ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر دلالت کر رہی ہے۔"

"اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو، اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں، جس کا بدلہ دیا جائے، صرف اپنے رب کی رضاء چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔" (کنز الایمان)

"ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیۃ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس پر اجماع امت ہے آیۃ کریمہ میں واضح طور پر آپ کی صفت "اتقیٰ" (بڑا پرہیزگار) ذکر فرمائی، اور یہ بھی واضح ہے کہ جو بڑا پرہیزگار ہے وہی اللہ کے ہاں بہت مکرم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) بیشک اللہ کے

ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں
زیادہ پرہیزگار۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض جہلاء نے اس آیۂ کریمہ کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنایا ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مالی احسان ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تو آپ کا احسان حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے، نہ کہ ان کا احسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ (ماخوذ از الصواق المحرقہ ص ٦٦)

﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝

(سورۃ الیل ٣٠: ١ تا ٧)

"اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے، اور دن کی جب چمکے، اور اس کی جس نے نر مادہ بنائے، بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے، اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی، اور سب سے اچھی چیز سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔" (کنزالایمان)

شان نزول:

صدرالافاضل حضرت مولینا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک حضرت صدیق ہیں اور دوسرا امیہ۔ اشقی امیہ بن خلف، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو اس (امیہ بن خلف) کی ملکیت میں تھے دین سے منحرف کرنے کیلئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا، ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ امیہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے (گرم) پتھر ان کے سینہ پر رکھے ہیں اور اس حال

میں کلمۂ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے۔ آپ نے امیہ سے فرمایا: اے بد نصیب! ایک خداپرست پر سختیاں' اس نے کہا: آپ کواس کی تکلیف ناگوار ہوتو خرید لیجئے' آپ نے گراں قیمت پر ان کوخرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی اس میں بیان فرمادیا گیا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رضاء الٰہی کے طالب ہیں اور امید حق کی دشمنی میں اندھا۔"

(خزائن العرفان)

ابن حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی شان نزول ذکر کیا۔ (الصواعق المحر قہ ص ٦٦)

{۴} وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝

(سورۃ زمر ۲۴:۲۳)

"اور وہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی ہے وہ ڈر والے ہیں۔"

(کنزالایمان)

تفسیر بقول علی المرتضی رضی اللہ عنہ:

"اخرج البزار وابن عساکر ان علیا رضی الله عنه قال فی تفسیر ها الذی جاء بالحق هو محمد صلی اللہ علیہ وسلم والذی صدق به ابو بکر"۔

(الصواعق المحر قہ ص ٦٦)

مسند بزار اور ابن عساکر میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں "والذی جاء بالصدق" کی تفسیر "والذی جاء بالحق" سے کی ہے کہ وہ جنہوں نے حق لایا وہ ہیں' حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جنہوں نے آپ کی تصدیق (سب سے پہلے کی) وہ ہیں 'حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔"

یعنی مسئلہ نکھر کر واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیۃ مذکورہ کا شان نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنایا" اور ان کو ہی اعلی درجہ کا متقی قرار دیا گیا' اور اعلی درجہ کا تقوی ہی رب تعالی کا مقرب بنانے کا ذریعہ ہے۔

(الصواعق المحر قہ ص ٦٦ بوضاحت راقم)

﴿۵﴾ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ التحریم ۲۸:۴)

''تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے۔''

"اخرج الطبرانی عن ابن عمر وابن عباس (رضی الله عنهم) انها نزلت فی أبی بکر وعمر"

(الصواعق المحرقہ ص ۶۶)

''طبرانی نے بیان کیا ہے کہ آیۃ کریمہ کا یہ حصہ (یعنی وصالح المومنین) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوا۔''

واضح ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نیک ایمان والے ہونے کی خود شہادت دے دی۔

﴿۶﴾ وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

(سورۃ النور ۱۸:۲۲)

''اور نہ قسم اٹھائیں وہ جو تم میں سے فضیلت والے ہیں (اور منزلت والے ہیں دین میں) اور گنجائش والے ہیں کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں' کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

(کنز الایمان)

وضاحت:

بخاری کی حدیث پر سب مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیۃ کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جب آپ نے قسم اٹھائی کہ وہ مسطح پر آئندہ مال نہیں خرچ کریں گے۔ تو رب تعالیٰ نے قسم توڑ کر کفارہ ادا کر کے اس کے خرچ جاری کرنے کا حکم دیا۔ وہ غریب تھے اور بدری صحابی تھے اور آپ کی خالہ کے بیٹے تھے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے تھے اسی وجہ سے آپ نے اس کو مال نہ دینے کی قسم اٹھائی تھی اور اس آیۃ میں رب تعالی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فضیلت والا کہا ہے صاحب ایمان تو رب تعالی کے ارشاد کو ہی مانتے ہوئے کہے گا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فضیلت والے ہیں، برگزیدہ ہیں، اور قدر و منزلت والے ہیں، تیرے کہنے پر کہ "ان کو صرف خلافت میں اولیت حاصل ہے، فضیلت میں اولیت حاصل نہیں" کون اعتبار کرے؟ رب تعالی کا ارشاد ہی قابل تسلیم ہے، کسی جاہل کی بات کو تو ہم نہیں مان سکتے۔

﴿۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ○
(سورۃ احزاب ۲۲:۴۳)

"وہی جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالے اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے۔"

شان نزول:

"وأخرج عبد بن حميد عن مجاهد لما نزل " ان الله وملائكته يصلون على النبي ياايها الذين آمنو اصلوا عليه وسلموا تسليما، قال ابو بكر يا رسول الله ما انزل الله عليك خيرا الاشر كنا فيه فنزل هو الذى يصلى عليكم وملائكته ليخرجكم من الظلمات الى النور "

(الصواعق المحرقۃ ص ۶۷)

"عبد بن حمید مجاہد سے روایت کرتے ہیں: جب آیۃ کریمہ " ان اللہ وملائکتہ ...... نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب بھی اللہ تعالی نے آپ کو کسی خصوصی مہربانی سے نوازا تو اس نے اپنی مہربانی سے ہمیں بھی اس میں ضرور شریک کیا (یعنی آپ نے خواہش کا اظہار کیا کہ اللہ تعالی ہمیں بھی اس مہربانی سے نوازے) تو اللہ تعالی نے اس آیۃ کریمہ "هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلَائِكَتَهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى

النُّوْرِ" کو نازل فرمایا۔"

﴿٨﴾ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران۳:۱۵۹) "اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔"

شانِ نزول:

"أخرج الحاکم عن ابن عباس انها نزلت فی أبی بکر وعمر"

"اس کا ایک شان نزول حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا: بیشک یہ آیۃ کریمہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔"

ایک حدیث پاک سے اس کو تائید حاصل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان اللہ أمرنی ان استشهر أبا بکر وعمر"

"بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کرلیا کروں۔"

احادیث مبارکہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

کئی احادیث کو گزشتہ اوراق میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ چند اور احادیث کو دیکھتے چلے جائیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کفر ہے:

① "وعن ابن عمر عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لأبی بکر انت صاحبی فی الغار وصاحبی علی الحوض"۔
(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب أبی بکر رضی اللہ عنہ)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تم غار میں میرے صاحب تھے، اور حوض کوثر پر بھی تم میرے صاحب ہو گے۔"

وضاحت حدیث:

(**فی الغار**) "ای فی غار ثور بمکۃ حالۃ الهجرۃ من دیار الکفار"

"آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم ہجرت کے وقت مکہ کے علاقہ میں غار ثور میں میرے صاحب تھے۔"

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"

(سورۃ التوبہ ۱۰:۴۰)

"جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا دو میں سے ایک جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ کہہ رہے تھے اپنے صاحب کو تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" (کنزالایمان)

"فالمعنی انت صاحبی المخصوص حینئذ أو انت صاحبی بشهادۃ اللہ اذ اجمع المفسرون علی ان المراد بصاحبه فی الآیۃ هو ابو بکر وقد قالوا من أنکر صحبۃ أبی

"مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت میرے خاص صاحب تھے، یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت میرے صاحب تھے تمہاری صحابیت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی۔ مفسرین کرام کا

بکر کفر لأنه أنکر النص الجلی بخلاف انکار صحبة غیرہ من عمر أوعثمان أو علی رضوان الله علیهم اجمعین"

اجماع ہے کہ آیۃ کریمہ میں 'لصاحبہ'' سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اسی وجہ سے اہل علم نے کہا ہے کہ جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا کیونکہ آپ کی صحابیت نص جلی سے ثابت ہے۔ آپ کی صحابیت کے سوا کسی اور کی صحابیت نص جلی سے ثابت نہیں، یعنی حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی صحابیت قرآن پاک کی آیۃ سے (یعنی نص جلی) سے ثابت نہیں۔

(**وصاحبی**) ای المخصوص (علی الحوض) وفیه ایماء الی أنه صاحبه فی الدارین کما ان صاحبه الأن فی البرزخ"

(ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۶)

''آپ کا یہ ارشاد تم حوض کوثر پر بھی میرے صاحب ہو گے، اس سے مراد یہ ہے کہ تم میرے خاص صاحب ہو گے، اور اس میں یہ اشارہ بھی پایا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب دونوں جہانوں میں ہیں، جس طرح اب برزخ میں (یعنی قبر کی زندگی میں) بھی آپ کے صاحب ہیں۔''

"وفی مسند الفردوس الدیلمی عن عائشة قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر منی وانا منه وابو بکر اخی فی الدنیا والآخرة"۔

(مرقاۃ، ج ۱۱، ص ۲۸۷)

''فردوس دیلمی میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ابوبکر مجھ سے (متعلق) ہیں، اور میں ان سے ہوں یعنی میں ان سے متعلق ہوں۔ اور ابوبکر دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں:

(۲) "وعن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لقوم فیهم أبو بکر ان یؤمهم

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم کے لائق نہیں

غیرہ "۔(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

"وفیه دلیل علی أنه أفضل جمیع الصحابة فاذا ثبت ھذا فقد ثبت استحقاق الخلافة ولا ینبغی ان یجعل المفضول خلیفة مع وجود الفاضل "۔

(مرقاۃ ج۱۱ص ۲۸۷)

کہ ان میں ابو بکر موجود ہوں تو ان کے بغیر کوئی اور نماز پڑھائے۔"

"اس حدیث پاک سے یہ دلیل حاصل ہوئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں جب آپ کا تمام صحابہ کرام سے افضل ہونا ثابت ہو گیا تو اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مستحق خلافت بھی آپ ہی تھے کیونکہ فاضل (فضیلت رکھنے والے) کے موجود ہوتے ہوئے مفضول (اس سے کم فضیلت والے) کو خلیفہ نہیں بنایا جا سکتا۔"

۳ "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مالأحد عندنا ید الا وقد کافیناہ ما خلا أبا بکر فان له عندنا یدا یکافئه الله بها یوم القیامة وما نفعنی مال أحد قط ما نفعنی مال أبی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت أبا بکر خلیلا الا وان صاحبکم خلیل الله "۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ایک کا مجھ پر انعام اور عطیہ نہیں مگر یہ کہ میں نے اس کا بدلہ دے دیا ہے، سوائے ابو بکر کے۔ بیشک ان کے ہم پر اتنے انعام ہیں کہ ان کا بدلہ اللہ تعالی ہی ان کو عطاء کرے گا۔ مجھے کسی ایک کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابو بکر کے مال نے مجھے نفع دیا ہے۔ اگر میں کسی کو خلیل (محتاج الیہ) بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا، بیشک تمہارا صاحب اللہ کا خلیل ہے۔"

"وقیل اراد بالید النعمة وقد بذلها کلها أیاہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی المال والنفس والأھل

"حدیث شریف میں جو لفظ "ید" استعمال ہے اس سے مراد نعمت ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

والولد"۔
(مرقاۃ ج۱۱ص۲۸۶)

نے اپنا تمام مال بلکہ اپنی جان اور اہل وعیال بھی رسول اللہ ﷺ پر نچھاور کر دیئے۔"

"وعن عائشہ قالت انفق ابو بکر علی النبی ﷺ اربعین ألفا۔
(اخرجہ ابو حاتم، مرقاۃ ج۱۱ص۲۷۶)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ پر چالیس ہزار (درہم) خرچ کیے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب "عتیق" سے آپ کی افضلیت واضح ہے:

۴ "عن عائشة ان أبا بکر دخل علی رسول الله ﷺ فقال انت عتیق الله من النار فیومئذ سمی عتیقا"۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے گھر داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے تمہیں آگ سے آزاد کر دیا تو اس دن سے آپ کا نام عتیق رکھ لیا گیا یعنی آپ کا لقب "عتیق" بن گیا۔"

"قال الراغب العتیق المتقدم فی الزمان أوالمکان أوالرتبة"

"علامہ راغب اصفہانی نے فرمایا: "عتیق" اسے کہا جاتا ہے جو زمان یا مکان یا رتبہ میں مقدم ہو"

واضح ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگ سے آزاد ہونے کی وجہ سے بھی "عتیق" ہیں، اور اسلام لانے میں سبقت کی وجہ سے بھی "عتیق" ہیں اور سب صحابہ کرام سے رتبہ میں اولیت کے لحاظ پر بھی قدیم ہیں۔

فائدہ:

کعبہ شریف کا لقب بھی "عتیق" ہے، اس کے کرم کی وجہ سے وہ "عتیق" ہے (یعنی جو اس کی زیارت کرتے ہیں ان کی دعائیں کعبہ کے کرم کی وجہ سے قبول ہوتی ہیں) سب

سے پہلے لوگوں کیلئے بننے والا گھر کعبہ ہی ہے اس لئے بھی وہ ''عتیق'' ہے۔ رتبہ کی اولیت کی وجہ سے بھی ''عتیق'' ہے' طوفان سے آزاد ہونے کی وجہ سے بھی ''عتیق'' ہے اور ظالموں کے ظلم سے آزاد ہونے کی وجہ سے بھی ''عتیق'' ہے۔

"ثم قوله فیومئذ سمی عتیقا ای لقب به من ذلك الیوم"۔

''یعنی نبی کریم ﷺ نے جب سے آپ کیلئے ''عتیق'' استعمال کیا اس وقت سے آپ کا لقب عتیق بن گیا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام ونسب:

آپ کی کنیت ''ابوبکر''، آپ کا لقب ''صدیق'' اور ''عتیق''، آپ کا نام ''عبد اللہ'' ہے' آپ کے باپ کا نام ''عثمان'' اور ان کی کنیت ''ابوقحافہ'' ہے' آپ کا نسب ساتویں پشت میں نبی کریم ﷺ سے مل جاتا ہے۔

''ابوبکر عبداللہ بن عثمان ابوقحافہ (بضم القاف) ابن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرۃ''۔ (مرقاۃ ج۱۱ص ۲۸۸)

خصوصی شرافت' جو کسی کو بھی حاصل نہیں:

"وله ولابویه وولده وولد ولده صحبة ولم یجتمع هذا لاحد من الصحابة"

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود بھی صحابی اور آپ کے ماں باپ بھی صحابی' آپ کی اولاد اور آپ کی اولاد کی اولاد کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ یہ فضیلت وشرافت صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں۔''

آپ کی پیدائش:

مکہ مکرمہ عام الفیل کے دو سال چار ماہ ''سوائے چند دن کم'' بعد ہوئی۔

آپ کی عمر:

تریسٹھ سال تھی۔ آپ کی وفات ۱۳ھ جمادی الاخری شب منگل کی مغرب وعشاء

کے درمیان مدینہ طیبہ میں ہوئی آپ کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(مرقاۃ ج ۱۱ص ۲۸۸)

آپ کی خلافت:

دو سال چار ماہ ہے۔ آپ سے احادیث روایت کرنے والے کثیر صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔

"ولم یرو عنہ من الحدیث الا القلیل لقلۃ مدتہ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

"آپ سے احادیث کم تعداد میں مروی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی مدت بہت کم ہے۔"

پھر آپ کا مانعین زکوۃ سے مقابلہ اور جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر سے سخت مقابلہ ہونے کی وجہ سے بھی آپ کو روایات حدیث کا وقت کم ملا۔

(مرقاۃ ج ۱۱ص ۲۸۸ بزیادۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں:

﴿۵﴾ "عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أتانی جبریل فأخذ بیدی فأرانی باب الجنۃ الذی یدخل منہ امتی فقال ابو بکر یا رسول اللہ وددت انی کنت معك حتی انظر الیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أما انك یا أبا بکر أول من یدخل الجنۃ من امتی"۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا مجھے جنت کا دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہو گی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مجھے تو یہ پسند تھا کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تو میں بھی جنت کا دروازہ دیکھ لیتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن اے ابو بکر! میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل

(رواہ ابو داؤد ، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

ہونے والے تم ہی ہو گے۔'' (تم جنت کا دروازہ خود ہی دیکھ لو گے)

"فیه دلیل علی أنه افضل الأمة والا لما سبقهم فی دخول الجنة"

''اس میں دلیل ہے اس پر کہ بیشک امت میں سے افضل آپ ہی ہیں، ورنہ آپ کو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا۔''

"وفیه ایماء الی أنه اسبق الأمة ایمانا لقوله تعالی والسابقون السابقون"

''اور اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ پایا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، اسی لئے جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آپ ہی ہوں گے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ O اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ O فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ O (سورۃ واقعہ ۲۷: ۱۰ تا ۱۲)

(ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۸)

''جو (نیکیوں اور ایمان میں) سبقت والے ہیں وہی (دخول جنت میں) سبقت والے ہیں وہ مقرب ہوں گے جنات نعیم میں۔''

⑥ "عن عائشة قالت قال لی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضه ادعی لی أبا بکر أباك وأخاك حتی اکتب کتابا فانی أخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل أنا ولا یأبی الله والمؤمنون الا أبابکر"۔

(رواہ مسلم وفی کتاب الحمیدی انا أولی بدل انا ولا، مشکوۃ باب مناقب أبی بکر رضی اللہ عنہ)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض میں ارشاد فرمایا: تم میرے پاس اپنے باپ ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ایک مکتوب لکھ دوں، بیشک میں خوف رکھتا ہوں کہ تمنا کرنے والا تمنا کرے گا، اور کہے گا میں (حقدار ہوں) حالانکہ (وہ حقدار) نہیں ہو گا، اللہ تعالی اور مومنین انکار کرتے ہیں سوائے ابوبکر کے۔''

کتاب الحمیدی میں ''انا ولا'' کی جگہ ''انا اولی'' کے الفاظ ہیں۔

وضاحت حدیث:

جس مرض میں آپ نے ارشاد فرمایا: اس سے مراد وہ مرض ہے جس میں آپ کا وصال ہوا ''اپنے بھائی کو بلاؤ'' اس سے مراد عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہیں۔ شرح مسلم میں ہے کہ ان کو بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لکھیں'' حتی اکتب کتابا '' سے مراد یہ ہے کہ میں لکھنے کا حکم دوں' تا کہ ایک خط تیار کرلیا جائے۔

(فانی أخاف ان یتمنی متمن) ای للخلافة علی تقدیر عدم الکتابة "

'' مجھے خوف ہے کہ تمنا کرنے والا تمنا کرے گا یعنی اگر خط نہ لکھا گیا تو ہوسکتا ہے کوئی شخص خلافت کی تمنا کرنے والا تمنا کرے۔''

(**ویقول قائل**) وہ تمنا کرنے والا یہ کہے:

(انا ولا) "ای أنا مستحق للخلافة ولا یکون لھا مع وجود أبی بکر "

'' میں خلافت کا مستحق ہوں' حالانکہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے وہ خلافت کا مستحق نہیں ہوگا۔''

(ویأبی اللہ والمؤمنون) " ای خلافا للمنافقین والرافضة فی أمر الخلافة (الا أبا بکر) قال شارح ای یأبیان خلافة کل أحد الا خلافة أبی بکر' ومعنی یأبی اللہ یمتنع لعدم رضاہ أو لعدم قدرہ وقضاہ"

کیونکہ اللہ تعالی اور مؤمنین انکار کرتے ہیں کہ کوئی ایک سوائے ابوبکر کے خلیفہ نہیں بن سکے گا۔ مسلم شریف کی شرح میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اس پر راضی نہیں کہ سوائے ابو بکر کے کسی اور کو خلیفہ بنایا جائے کیونکہ یہ اس کی تقدیر اور قضاء کے خلاف ہوگا' جب اس کی تقدیر اور قضاء کے خلاف ہو نہیں سکتا۔''

ہاں! البتہ اختلاف کے معاملہ میں منافقین اور رافضیوں کا اختلاف ہے۔ (دونوں بھائی بھائی ہیں)

کیا خوبصورت نتیجہ نکلا:

نبی کریم ﷺ نے خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کیلئے لکھنے کا ارادہ فرمایا لیکن لکھا نہیں، البتہ جو خبر دی وہی ہو کر رہی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کی تقدیر میں میرے بعد متصل خلافت نہیں۔ جب رب تعالیٰ نے ہی نہ چاہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے ''خلیفہ بلا فصل'' کی رٹ لگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ نے فرمایا: مؤمنین بھی سوائے ابی بکر کے کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار کرتے ہیں، تو یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام نے آپ کی خلافت پر اتفاق کیا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی راقم کو پسند ہے:

"قال النووی وهذا دليل لأهل السنة على ان خلافة ابی بکر رضی الله عنه ليست بنص من النبی ﷺ صريحا بل اجمعت الصحابة على عقد الخلافة وتقديمه لفضله ولو كان هناك نص عليه أعلى غيره لم تقع المنازعة بين الانصار وغيرهم اوّلا ولذكر حافظ النص ما معه ورجعوا اليه واتفقوا عليه وأما ما يدعيه الشيعة من النص على على كرم الله وجهه والوصية أليه فباطل لا أصل له باتفاق المسلمين وأول من يكذبهم على حين سئل هل عند كم شئ ليس فی القرآن قال ما عندی الا ما فی هذه الصحيفة الحديث

''علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث دلیل ہے اہل سنت کی اس مسئلہ پر کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کیلئے نبی کریم ﷺ کی طرف سے صریح نص (ظاہر ارشاد) نہیں، بلکہ صحابہ کرام کا آپ کا خلافت کے منعقد کرنے میں اجماع ہوا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فضیلت کی وجہ سے آپ کو خلافت میں سب سے مقدم رکھا، یعنی آپ کی فضیلت خلافت کی اولیت کا سبب بنی، جہلاء نے آپ کی خلافت کی اولیت کو تسلیم کیا لیکن اولیت خلافت کے سبب فضیلت کو نہ مانا، لیکن صحابہ کرام نے جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وجہ سے ان کو سب سے پہلا

ولو کان عندہ نص لذ کرہ"۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۴)

خلیفہ بنایا تو کسی کے انکار سے کیا نقصان ذلت اسے ہی حاصل ہونی ہے۔

ہاں! بات علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح حدیث کی چل رہی تھی' آپ فرماتے ہیں:
اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا کسی اور کی خلافت پر نص ہوتی تو انصار صحابہ کرام اور دوسرے حضرات صحابہ کرام کے درمیان شروع شروع میں خلافت کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہ ہوتا' اس لئے کہ جس کے حق میں نص ہوتی وہ نص والا مکتوب اس کے پاس ہوتا صحابہ کرام بھی اس کی طرف رجوع کرتے اور اتفاق کرتے۔

شیعہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت کی وصیت کی۔ لہذا ان کی خلافت پر نص موجود ہے' ان کا یہ کہنا باطل ہے' اس پر ان کی کوئی دلیل نہیں' اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

شیعہ کے قول کی سب پہلے تکذیب تو خود حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز (جس میں آپ کی خلافت کا ذکر ہو) موجود ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو' تو آپ نے فرمایا: ہمارے پاس کوئی ایسی موجود نہیں سوائے اس صحیفہ کے (اس صحیفہ میں کچھ زکوۃ وغیرہ کے مسائل تھے)۔

"مسئلہ خلافت" میں تفصیلی بحث "نجوم الفرقان" کی جلد دوم زیر بحث (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَآئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) میں دیکھئے۔

﴿۷﴾ "عن جبیر بن مطعم قال اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرأة فکلمته فی شئ فأمر ها ان ترجع الیه قالت یا رسول الله ارأیت ان جئت ولم أجدك کأنها ترید الموت قال فان لم تجدینی فاتی ابابکر"۔

"حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' کسی معاملہ میں اس نے آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا: پھر لوٹ کر آنا (یعنی پھر آنا تو مسئلہ بتاؤں گا) اس نے کہا:

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے خبر دیں کہ اگر میں آؤں تو آپ کو نہ پاؤں، گویا کہ وہ آپ کا وصال مراد لے رہی تھی، تو آپ نے فرمایا اگر مجھے نہ پاؤں تو ابو بکر کے پاس آجانا۔ (یعنی ان سے مسئلہ پوچھ لینا)

"قال النووی لیس فیه نص علی خلافته بل هو اخبار بالغیب الذی اعلمه الله به "

(مرقاۃ ج۱۱ص۲۸۴)

"علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر فرمایا کہ اس حدیث میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص تو نہیں البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالی نے علم دے رکھا تھا اس کی خبر دی۔" (یقیناً آپ کی خبر کی مطابق ہی ہونا تھا، اسی لئے وہی ہو کر رہا)

۸ "وعن سهل بن أبی خثعمة قال بایع اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقلائص الی أجل فقال علی للاعرابی ائت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسله ان اتی علیه أجله من یقضیه قال یقضیك ابو بكر فرجع الی علی فأخبره فقال علی ارجع فسله ان اتی علی ابی بكر اجله من یقضیه فأتی الأعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله فقال یقضیك عمر فقال علی للأعرابی فسله ان اتی علی عمر اجله من یقضیه فقال یقضیك عثمان فقال علی للأعرابی ائت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسئاله ان أتی علی عثمان

"سہل بن ابی خثعمہ فرماتے ہیں: ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ اونٹ بیچے رقم اس کی کچھ دیر بعد ادا کرنی تھی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کو کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھو اگر آپ پر وصال کا وقت آجائے تو میرا قرض کون ادا کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ابو بکر ادا کر دیں گے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ان کو خبر دی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پھر کہا جاؤ پوچھو اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر بھی وفات آجائے تو میرا قرض کون ادا کرے گا؟ اعرابی

أجله من يقضيه فسئاله فقال النبی ﷺ اذا اتی علی أبی بکر أجله وعلی عمر وعثمان فان استطعت ان تموت فمت"۔

(اخرجہ الاسماعیلی فی معجمہ' منقول از مرقاۃ ج۱۱ ص۲۸۴)

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ اگر حضرت ابوبکر پر بھی وفات آجائے تو میرا قرض کون ادا کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا عمر ادا کردیں گے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر کہا جاؤ پوچھو: عمر پر وفات آجائے تو کون ادا کرے گا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے پوچھنے پر فرمایا: عثمان ادا کردیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ پھر پوچھو اگر حضرت عثمان پر بھی وفات آجائے تو میرا قرض کون ادا کرے گا' تو اس نے جب آپ سے پوچھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر ابوبکر کا وصال ہو گیا اور عمر کا بھی اور عثمان کا بھی وصال ہوگیا تو تم بھی اگر مرنے کی طاقت رکھنا تو مر جانا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

۱ نبی کریم ﷺ نے اپنے خلفاء کی ترتیب کی طرف واضح اشارہ فرمایا کہ اس ترتیب سے میرے خلفاء ہوں گے' خلیفہ اول میرا قرض ادا کردے گا۔ اگر انہیں وقت نہ مل سکا یا تم مطالبہ نہ کرسکے تو دوسرے خلیفہ ادا کردے گا' اگر ان کو بھی وقت نہ مل سکا تو تیسرے خلیفہ ادا کردیں گے۔

۲ آپ کو یہ بھی علم تھا کہ میرا وصال پہلے ہوگا اس کے بعد حضرت ابوبکر اس کے بعد حضرت عمر کا اور اس کے بعد حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) کا۔

۳ اصل میں فضیلت ہی جب خلافت کا سبب بنی تو یہ بھی واضح طور پر پتہ چل گیا کہ آپ کی امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں' اس لئے سب سے پہلے خلیفہ بنے' دوسرا درجہ فضیلت کا حضرت عمر کا ہے اس لئے دوسرے خلیفہ بنے' اور تیسرا درجہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) کا ہے' اس لئے آپ تیسرے خلیفہ بنے۔

﴿۴﴾ جب اس اعرابی نے پوچھا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ بھی فوت ہو جائیں تو پھر میرا قرض کون ادا کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا اس وقت اگر تمہیں مرنے کی طاقت مل سکے تو تم بھی مر جانا۔

اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ اس کے بعد تم نے بھی زندہ نہیں رہنا۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد خلفشار ہوگا' اس سے پہلے اگر تمہاری موت آجائے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ (راقم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا کاش! مجھے اپنی ساری نیکیوں کے بدلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک دن اور ایک رات کی نیکیاں مل جائیں:

﴿۹﴾ "عن عمر ذکر عنده ابو بکر فبکی وقال وددت ان عملی کله مثل عمله یوما واحدا من أیا مه ولیلة واحدة من لیالیه اما لیلة فلیلة سار مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الی الغار فلما انتهیا الیه قال والله لا تدخله حتی أدخل قبلك فان کان فیه شیٔ اصابنی دونك فدخل فکسحه ووجد فی جانبه ثقبا فشق أزاره وسدها به وبقی منها اثنان فألقمها رجلیه ثم قال لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ادخل فدخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ووضع رأسه فی حجره ونام فلدغ ابو بکر فی رجله من الجحر ولم یتحرك مخافة ان یتنبه رسول

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ روئے اور کہا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میری ساری زندگی کے عمل ان کی ایک رات اور ایک دن کے اعمال کے برابر ہو جائیں' لیکن رات سے مراد وہ رات ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار (ثور) کی طرف چلے۔ جب وہ دونوں غار پر پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی آپ اس میں داخل نہ ہوں یہاں تک کہ پہلے میں داخل ہوتا ہوں' اگر اس میں کوئی چیز ہو تو مجھے وہ پہنچے' آپ کو نہ پہنچے' پھر آپ داخل ہوئے' غار کو صاف کیا

الله ﷺ فسقطت دموعه على وجه رسول
الله ﷺ فقال مالك يا أبا بكر قال لدغت
فداك أبي وأمي فتفل رسول الله ﷺ
فذهب ما يجده ثم انتقض عليه وكان
سبب موته وأما يومه فلما قبض رسول الله
ﷺ ارتدت العرب وقالوا لانؤدي زكاة
فقال لو منعوني عقالا لجاهدتهم عليه
فقلت يا خليفة رسول الله ﷺ تألف الناس
وارفق بهم فقال لي أجبار في الجاهلية
وخوار في الاسلام أنه قد انقطع الوحي وتم
الدين أينقص وأنا حي"۔

(رواه رزين' مشكوة باب مناقب أبي بكر رضي الله عنه)

اور اس کی ایک جانب چند سوراخ پائے تو آپ نے اپنی چادر کو پھاڑا اور اس کے ذریعے سوراخ بند کئے' دو سوراخ باقی رہ گئے آپ نے ان دونوں پر اپنے پاؤں کو رکھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی اب آپ داخل ہو جائیں تو آپ داخل ہو گئے اور اپنا سر مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے ، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں ایک سوراخ سے ڈس لیا گیا، لیکن آپ نے اپنے پاؤں کو حرکت نہ دی اس خوف سے کہ رسول اللہ ﷺ بیدار نہ ہو جائیں' تو آپ کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر گرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر تمہیں کیا ہوا؟ آپ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں ڈسا گیا' تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب لگایا تو وہ (زہر کا) اثر جاتا رہا' پھر وہ زہر کا اثر آپ کی وفات کے قریب لوٹ آیا جس کی وجہ سے آپ کی وفات واقع ہوئی لیکن آپ کے دن سے مراد وہ دن ہے جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو کچھ عرب لوگ مرتد ہو گئے (العیاذ باللہ) اور انہوں نے کہا ہم زکوۃ ادا نہیں کریں گے (یعنی انہوں نے فرضیتِ زکوۃ کا انکار کیا) تو آپ نے فرمایا اگر انہوں نے (اونٹ کی) ایک رسی بھی ادا نہ کی (جو بطور صدقہ وہ ادا کرتے تھے مراد قلیل مال ہے) تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! لوگوں سے الفت رکھیں اور ان سے نرمی کریں' تو آپ نے مجھے کہ کہا کیا تم زمانۂ جاہلیت میں بہادر

تھے اور اسلام میں آ کر بزدل ہو گئے ہو۔ بیشک وحی ختم ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے کیا دین میں کمی کی جائے گی۔ اور میں زندہ ہوں (ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف حقیقت کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سبقت نہیں حاصل کر سکتا:

"عن عمر قال أمرنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان نتصدق ووافق ذلك عندی مالا فقلت اليوم اسبق أبابكر ان سبقته يوما قال فجئت بنصف مالی فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما أبقيت لأهلك فقلت مثله وأتى ابو بكر بكل ما عنده فقال يا أبا بكر ما ابقيت لأهلك فقال ابقيت لهم الله ورسوله قلت لا أسبقه الى شئ أبدا"۔

(رواه الترمذی، وابوداؤد، مشکوة باب مناقب أبی بکر رضی الله عنه)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم فرمایا 'اتفاقی طور پر اس وقت میرے پاس مال تھا، میں نے (اپنے دل میں) کہا: اگر میں کسی دن ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل کر سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے' تو اپنا آدھا مال لے کر آیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اہل وعیال کیلئے کتنا مال تم نے باقی رکھا؟ میں نے کہا اسی کی مثل (یعنی آدھا مال لایا اور آدھا اہل وعیال کیلئے رکھ آیا) اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اہل وعیال کیلئے کتنا مال چھوڑ آئے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا: ان کیلئے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: میں ان سے کبھی سبقت حاصل نہیں کر سکتا۔''

(فقال ابقيت لهم الله ورسوله) ای رضاهما" ای انه صلی اللہ علیہ وسلم قال لهما ما بينكما كما بين كلمتيكما"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اپنے اہل وعیال کیلئے اللہ اور اس کے رسول (کی رضاء) کو چھوڑا ہے' تو ایک روایت میں ہے کہ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے درمیان (یعنی تمہارے فضائل میں) وہی فرق ہے' جو تمہارے کلاموں میں فرق ہے۔

"(قلت) اى فى باطنى واعتقدت (لا اسبقه الى شئ) اى من الفضائل (أبدا)"

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا' اور مجھے یہی عقیدہ حاصل ہوا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضائل میں کبھی سبقت حاصل نہیں کرسکتا ہے (تو دوسرا کون آپ پر سبقت حاصل کرسکتا ہے)"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا:

"ان ابا هريرة قال اجتمع المهاجرون والانصار عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابو بكر وعيشك يا رسول الله انى لم اسجد لصنم قط"

"بیشک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مہاجرین وانصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا۔"

اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میرے باپ ابوقحافہ مجھے ایک بت خانہ میں لے گئے اور کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے' اسے سجدہ کرو۔ بت کے پاس مجھے چھوڑ کر خود آگے چلے گئے' تو میں بت کے قریب ہوا۔

"فقلت انى جائع فاطعمنى فلم يجبنى' فقلت انى عار فاكسنى فلم يجبنى' فأخذت صخرة فقلت انى ملق عليك هذه

میں نے کہا: میں بھوکا ہوں مجھے طعام کھلاؤ' اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے کہا: میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہناؤ' تو اس نے

الضحرة فان كنت الها فامنع نفسك فلم یجبنی فألقیت علیه الضحرة فخر لوجهه "

مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے ایک پتھر لیا تو میں نے کہا: بیشک یہ پتھر تم پر پھینکنے لگا ہوں اگر تم خدا ہو تو اپنے آپ کو بچالو تو اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ تو میں نے اسے پتھر مار دیا وہ منہ کے بل گر گیا۔"

تو میرے باپ آئے تو انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے! یہ تم نے کیا کیا ہے؟ میں نے کہا: یہی کیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ وہ مجھے میری ماں کے پاس لے گئے۔ ان کو تمام واقعہ سنایا تو میری ماں نے کہا اسے چھوڑ دو اس کی وجہ سے تو رب تعالیٰ نے مجھے شرف قبولیت بخشا اس کی پیدائش کے دن مجھے غیبی آواز آئی:

"یا أمة الله علی التحقیق' ابشری بالولد العتیق' اسمه فی السماء الصدیق' لمحمد صاحب ورفیق " قال ابو هریرہ فلما انقضی کلام أبی بکر نزل جبریل علیه السلام وقال صدق ابو بکر "۔

(ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ص ۲۹۱)

"اے اللہ کی بندی بالتحقیق، خوش ہو جا! اپنے بیٹے پر جس کا لقب عتیق ہو گا اس کا آسمانوں میں نام صدیق ہے وہ محمد ﷺ کا صاحب اور رفیق ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کلام کو ختم کیا تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو انہوں نے کہا: کہ ابو بکر نے سچ کہا ہے۔"

چند احادیث مرتضوی سنئے:

اگر چہ راقم نے کچھ احادیث کو پہلے ذکر کر دیا ہے لیکن جس ترتیب سے اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کو ذکر کیا ہے اسی ترتیب سے راقم ذکر کر رہا ہے اگر چہ کہیں عنوان قائم کر دیئے جائیں گے۔

حدیث اول:

صحیح بخاری شریف میں سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ مولی علی کرم اللہ تعالی وجوھہما سے مروی:

"قلت لأبی ای الناس خیر بعد النبی ﷺ قال ابو بکر قال قلت ثم من قال عمر"۔ (بخاری مناقب اصحاب النبی ﷺ مناقب ابی بکرؓ مکتبہ غوثیہ کراچی)

"میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالی وجہہ سے عرض کی: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے؟ فرمایا: ابو بکر۔ میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔"

حدیث دوم:

امام بخاری اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المومنین کرم اللہ تعالی وجہہ سے راوی کہ فرماتے تھے:

"خیر الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بکر وخیر الناس بعد أبی بکر عمر رضی الله عنهما"۔

"بہترین مرد بعد سید عالم ﷺ ابو بکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔"

ہذا حدیث ابن ماجہ فضل عمر رضی اللہ عنہ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱

حدیث سوم:

حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما پر مجھے فضیلت دینے والا جھوٹا کوڑوں کا مستحق ہے۔ (فرمان علی رضی اللہ عنہ)

"امام ابو القاسم اسمعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنة میں راوی اخبرنا ابو بکر بن مردویہ حدثنا سلیمان بن احمد حدثنا الحسن بن المنصور الرمانی

"حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امیر المومنین (حضرت علی) کرم اللہ وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر منبر پر جلوہ

حدثنا داؤد بن معاذ حدثنا ابو سلمة العتکی عبد الله بن عبد الرحمن عن سعید بن ابی عروبة عن منصور بن المعتمرعن ابراهیم عن علقمة قال بلغ علیا ان أقواما یفضلونه علی ابی بکر وعمر فصعد المنبر فحمد الله واثنی علیه ثم قال یا ایها الناس انه بلغنی ان قوما یفضلونی علی أبی بکر وعمر ولو کنت تقدمت فیه لعاقبت فیه فمن سمعته بعد هذا الیوم یقول هذا فهو مفتر علیه حد المفتری ثم قال ان خیر هذه الأمة بعد نبیها ابو بکر ثم عمر ثم الله اعلم بالخیر بعد قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال والله لو سمی الثالث لسمی عثمان "۔

فرما ہوئے حمد ثنائے الہی بجالائے' پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتے ہیں۔ اس بارے میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنا دیا ہوتا تو بیشک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری (جھوٹا بہتان باندھنے والا) ہے اس پر مفتری کی حد یعنی اسی کوڑے لازم ہیں' پھر فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابو بکر ہیں پھر عمر' پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے' علقمہ فرماتے ہیں: مجلس میں سیدنا ام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین)۔''

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنۃ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور ۶۸۱)

حدیث چہارم:

امام دار قطنی سنن میں اور ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں حکم بن حجل سے راوی حضرت مولی (علی) کرم اللہ تعالی وجہہ فرماتے ہیں:

"لا أجد أحدا فضلنی علی أبی بکر وعمر الاجلدته حد المفتری"

''میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابو بکر وعمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا''

امام ذہبی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔''

(الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدار قطنی الباب الثالث الفصل الاول دارلکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۱)

حدیث پنجم:

سنن دار قطنی میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی:

"انہ کان یری ان علیا افضل الأمة فسمع اقواما یخالفونه فحزن حزنا شدیدا فقال له علی بعد ان أخذ بیده وادخله بیته ما احزنك أبا حجیفة فذکر له الخبر فقال الااخبرك بخیر هذه الأمة خیرها ابو بکر ثم عمر قال ابو جحیفة فاعطیت الله عهدا ان اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی ما بقیت۔"
(الصواعق المحرقة بحوالہ الدارقطنی الباب الثالث الفضل الاول دارالکتب العلمیۃ بیروت ص۹۲)

"یعنی ان کے خیال میں مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ تمام امت سے افضل تھے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا سخت رنج ہوا، حضرت علی ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ ولایت میں لے گئے، غم کی وجہ پوچھی گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابوبکر پھر عمر۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولی (علی) نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔"

حدیث ششم: حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی دیکھئے:

امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی۔

"قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی اللہ تعالی عنهما فقال ما کان منزلة ابی

"یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو

بکر وعمر من النبی ﷺ وقال منزلتھما الساعة وھما ضجیعاہ" (مسند احمد بن حنبل؛ حدیث ذی الیدین رضی اللہ عنہ؛ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۷۷)

کر عرض کی حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں ابوبکر وعمر کا مرتبہ کیا تھا؟ فرمایا: جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔"

یعنی مزارات میں ان دونوں حضرات کو جو قرب حاصل ہے، وہی ظاہری حیات میں بھی نبی کریم ﷺ سے باقی صحابہ کرام سے زیادہ قرب حاصل رہا۔ (راقم)

حدیث ہفتم: حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی دیکھئے:

دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اجمع بنوفاطمة رضی اللہ تعالی عنھم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن ما یکون من القول"۔ (الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عند محمد باقر الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۸)

"یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا ﷺ ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو۔" (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)

حدیث ہشتم: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت یوں بیان کرتے ہیں:

امام ابن عساکر وغیرہ سالم بن ابی الجعد سے راوی:

"قلت لمحمد بن الحنفیة ھل کان ابو بکر اول القوم اسلاما؟ قال لا، قلت فبم علا ابو بکر وسبق حتی لا یذکر احد غیر

یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی، کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ، میں نے کہا پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر

ابی بکر قال لأنہ کان افضلھم اسلاما حین اسلم حق لحق بربہ"۔
(الصواعق المحرقہ بحوالہ ابن عساکر عن سالم بن ابی الجعد الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص۸۰)

سب سے بالا رہے اور بیشی (اولیت) لے گئے ، یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے' فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔"

تنبیہ:

سب سے پہلے اسلام لانے میں محاکمہ یہ پیش گیا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا ہیں' اور بچوں میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

١ شاید اسی وجہ سے محمد بن حنفیہ نے اس سوال پر" کیا ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟" جواب دیا "لا" "نہیں' یعنی سب سے پہلے اسلام لانے والے چار اشخاص تھے۔ لیکن آپ نے یہ واضح طور پر فرمایا کہ "وہ اسلام میں سب سے افضل تھے۔" یہ ارشاد فرما کر تفضیلی رافضیوں کے نظریات کی جڑ کاٹ دی۔ (راقم)

حدیث نہم: امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے کا فرمان کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں:

امام ابو الحسن دار قطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبداللہ محض بن حسن مثنی بن حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہم کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہو کر ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا امام ممدوح نے میری طرف ملتفت (متوجہ) ہو کر فرمایا:

"انظروا الی اهل بلادك یسئالون عن ابی بکر وعمر لهما عندی افضل من علی"۔
(الصواعق المحرقہ بحوالہ دار قطنی الباب الثانی بیروت ص۸۳)

"اپنے شہر والوں کو دیکھو! مجھ سے ابو بکر وعمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں، وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔"

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبیٰ ابن علی المرتضی کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہٰذا محض کہلوائے اپنے زمانہ میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنی ابن امام حسن مجتبیٰ ابن علی المرتضیٰ، اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغری بنت امام حسین صلی اللہ علیہ وسلم علی ابیہم وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث دہم: حضرت امام زین العابدین کے بیٹے سید زید شہید کا ارشاد گرامی:

امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین سعید شہید کربلا صلوات اللہ تعالی وتسلیماتہ علی جدہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

"انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر ولم یستطیعوا ان یقولوا فیهما شیئا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذلك فبرئتم منهما فمن بقی؟ فوالله ما بقی احد الا برئتم منه"۔
(الصواعق المحرقہ بحوالہ الحافظ عمر بن شبہ الباب الثانی دارالکتب العلمیۃ بیروت ص۷۹)

"یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تبری (بیزاری اختیار) کی جو ابو بکر وعمر سے کم تھے یعنی عثمان وعلی رضی اللہ عنہم مگر ابو بکر وعمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو اوپر جست کی (اوپر چھلانگ لگائی) کہ ابو بکر وعمر سے تبری کی اب کون رہ گیا خدا کی قسم اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرا نہ کہا ہو۔"

(دس حدیث مع ترجمہ منقول از فتاوی رضویہ مصنف اعلی حضرت رحمہ اللہ ج۲۸ ص۴۸۰ تا ۴۸۴)

صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین کا عقیدہ جو راقم ''عبدالرزاق بھترالوی'' کا بھی ہے:

حضرت مولینا میر عبدالواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ سبع سنابل میں فرماتے ہیں:

''واجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء ابوبکر صدیق ست وبعد از وے عمر فاروق ست وبعد از وے عثمان ذی النورین ست وبعد از وے علی المرتضی ست رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔

(سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد و مذاہب ص ۷ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور)

اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں افضل ابوبکر صدیق' ان کے بعد عمر فاروق ان کے بعد عثمان ذوالنورین' اور ان کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں'' اللہ تعالی ان سب پر راضی ہو۔

پھر فرمایا:

''فضل ختنین از فضل شیخین کمتر ست بے نقصان وقصور''۔

(سبع سنابل' ص ۱۰)

''ختنین (دو داماد یعنی عثمان غنی وعلی مرتضی) کی فضیلت شیخین (صدیق وفاروق) سے کم ہے مگر اس میں کوئی نقص اور خامی نہیں۔''

پھر فرمایا:

''اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علماء امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است''۔ (سبع سنابل ص ۱۰)

''صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور تمام علماء امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہے۔''

(ماخوذ از فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۴۸۷)

نتیجہ واضح ہے:

کہ چار خلفاء راشدین کے مدارج وفضائل میں وہ ترتیب ہے جو بعد میں قدرتی طور پر ان کی خلافت میں ترتیب ہے۔ لیکن سب حضرات ہی فضیلت رکھنے والے ہیں کسی کی

فضیلت میں کوئی نقص اور خامی نہیں، بلکہ کسی صحابی کی فضیلت میں کوئی نقص اور خامی نہیں صحابہ کرام کی درجہ بدرجہ فضیلت سے دوسرے صحابہ سے کوئی نقص اور خامی لازم نہیں آتی، اس مسئلہ کو یوں ہی سمجھا جائے کہ تمام انبیاء کرام ہی افضل ہیں بنسبت باقی مخلوق کے لیکن آپس میں اللہ تعالی کے ارشاد گرامی "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" کے مطابق بعض کو بعض پر زیادہ فضیلت حاصل ہے لیکن اس سے (معاذ اللہ) کسی نبی کی شان میں کوئی نقص اور خامی لازمی نہیں آتی۔

مذکورہ بالا عقیدہ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کا ہے اور وہی عقیدہ علماء ربانیین اور وہی عقیدہ اعلی حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور وہی عقیدہ سید الاولیا حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے تو عبد الرزاق بھترالوی کا عقیدہ بھی علماء حق کا عقیدہ ہی ہے۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا خوبصورت استدلال:

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایام مرض وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امامت مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ:

"رضیہ رسول اللہ لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا"۔ (الصواعق المحرقہ الباب الاول مطبوعہ بیروت ص ۴۳ ص ۱۷)

""رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو۔"

(فتاوی رضویہ مصنف اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن ص ۴۷۶)

نہایت روشن قریب نص ارشاد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے:

اور نہایت روشن وصریح قریب نص وتصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد و ترمذی نے بافادۂ تحسین اور ابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ اور طبرانی نے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" انی لاادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر "۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰ جامع الترمذی مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر ج ۲ کنز العمال حدیث ۳۲۱۱۵ ص ۳، مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان)

"میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما۔"

(فتاوی رضویہ مصنف اعلی حضرت مولنا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ ج ۲۸ ص ۲۷۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق:

دار قطنی کی روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"دخلنا علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا یا رسول الله استخلف علینا قال لا، ان یعلم الله فیکم خیرا یول علیکم خیرکم قال علی رضی الله عنه فعلم الله فینا خیرا فولی علینا أبا بکر" (رضی الله عنه)

(الصواعق المحرقۃ بحوالہ دار قطنی ص ۷۰ فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۲۷۲)

"ہم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی :یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر کسی کو خلیفہ فرما دیجئے' ارشاد ہوا: نہ' اگر اللہ تعالی تم پر بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اسے تم پر والی فرما دے گا۔ حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلا نے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا (رضی اللہ عنہ)۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مجھ پر چار وجہ سے فضیلت دی گئی: فرمان علی رضی اللہ عنہ:

حضرت امام حسن مجتبی رضی اللہ عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی مرتضی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

"ان ابا بکر سبقنی الی اربع لم اوتهن سبقنی الی افشاء الاسلام وقدم الهجرة و

"بیشک ابو بکر چار باتوں کی طرف سبقت لے کہ مجھے نہ ملیں انہوں نے مجھ سے پہلے

مصاحبته فی الغار واقام الصلوة وأنا یومئذ بالشعب یظهر اسلامه واخفیه، الحدیث"۔
(دار قطنی، محب الدین، المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۱۸)

اسلام آشکارا کیا اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، نبی ﷺ کے یار غار ہوئے اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا، وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔"

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

"أول من اسلم علی ابن ابی طالب وهو صبی لم یبلغ الحلم وکان مستخفیا بأسلامه وأول رجل عربی بالغ اسلم واظهر اسلامه ابو بکر ابن ابی قحافة رضی الله عنهما"
(المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۱۸)

"سب سے پہلے ایمان لانے والے مذکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنہوں نے اسلام ظاہر کیا وہ ابو بکر بن ابی قحافہ ہیں۔" (رضی اللہ عنہما) (فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۴۶۳)

امام ابو عمر و ابن عبد البر روایت فرماتے ہیں:

"سئل محمد بن کعب القرظی عن أول من اسلم علی أو ابو بکر رضی الله عنهما ؟ قال سبحان الله علی اولهما اسلاما وانما شبه علی الناس لأن علیا اخفی اسلامه من ابی طالب واسلم ابو بکر فاظهر اسلامه"۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمۃ ۱۸۷۵ علی بن ابی طالب ج ۳ ص ۱۹۹)

"محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابو بکر و علی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ان دونوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے مگر انہوں نے اسلام کو اپنے والد سے پوشیدہ رکھا جس وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔"

ولہذا احادیث حضور سید عالم ﷺ و آثار صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے

ثابت کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اور ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید واکمل ہے۔ (فتاوی رضویہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ ج ۲۸ ص ۴۶۴)

میمون ابن مہران فقیہ تابعی کا ارشاد:

"میمون ابن مهران من فقهاء التابعين سئل ابو بكر وعمر افضل ام علي؟ فقفف شعره وارتعدت فرائصه حتى سقطت عصاه من يده وقال ما كنت أظن ان اعيش الى زمان يفضل الناس فيه احدا على أبي بكر وعمر أو كما قال رواه ابو نعيم عن فرات بن السائب"۔
(حلیۃ الاولیا ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مہران ج ۴ ص ۹۲)

"حضرت میمون ابن مہران جو کہ فقہاء تابعین سے ہیں، ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر وعمر افضل ہیں یا علی؟ تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان کی رگیں پھڑ کنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا جس میں لوگ ابو بکر وعمر پر کسی کو فضیلت دیں گے یا جیسا انہوں نے فرمایا، اس حدیث کو روایت کیا ابو نعیم نے فرات بن سائب سے۔"
(فتاوی رضویہ اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ ج ۲۸ ص ۶۷۶)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

"الامام مالك بن انس رضي الله عنه سئل عنه افضل الناس بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابو بكر وعمر ثم قال أوفي ذلك شك۔" (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد السابع الفصل الثالث ج ۷ ص ۶۷۶)

"امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں تو فرمایا: ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما پھر فرمایا: کیا اس میں کوئی شک ہے؟
(فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۶۷۶)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

"الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاكرم

"امام اعظم اقدم (تمام ائمہ سے مقدم) سب

سیدنا ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ سئل عنہ عن علامات اھل السنۃ فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وتمسح علی الخفین "۔
(تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس ص ۱۶۵)

سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا اہل سنت کی علامات کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا اہل سنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر وعمر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں دامادوں (عثمان وعلی) سے محبت کرے اور خفین پر مسح (کا اعتقاد) کرے۔" (فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۶۷۷)

کچھ اور اہل علم کے اقوال ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کے بارے میں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

"ومنھم عالم قریش مالی طباق الأرض علما سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابہ والتابعین علی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافا"۔
(شرح الزرقانی علی المواھب اللدینہ ج ۷ ص ۳۹)

"ان اہل علم میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی مطلبی ہیں، انہوں نے صحابہ اور تابعین کا فضیلت شیخین پر اجماع نقل کیا۔"
(فتاوی رضویہ، اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ، ج ۲۸، ص ۶۷۷)

ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فضیلت شیخین پر اجماع منقول ہے:

"ومنھم امام اھل السنۃ والجماعۃ صاحب الحکمۃ الیمانیۃ سیدنا الامام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ کما نقل عنھم العلماء الثقات"۔
(فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۶۷۷)

"اور ان اہل علم میں سے امام اہل سنت وجماعت حکمت یمانیہ سیدنا امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جیسا کہ ان سے علماء ثقات (فضیلت شیخین کے بارے مین اجماع) نقل کیا ہے۔"

علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ خلفاء راشدین کی ترتیب فضیلت کو بیان کرتے ہیں:

"ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذكر في قواعد عقائد الاماجد وذكر فيها مسئله التفضيل وقال آخرها ان فضل الصحابة رضي الله عنهم على حسب ترتيبهم في الخلافة اذ حقيقة الفضل ما هو فضل عند الله عزوجل وذلك لا يطلع عليه الا الرسول ﷺ وان يعتقد فضل الصحابة رضي الله عنهم وترتيبهم وان افضل الناس بعد النبي ﷺ ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم"۔

(احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث ج اول بحوالہ فتاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۶۷۷ ص ۶۷۸)

''اور ان اصحاب علم میں سے امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) ہیں' انہوں قواعد العقائد میں مجد والے ائمہ (یعنی بزرگ اماموں) کے عقائد کو ذکر کیا ہے اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق (یعنی جو ترتیب ان کی فضیلت میں ہے وہی اللہ تعالی نے اپنے فضل سے ان کو خلافت میں بھی عطاء کی) اس لئے کہ حقیقت فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو، اور اس پر رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، اور آدمی کو چاہیے کہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر ہیں' پھر عمر' پھر عثمان' پھر علی (رضی اللہ عنہم)''۔

شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

"قال مولانا آل الرسول الاحمدي قال سمعت الشاه عبد العزيز الدهلوي يقول تفضيل الشيخين قطعي أو كالقطعي"۔

''مولینا آل رسول احمدی نے فرمایا: میں نے سنا شاہ عبد العزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے: شیخین (ابوبکر و عمر) کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی''۔

لفظ اُو شک کیلئے یہاں استعمال نہیں:

لفظ ''اَوْ'' کبھی شک کیلئے آتا ہے اور کبھی تنویع کیلئے۔ تنویع کا مطلب ہے، قسمیں بیان کرنے کیلئے۔ اس مقام میں شاہ عبد العزیز صاحب کے کلام میں ''اَو'' تقسیم کیلئے آیا ہوا جس کا مقصد یہ ہے کہ شیخین کی فضیلت دلیل قطعی سے بھی ثابت ہے اور دلیل ظنی جو قطعی کے قریب ہے اس سے بھی ثابت ہے۔ (فتاوی رضویہ بالاختصار ج ۲۸ ص ۶۷۸)

اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خوبصورت تحقیق:

"أقول والتحقيق ان جملة الصحابة الكرام رضى الله عنهم اجمعين ارقى فى مراقى الولاية والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من كل من دونهم من أكابر الاولياء العظام كائنين من كانوا وشانهم رضى الله عنهم ارفع واعلى من ان يقصدوا بأعمالهم غير الله سبحانه وتعالى لكن المدارج متفاوتة والمراتب مترتبة وشئ دون شئ وفضل فوق فضل، ومقام الصديق حيث انتهت النهايات وانقطعت الغايات اذ هو رضى الله عنه كما صرح به امام القوم سيدى محى الملة والدين ابن عربى قدس الله تعالى سره الزكى امام الأئمة ومالك الأزمةومقامه فوق الصديقة ودون النبوة التشريعية وليس احد بينه

''میں کہتا ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلہ (جلیل القدر) صحابہ کرام مراتب ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقاء کے مرتبہ میں اپنے ما سوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع واعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے۔ اور صدیق (رضی اللہ عنہ) کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں اس لئے کہ صدیق اکبر صدیق رضی اللہ عنہ امام القوم، سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی، کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام

وبین مولاہ الاکرم محمد رسول اللہ ﷺ"

(فتاوی رضویہ جلد ۲۸ص ۶۸۳،۶۸۴)

کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے اور ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نہیں۔"

دوسرے درجہ کے افضل دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق

احادیث مبارکہ:

کئی احادیث تو گذشتہ اوراق میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں بیان ہو چکی ہیں کچھ کا تذکرہ بطور تبرک کیا جاتا ہے، اگرچہ اصل مقصد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا بیان تھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بدقسمتی سے کچھ نام نہاد بریلوی رافضی ہو چکے ہیں جو یہ بیان کررہے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیاست میں اولیت حاصل ہوئی مراتب میں افضلیت انہیں حاصل نہ تھی بلکہ مراتب میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یہ عقیدہ دراصل تفضیلی رافضیوں کا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب الہام والقاء:

"عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ولقد كان فيما قبلكم من الأمم محدثون

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں

فان یك فی امتی أحد فأنه عمر"۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

اصحاب الہام گذرے ہیں بیشک میری امت میں کوئی شخص صاحب الہام والقاء ہے تو وہ عمر ہیں۔"

وضاحت حدیث:

(**محدثون**) "فتح الدال المشددة ای ناس ملهمون" یعنی پہلے امتوں میں کئی لوگ الہام والے تھے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "محدث" عرب کے کلام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو سچے گمان والا ہو اور وہ حقیقت میں اس شخص کو کہتے ہیں:

"من ألقی فی روعه شئ من قبل الملأ الأعلی فیکون کالذی حدث به"

"جس کے دل میں ملا اعلی کی طرف سے کسی چیز کو ڈال دیا جائے گویا کہ ملا اعلی کی طرف سے اس سے کلام کیا گیا۔"

(فان یك فی أمتی أحد فأنه عمر) "لم یرد هذاالقول موردالتردد"

"آپ کا یہ ارشاد مقام تردد و شک میں وارد نہیں ہوا کیونکہ آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔"

جب پہلی امتوں میں الہام والقاء والے لوگ موجود تھے:

"فبالحری ان یکونوا فی هذه الأمة اکثر عددا و اعلی رتبة"

"تو لائق یہ ہے کہ اس امت میں بنسبت پہلی امتوں کے زیادہ تعداد اور زیادہ مرتبہ والے اصحاب الہام والقاء ہوں۔"

لیکن ان سب سے اعلی صاحب الہام القاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تخصیصی بیان کی وجہ باقی نہیں رہی گی۔ (راقم)

"وانما ورد موردالتاکید والقطع به"

"اس لئے یہ مقام تاکید اور یقین میں واقع ہے۔"

اس لئے یا تو (ان) کو مخففہ من المثقلہ مانا جائے اور معنی ہی "بیشک" کر لیا جائے۔اور یا اس کا معنی تو "اگر" ہی کیا جائے لیکن با محاورہ طور پر مطلب یقین والا لیا جائے جیسے کہا جاتا ہے:

"ان یکن لی صدیق فھو فلان" "اگر میرا کوئی دوست ہے تو فلاں ہے۔"

اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کہنے والے کو دوست کے ہونے میں کوئی شک ہے۔

"بل المبالغة فی ان الصداقة مختصة به لا تتخطاہ" "بلکہ اس کلام میں مبالغہ ہے کہ میری دوستی فلاں سے مختص ہے میری دوستی اس سے ہٹ کر کسی اور سے نہیں۔"

اسی طرح حدیث پاک کا جب ترجمہ یہ کیا جائے کہ "اگر میری امت میں کوئی صاحب الہام والقاء ہے تو وہ عمر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعلیٰ درجہ کا الہام والقاء صرف آپ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کو حاصل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ سے شیطان ہٹ جاتا ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یاابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیك الشیطان سالکا فجا الا سلك فجا غیر فجك"۔ "اے ابن خطاب !قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہیں شیطان نہیں ملے گا کسی راستہ پر چلتے ہوئے مگر وہ تمہارے راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر چلے گا۔"

(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

وضاحت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

"قال النووی هذ الحدیث محمول علی ظاهره وان الشیطان متی رآه سالکا فجا هرب الرهبة من عمر رضی الله عنه وفارق ذلك الفج لشدة بأسه"

''علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے کہ شیطان جب آپ کو کسی راستہ پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر کر وہ بھاگ جاتا ہے' شدید خوف کی وجہ سے وہ راستہ ہی چھوڑ دیتا ہے۔''

"قال القاضی عیاض ویحتمل انه ضرب مثلا بالشیطان وغواته وان عمر رضی الله عنه فارق سبیل الشیطان وسلك طریق السداد وخالف مایأمره به"۔

''قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ شیطان اور اس کے بھٹکانے کی مثال بیان کی گئی ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی بھٹکا نہیں سکتا بلکہ آپ درست راہ پر چلتے ہیں اور شیطان کے حکم کے خلاف کام کرتے ہیں۔''

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں معانی کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ''والصحیح الاول'' صحیح پہلا معنی ہی ہے جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ (مرقات ج ۱۱ص ۲۹۴)

راقم کے نزدیک یہ حکم دائمی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے سے شیطان دور رہیں گے اور آپ کی شان کو دیکھ کر شیطان جل کر دوسری راہ اختیار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق رکھا:

"عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله جعل الحق علی لسان عمر وقلبه رواه الترمذی وفی روایة ابی داؤد عن أبی ذر قال ان الله وضع الحق علی لسان عمر یقول به۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی زبان اور دل پر حق ظاہر کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا وہ اسی وجہ سے حق بات کرتے ہیں۔''

وضاحت حدیث:

(ان الله جعل الحق)"ای اظهره ووضعه" ''بیشک اللہ نے حق ظاہر فرمادیا اور حق رکھ دیا عمر کی زبان اور دل پر۔''

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جعل'' بمعنی ''أجری'' ہے اور ''علی'' کی وجہ سے متعدی ہے اور معنی اس کا حق کا ظاہر اور بلند ہونا ان کی زبان پر۔

"وفی وضع الجعل موضع أجری اشعار بأن ذلك كان خلقيا ثابتا مستقرا" ''اُجری'' کی جگہ ''جعل'' کا لفظ ذکر کر کے یہ بتادیا گیا کہ آپ کا یہ وصف پیدائشی طور پر آپ کو حاصل ہے اور آپ کا وصف پختہ اور قرار پکڑے ہوئے ہے۔''

یہ ارشاد دوسری روایت کے مطابق ہے جس میں ''قلبہ'' کے بعد آتا ہے ''یقول الحق وان كان مُرًّا'' وہ حق بات کرتے ہیں اگرچہ کڑوا ہی نہ ہو ایک اور روایت میں ہے۔

'ان الله نزل الحق علی قلب عمر ولسانه" ''بیشک اللہ تعالی نے عمر کے دل اور زبان پر حق اتارا ہے۔''

یہ دونوں روایات علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہیں۔

(**یقول به**)ای بالحق ایک معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی زبان پر حق رکھ دیا وہ اس حق کے ذریعے بات کرتے ہیں، اور دوسرا معنی یہ ہے ''یقول الحق بسبب ذلك الوضع'' وہ اس کی وجہ سے حق بات کرتے ہیں' (راقم نے یہ معنی کیا ہے)۔(مرقات ج ۱۱ ص ۲۹۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے دلوں کو چین حاصل ہوتا ہے: فرمان علی رضی اللہ عنہ:

"وعن علی رضی الله عنه قال ماكنا نبعد ان السكينة تنطق علی لسان عمر۔" ''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم یہ بعید نہیں سمجھتے تھے کہ تسکین عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان پر بولتی ہے۔''

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ' مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

وضاحت حدیث:

حدیث موقوف ہے اگر چہ قیاس سے دور ہونے کی وجہ سے مرفوع کے درجہ میں ہے یعنی بظاہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہی ہے۔

(ماکنا نبعد) ہم اہل بیت اور ہم صحابہ کی جماعت بعید نہیں شمار کرتے، یعنی بعید نہیں سمجھتے تھے "ان السکینة تنطق علی لسان عمر" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "جوامع الکلم" سے ہے۔ مختصر جملہ اور بہت معانی پر مشتمل ہے، آیئے! اس کی ایک جھلک دیکھئے:

① (ان السکینه) ای مابه تسکین النفس وتمیل الیه ویطمئن به القلب ویعتمد علیه" (تنطق) ای تجری (علی لسان عمر) ای من قلبه"

"ایک معنی اس کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اہل بیت اور صحابہ اسے بعید نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل سے آپ کی زبان پر وہ کلام جاری ہوتا ہے جس میں ان کے نفس کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور ان کا نفس اس کی طرف میلان کرتا ہے اور ان کا دل اس پر مطمئن ہوتا ہے اور اس پر انہیں اعتماد ہوتا ہے۔"

② "ویحتمل أنه أراد بالسکینة الملك الذی یلهمه ذلك القول"

"اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم اہل بیت اور صحابہ اسے بعید سمجھتے تھے کہ سکینت ان کی زبان پر بولتی ہے یعنی فرشتہ ان کے دل پر القاء (دل پر ڈالتا ہے) کرتا ہے اور انہیں جس بات کا الہام ہوتا ہے وہ ہی بات ان کی زبان پر چلتی ہے۔"

اس معنی کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے تائید حاصل ہے۔

"قال ابن مسعود مارأیت عمر قط الا و کان

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں

الاو کان بین عینیه ملکا یسدده"

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی نہیں دیکھا مگر یہ کہ ان کے آنکھوں کے درمیان ایک فرشتہ ہوتا ہے جو انہیں درست راہ پر چلائے رکھتا ہے۔"

۳ "قال التوربشتی ای لم یکن نبعد انه ینطق بما یستحق ان تسکن الیه النفوس وتطمئن به القلوب وأنه أمر غیبی ألقی علی لسانه"

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اہل بیت وصحابہ اسے بعید نہیں سمجھتے تھے کہ بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کلام فرماتے ہیں اس سے انسانوں کو چین حاصل ہوتا ہے اور دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے بیشک یہ غیبی اور قدرتی معاملہ تھا جو آپ کی زبان پر ڈال دیا گیا تھا۔"

راقم کے نزدیک "القی" کا معنی بھی "وضع" کرلیا جائے تو علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کا ترجمہ بھی پہلی حدیث کے عین مطابق ہو جائے گا کہ یہ غیبی معاملہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فرماتے ہیں:

"فالأقرب هو القول الأخیر الذی أشار الیه التوربشتی"

"زیادہ بہتر معنی وہی ہے جو علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔"

کیونکہ "سکینہ"، قرآن پاک میں اس معنی میں استعمال ہے:

"هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ"

"وہ جس نے مؤمنین کے دلوں میں چین اتارا۔"

"فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی

"تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنین پر

الْمُؤْمِنِيْنَ" (ماخوذ از مرقات ج۴ص ۳۹۹) چین اتارا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نبی کریم کی دعاء سے رب تعالیٰ کا انتخاب:

"عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم اعزالاسلام بأبی جھل ابن ھشام أو بعمر بن الخطاب فاصبح عمر فغدا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأسلم ثم صلی فی المسجد ظاھرا"

(رواہ الترمذی' مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کی: اے اللہ! اسلام کو غلبہ عطاء فرما ابو جہل بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے' صبح عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اسلام قبول کرلیا پھر مسجد میں ظاہر نماز ادا کی جانے لگی۔"

مختصر المقاصد الحسنہ للسخاوی'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

"اللھم اید الاسلام بأحب ھذین الرجلین الیك بأبی جھل أوبعمر بن الخطاب"۔

(رواہ احمد والترمذی)

''یعنی مسند احمد اور ترمذی کی روایت علامہ سخاوی نے نقل فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی: اے اللہ! ان دو شخصوں میں سے جو تجھے محبوب ہے یعنی ابو جہل اور عمر بن خطاب میں سے اس کے ذریعے اسلام کو تقویت پہنچا۔''

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام کی توفیق عطاء فرمائی تو پتہ چل گیا کہ ان دونوں میں رب تعالیٰ کے محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے اسی لئے ان کا انتخاب ہی کیا۔ (راقم)

لوگوں کی زبان پر جاری' حدیث نہیں:

وأما ما یدور علی الألسنة من قوله اللھم

''جو لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے کہ نبی

ايد الاسلام باحد العمرين غلا أعلم له أصلا" (مرقات ج ١١ ص ٣٠٠)

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی: اے اللہ! دو عمر میں سے ایک کے ذریعے اسلام کو تقویت پہنچا اس کی اصل کا کوئی علم نہیں۔" (لہذا یہ حدیث نہیں ہو سکتی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ارادہ قتل اسلام کی طرف پھر گیا:

حاکم ابو عبید اللہ مستدرک کے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس کی روایت پیش فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے اعلان کیا جو شخص محمد کو قتل کرے گا اسے میں ایک سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم چاندی تھی) عمر بن خطاب نے کہا: یہ تمہارا پکا وعدہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! بغیر کسی تاخیر کے جلدی ادا کروں گا۔ تو یہ سن کر عمر بن خطاب تلوار لے کر چل پڑا۔ ایک شخص آپ کو راستہ میں ملا اس نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ بتایا کہ محمد کو قتل کرنے اس نے کہا:

"فكيف تأمن بنی هاشم" "تم بنی ہاشم سے کیسے محفوظ رہو گے؟

عمر بن خطاب نے کہا: شاید تم بھی اپنے آباء کے دین سے پھر چکے ہو؟ اس شخص نے کہا:

"الا اخبرك باعجب من هذا ان اختك وختنك قد صبوا مع محمد" "کیا میں تمہیں عجیب خبر نہ دوں تمہاری بہن اور بہنوئی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں۔"

عمر بن خطاب وہاں سے ہی اپنی بہن کے گھر آ گئے گھر کے باہر سے ہی ان کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنا کہ وہ دونوں سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا خوب اثر دیکھئے:

"فلما سمع قال ناولنی الکتاب حتی انظر فيه فلما قرأه الى قوله "الله لااله الا هو له جب قرآن سنا تو کہا: مجھے قرآن دو تا کہ میں خود اسے دیکھوں اس میں کیا ہے۔ جب

الاسماء الحسنی "قال اللهم ان هذا اهل لا یعبد سواه اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله"

(مرقات ج ۱۱ ص ۳۰۰)

آپ نے سورۃ طٰہٰ میں یہ پڑھا "اللہ لا الہ الا ہو لہ الاسماء الحسنیٰ" اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، اسی کے تمام نام اچھے ہیں۔ تو کہا: ہاں! یقیناً اللہ ہی عبادت کا حقدار ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یہی کہتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھا "اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ"۔

حضرت عمر اور نبی کریم ﷺ دونوں نے ہی رات بے قراری میں گذاری:

"فبات ساهر العين ينادى فى كل ساعة واشوقاه الى محمد"

"رات کو نیند نہیں آ رہی تھی، بے قراری میں رات گذاری، جب کروٹ بدلتے تو یہی کہتے شوق ہے محمد رسول اللہ کو ملنے کا۔"

ادھر صبح خباب بن ارت آئے، حضرت عمر کو ملے اور کہا:

"یاعمر ان رسول الله ﷺ بات الليلة ساهرا يناجى الله عزوجل ان يعز الاسلام بك أو بأبى جهل وأنا ارجو ان تكون دعوته قد سبقت فيك"

"اے عمر! بیشک رسول اللہ ﷺ نے رات بے قراری میں گذاری۔ رب تعالیٰ کے حضور یہی عرض کرتے رہے: اے اللہ! اسلام کو غلبہ عطاء فرما عمر یا ابو جہل کے ذریعے خباب نے کہا: مجھے امید ہے کہ وہ دعاء تمہارے حق میں قبول ہو چکی ہے۔"

حضرت عمر تلوار ہاتھ میں لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

"فارتعدت فرائص عمر ووقع السيف من يده فقال اشهد ان لا اله الله وان محمد رسول الله"

"حضرت عمر کے کندھے کانپ رہے تھے، تلوار ہاتھ سے گر گئی، پھر نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھا "اشہد ان لا الہ اللہ واشہد

(مرقات ج ۱۱ص ۳۰۰)

ان محمد رسول اللہ۔"

"فقال اللات والعزی تعبد علی رؤس الجبال وفی بطون الأودیة والله لایعبد الله سرا بعد یومنا ھذا"

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بعد کہا: لات وعزیٰ کی عبادت پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور وادیوں میں کی جائے اور اللہ کی عبادت پوشیدہ کی جائے؟ قسم ہے اللہ کی آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت پوشیدہ نہیں کی جائے گی۔اس کے بعد نماز پڑھی جانے لگی۔"

آپ کو"فاروق" کا لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطاء فرمایا۔خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"فسمانی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ الفاروق فرق الله بی بین الحق والباطل"۔

(مرقات بالاختصار ج ۱۱ص ۳۰۰،۳۰۱)

"اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام "فاروق" رکھا کیونکہ میری وجہ سے رب تعالیٰ نے حق وباطل میں فرق کیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں اوصاف نبوت:

"عن عقبة عن عامر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب"۔

"عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔"

(رواہ الترمذی وقال ہٰذا حدیث غریب، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد نبی نہیں آسکتا لیکن اگر کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا مظہر بنایا تھا۔اگر آپ میں اوصاف نبوت نہ پائے جاتے تو آپ کا انتخاب نہ کیا جاتا۔ (راقم)

تنبیه: ترمذی کے بعض نسخوں میں ذکر کیا گیا"ہٰذا حدیث غریب" اور بعض نسخوں میں ہے"ہٰذا حدیث غریب حسن" اور یہی حدیث ابن جوزی جیسے ناقد شخص نے نقل کی ہے۔اور

حاکم نے بھی مستدرک میں ذکر کی ہے، اور طبرانی نے عصمہ بن مالک سے روایت کی ہے۔
(ماخوذ از مرقات ج ۱۱ ص ۳۰۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء جاری رہنے کی خبر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم:

"عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم رأیت الناس یعرضون علی وعلیهم قمص منها مایبلغ الثدی ومنها ما دون ذالك وعرض علی عمر بن الخطاب وعلیه قمیص یجره قالوافما أولت ذلك یارسول الله قال الدین"۔
(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سویا ہوا تھا پھر میں نے دیکھا کہ مجھ پر لوگوں کو پیش کیا جا رہا ہے اور ان پر قمیصیں ہیں، بعض کی سینہ تک پہنچ رہی ہیں اور بعض کی اس سے نیچے اور مجھ پر عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا اور ان پر قمیص تھی جو گھسیٹ رہے تھے۔ حاضرین نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اس خواب کی تعبیر کیا بیان کی؟ آپ نے فرمایا "دین"۔

"قال النووی القمیص الدین وجره یدل علی بقاء آثاره الجمیلة وسنته الحسنة فی المسلمین بعد وفاته لیقتدی به"
(مرقات ج ۱۱ ص ۲۹۴)

"علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں بیان فرماتے ہیں قمیص سے مراد دین ہے اور قمیص کے لمبے ہونے اور گھسیٹنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کے آثار جمیلہ اور اچھی سنتیں مسلمانوں میں جاری رہیں گی آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے طریقوں کی اقتداء کی جاتی رہے گی۔"

سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے جب یہ سمجھ آ رہا ہے کہ آپ کے طریقے مسلمانوں میں جاری رہیں گے تو دوسرا کون ہے جو مسلمانوں کو آپ کی اقتداء سے روک سکے۔

اعتراض:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حدیث سے ثابت ہو رہی ہے، ان کو دوسرے درجہ والا کیسے کہا جاتا ہے؟

"وعن أبی سعید قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ذالك الرجل أرفع امتی درجة فی الجنة قال ابو سعید والله ما کنا نری ذلك الرجل الا عمر بن الخطاب حتی مضی لسبیله"۔
(رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

"ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت میں میری امت سے بلند درجہ والا ہے۔ ابو سعید کہتے ہیں: قسم ہے اللہ کی ہم نہیں دیکھتے تھے وہ شخص سوائے عمر بن خطاب کے یہاں تک کہ وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔"

جب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام حضرات سے بلند درجہ رکھتے ہیں، تو یقیناً وہی سب سے افضل ہیں، ان کا ہی پہلا درجہ ہے افضلیت میں (خطابیہ فرقہ)۔

جواب اول:

"قوله صلی اللہ علیہ وسلم ذاك الرجل اشارة الی مبهم"

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: ذاک الرجل" وہ مراد اشارہ مبہم شخص کی طرف ہے۔"

آپ نے خود معین نہیں فرمایا تاکہ لوگ خود اجتہاد کریں کہ وہ کون شخص ہے اس میں ایک اجتہاد یہ بھی کیا گیا۔

"قال الجزری فی باب العلامات بین یدی الساعة ان ذلك الرجل المقتول علی ید الدجال هو الخضر علیه السلام فلا اشکال بناء علی انه نبی کما هو اصح الأقول والله

"علامہ جزری نے قیامت کی علامات کے باب میں بیان کیا کہ وہ مرد سے مراد وہ شخص ہے جو دجال کے ہاتھوں شہید ہوں گے اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہونے

اعلم بالحال" کا شرف حاصل ہو گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور وہ صحیح تحقیق کے مطابق نبی ہیں، تو اس طرح اعتراض اٹھ جائے گا۔"

جواب دوم:

صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کو جب قسم سے بیان کیا ہے:

"واللہ ما کنا ذلک الرجل الا عمر بن الخطاب" ""قسم ہے اللہ کی ہم وہ شخص نہیں جانتے تھے سوائے عمر کے۔"

تو قسم اٹھا کر کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر معلوم ہوئی ہوگی لہذا اب جواب یوں ہوگا:

"والمراد انه افضل اهل زمانه حال خلافته فیرتفع الاشکال من اصله" ""کہ مراد اس مرد سے حضرت عمر ہی ہیں لیکن آپ کی افضلیت اپنے زمانہ خلافت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت پر تھی۔"

اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت عیسی علیہ السلام پر افضلیت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہوں گے۔ اس جواب سے اعتراض اٹھ جائے گا۔ (ماخوذ از مرقاۃ' ج ۱۱' ص ۳۰۸)

اس جواب کو رب تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے تائید حاصل ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ ۱: ۴۷)

""اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی۔" (کنز الایمان)

یہاں ترجمہ میں اگر (اس سارے زمانہ پر) کی قید نہیں لگاتے بلکہ "وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" کا ترجمہ یوں کریں ""بیشک میں نے تمہیں فضیلت دی ہے سب جہانوں

پر'' تو یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں بنی اسرائیل کو نبی کریم ﷺ کی امت پر افضل ماننا پڑے گا جو جائز نہیں۔ (راقم)

اعتراض:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ایک اور حدیث سے بھی سمجھ آ رہی ہے:

"عن جابر قال قال عمر لأبی بکر یا خیر الناس بعد رسول الله ﷺ فقال ابوبکر أما انك ان قلت ذلك فلقد سمعت رسول الله ﷺ یقول ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔"

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب، مشکوۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا: ''اے سب لوگوں سے بہتر رسول اللہ ﷺ کے بعد'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک تم تو یہ کہتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''کسی شخص پر سورج نہیں طلوع ہوا کہ وہ عمر پر بہتر ہو۔''

اس حدیث سے تو خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعتراف نظر آتا ہے کہ وہ خود روایت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کو عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں قرار دیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیوں فضیلت دی جاتی ہے؟

جواب:

"ولا شك ان المراد بعده ﷺ للاجماع وبعد أبی بکر"۔

(مرقاۃ، ج۱۱، ص۳۰۲)

''یہ بات بغیر شک وشبہ کے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد افضلیت حاصل ہے اس پر اجماع امت ہے۔''

''اجماع امت'' خود ایک مستقل دلیل ہے:

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے خلفاء راشدین کی فضیلت بالترتیب بیان کی جو

ترتیب ان کو خلافت میں بھی قدرتی طور پر حاصل رہی:

"لقیام الادلة الصریحة الصحیحة علی افضلیة هؤلاء علیه"

''کیونکہ صریح دلائل یعنی قرآن پاک اور حدیث پاک سے ان کی فضیلت کی ترتیب ثابت ہے۔''

"فان قلت مامستند اجماعهم علی ذلك"

اگر کوئی یہ کہے خلفاء راشدین کی فضیلت کی ترتیب پر اجماع کس دلیل سے ثابت ہے؟

"قلت الاجماع حجة علی کل أحد وان لم یعرف مستنده لأن الله عصم هذه الأمة من ان تجمع علی ضلالة"

''تو اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع ہر شخص پر حجت ہے، یعنی اجماع خود ہی ایک مستقل دلیل ہے۔ اس پر اور دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے اس امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ کیا ہوا ہے۔''

بھٹکتا وہی ہے جو اجماع امت کے خلاف کام کر رہا ہو اس پر قرآن پاک صریح طور پر دلالت کر رہا ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

(سورۃ النساء۵:۱۱۵)

''اور جو مسلمانوں کی راہ سے جدا رہے ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور جلائیں گے اسے جہنم میں اور کتنا ہی اس کا برا ٹھکانا ہے۔''

بہت واضح ہوا کہ اجماع سے ہٹ کر علیحدہ راہ نکالنے والا بھٹکا ہوا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کی تابعداری:

"عن عبد الله قال کان للعباس میزاب علی طریق عمر فلبس عمر ثیابه یوم

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: حضرت عباس کا پرنالہ حضرت عمر کے راستہ

الجمعة وقد كان ذبح للعباس فرخان فلما وافى الميزاب صب ماء بدم الفرخين فأصاب عمر فأمر عمر بقلعه ثم رجع فطرح ثيابه ولبس ثيابا غير ثيابه ثم جاء فصلى بالناس فأتاه العباس وقال والله أنه لموضع الذى وضعه رسول الله ﷺ فقال عمر للعباس وأنا أعزم عليك لما صعدت على ظهرى حتى تضعه فى الموضع الذى وضع رسول الله ﷺ ففعل ذلك العباس"۔

(منقول از مرقات ج ۱۱ص ۳۱۱،۳۱۲)

میں تھا۔ حضرت عمر نے جمعہ کے دن کپڑے پہنے، حضرت عباس کے گھر دو چوزے ذبح کئے گئے ان کو دھونے پر خون آلود پانی پرنالہ سے گرا تو حضرت عمر کے گذرتے ہوئے ان کے کپڑوں پر پڑا۔ آپ نے پرنالے ہٹا دینے کا حکم دیا، گھر واپس جا کر کپڑے تبدیل کر کے آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، تو حضرت عباس آپ کے پاس آئے اور کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ پرنالہ اس جگہ پر خود رسول اللہ ﷺ نے لگایا تھا، تو حضرت عمر نے حضرت عباس کو کہا: میں تمہیں پورے عزم کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ تم میری پیٹھ پر چڑھ کر پرنالہ وہاں ہی لگا دو جہاں نبی کریم ﷺ نے لگایا تھا، حضرت عباس نے حکم مانتے ہوئے اسی طرح کیا یعنی پرنالہ وہاں ہی لگا دیا۔"

حقیقت یہی ہے کہ دین وسنت پر استقامت ہزار کرامت سے بہتر ہے۔

تیسرے درجہ میں فضیلت رکھنے والے تیسرے خلیفہ کے متعلق چند احادیث مبارکہ

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بھی کئی احادیث ضمناً بیان ہو چکی ہیں۔ چند احادیث جو آپ کی شان میں خصوصاً ذکر کی گئیں ان کو یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں:

"عن عائشة قالت كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مضطجعا في بيته كاشفا عن فخذيه أوساقيه فاستأذن ابوبكر فأذن له وهو على تلك الحال فتحدث ثم استأذن عمر فأذن له وهو كذلك فتحدث ثم استأذن عثمان فجلس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وسوى ثيابه فلما خرج قالت عائشة دخل أبوبكر فلم تهتش له ولم تباله ثم دخل عمر فلم تهتش له ولم تباله ثم دخل عثمان فجلست وسويت ثيابك فقال ألا استحي من رجل تستحي منه الملائكة وفي رواية قال ان عثمان رجل حيي واني خشيت ان أذنت له على تلك الحالة ان لايبلغ في حاجته"۔

(رواہ مسلم مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے اپنے گھر میں، آپ کی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، تو اجازت طلب کی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو آپ نے اجازت دے دی اسی حال میں آپ ان سے باتیں کرتے رہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اجازت طلب کی ان کو اسی حال میں اجازت دی اور کلام کرتے رہے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ سے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کیا۔ جب وہ واپس چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے آپ نے کوئی حرکت نہیں کی، اور نہ ہی پرواہ کی، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کیلئے کوئی حرکت نہیں کی اور نہ ہی کوئی پرواہ کی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ بیٹھ گئے۔

اور آپ نے اپنے کپڑے درست کیے (اس کی وجہ کیا ہے؟) آپ نے فرمایا: کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے حیاء کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: عثمان بہت حیاء کرنے والے شخص ہیں، بیشک مجھے ڈر محسوس ہوا کہ اگر میں نے اسی حال میں انہیں اجازت دے دی تو اپنی حاجت کو مجھ تک نہیں پہنچا سکیں گے۔

وضاحت حدیث:

حدیث شریف میں ران کے ننگا ہونے کا ذکر کیسے صحیح ہوگا؟ حالانکہ ران کو ننگا کرنا جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے:

"انه شك الراوی فی المشکوف هل هما الساقان أم الفخذان فلایلزم منه الجزم بجواز کشف الفخذ"۔

''کہ راوی کو شک ہے کہ آپ کی پنڈلیاں ننگی تھیں یا ران۔ لہذا اس سے رانوں کے ننگا ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔''

اس کا دوسرا جواب یہ ہے:

"قلت ویجوز ان یکون المراد بکشف الفخذ کشفه عما علیه من القمیص لامن المئزر"

''علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مختار یہ بیان کیا کہ مراد یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے قمیص ہٹی ہوئی تھی، چادر موجود تھی لیکن چادر کے اوپر سے ہٹی ہوئی قمیص کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آنے پر درست کیا۔''

یہ حدیث شیخین کی تعریف پر بھی مشتمل ہے:

"قال النووی فیه فضیلة ظاهرة لعثمان رضی الله عنه وان الحیاء صفة جمیلة من صفات الملائکة"

''علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا کہ اس حدیث میں ظاہر طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے کہ حیاء ملائکہ کی صفات میں سے صفت جمیلہ ہے۔''

"قال المظهر وفيه دليل على توقير عثمان رضى الله عنه عند رسول الله ﷺ ولكن لايدل على حط منصب أبى بكر وعمر رضى الله عنهما عنده ﷺ وقلة الالتفات اليهما لأن قاعدة المحبة اذا كملت واشتدت ارتفع التكلف كما قيل اذا حصلت الألفة بطلت الكلفة"۔

"علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں جو توقیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اس پر بھی دلیل موجود ہے، لیکن یہ حدیث حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے منصب کو کم نہیں کر رہی اور نہ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان دونوں کی طرف توجہ کم تھی بلکہ اگر غور کریں تو ان دونوں حضرات سے آپ کی محبت زیادہ نظر آئے گی۔

اس لئے کہ قانون محبت یہ ہے کہ جب محبت کامل ہو جاتی ہے اور زیادہ ہو جاتی ہے تو تکلف اٹھ جاتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "جب الفت حاصل ہو جاتی ہے تو کلفت باطل ہو جاتی ہے"۔

"قلت فانقلب الحديث دلالة على فضلهما الاأنه لما كان الظاهر المتبادر عنه تعظيمه وتوقيره ذكر فى باب مناقبه"۔

"علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنا مختار بیان فرماتے ہیں کہ حقیقت میں حدیث پاک تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے اگرچہ بظاہر جلدی جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس میں تعظیم وتوقیر کو ذکر کیا گیا ہے، اسی لئے یہ حدیث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ذکر کی گئی ہے۔"

راقم کے نزدیک یہ حدیث تینوں خلفاء راشدین کی فضیلت پر حقیقت کے لحاظ پر مشتمل ہے اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کامل حیاء کا ذکر ہے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی کامل محبت کا ذکر بھی موجود ہے۔ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غلبہ حیاء کی وجہ سے بے

تکلفی سے دور رہتے تھے اور شیخین کریمین یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو کمال محبت اور شدت محبت کی وجہ سے بے تکلفی حاصل ہے۔

آیئے! مشہور عادت کے تقاضا کو دیکھئے:

"ألاترى ان من يراعى بكثرة التواضع يقتضى له زيادة التواضع معه و كذا اذا كان كثير الانبساط يوجب الانبساط واذا كان كثير الادب يحمل صاحبه على تكلف الادب معه"

''جب کوئی شخص کسی کی زیادہ تعظیم کرتا ہو اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہو تو اس کے سامنے اور ہی زیادہ سے زیادہ تواضع پایا جاتا ہے، جب کسی سے بے تکلفی ہو تو وہ روز بروز بے تکلفی بڑھتی چلی جاتی ہے، جب کسی کا ادب زیادہ ہو تو وہ ادب زیادہ سے زیادہ تکلف پر مبنی ہو جاتا ہے۔''

"وعلى هذا القياس سائر الأحوال من السكوت والكلام والضحك والقيام"

''یہی قیاس تمام احوال میں پایا جاتا ہے، خواہ سکوت ہو یا کلام ہو، ہنسی ہو یا قیام ہو۔''

یعنی اگر کوئی خاموش رہنے کی عادت بنا لے تو اس کی خاموشی بڑھتی جاتی ہے۔ یہی صورت کلام میں بھی پائی جائے گی، اگر کوئی ہنسنے یا ہنسانے کی عادت بنا لے تو ہو زیادہ سے زیادہ ہنستا ہی چلا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ہنساتے جائے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص:

"عن طلحة بن عبيد الله قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لكل نبى رفيق ورفيقى يعنى فى الجنة عثمان"

''طلحہ بن عبید فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا رفیق ہوتا ہے، اور میرا رفیق ''یعنی جنت میں'' عثمان ہوں گے۔''

وضاحت حدیث:

(لكل نبى رفيق) "اى خاص" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ہر نبی کا رفیق ہوتا

ہے اس سے مراد رفیق خاص ہے کہ ہر نبی کا ایک خاص رفیق ہوتا ہے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"ورفیقی یعنی فی الجنة عثمان" اس جملہ میں ''رفیقی'' مبتداء ہے اور ''عثمان'' خبر ہے اور ''فی الجنة'' جملہ معترضہ ہے جو حضرت طلحہ وغیرہ کی تفسیر ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جو تفسیر بیان کی ہے اس سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ انہوں نے اعلیٰ منصب کو بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جنت میں رفیق خاص'' ہوں گے۔ انہوں نے دنیا کی رفاقت کو اگرچہ ذکر نہیں کیا تو نفی بھی نہیں کی۔

"والأظهر أنه فی کلامه صلی اللہ علیہ وسلم علی سبیل الاطلاق الشامل للدنیا والعقبی جزاء وفاقا"۔

(مرقات ج ۱۱)

''زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مطلق ہے جو دنیا اور آخرت کو مکمل طور پر شامل ہے، اسلئے مطلب یہی ہوگا کہ میرا رفیق خاص دنیا اور آخرت میں عثمان ہوں گے۔''

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص ہیں:

"ثم هولا ینافی کون غیره ایضا رفیقا له صلی اللہ علیہ وسلم کما ورد عن ابن مسعود فی روایة الطبرانی ولفظه ان لکل نبی خاصة من أصحابه وان خاصتی من أصحابی ابو بکر وعمر"

''حدیث مذکور سے یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق خاص نہیں، کیونکہ طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی بیشک ہر نبی کے اصحاب میں سے کچھ اس کے خواص ہوتے ہیں اور بیشک میرے اصحاب میں سے میرے خواص ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

اس سے واضح ہو رہا کہ نبی کریم ﷺ کے خاص رفیق تینوں خلفاء راشدین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲)

نبی کریم ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ:

"عن انس قال لما أمر رسول الله ﷺ ببيعة الرضوان كان عثمان رسول الله ﷺ الى مكة فبايع الناس فقال رسول الله ﷺ ان عثمان فى حاجة الله وحاجة رسوله فضرب بأحدى يديه على الأخرى فكانت يد رسول الله ﷺ خيرامن أيديهم لأنفسهم"۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کی حیثیت سے مکہ میں گئے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی۔ انہوں نے آپ کی بیعت کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں ہیں، تو آپ نے اپنا ہی ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا تو رسول اللہ ﷺ کو دوسرے صحابہ کے اپنے ہاتھوں سے (عثمان کے حق میں) بہتر تھا۔"

وضاحت حدیث:

بیعت رضوان کیا ہے؟ یہ حدیبیہ کے مقام میں بیعت لی گئی تھی، صحابہ کرام نے یہ بیعت جانوں کے قربان کرنے کی کی تھی یعنی اگر جانیں قربان بھی کرنی پڑیں تو قربان کریں گے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس بیعت کا نام "بیعت رضوان" کیوں رکھا گیا؟ اس کی وجہ در حقیقت رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح ۱۸:۲۶)

"تحقیق اللہ راضی ہوا مومنین سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے درخت کے نیچے۔"

جب اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والے صحابہ کرام سے راضی ہونے کا ارشاد فرمایا تو اس کا نام ہی بیعت رضوان رکھ لیا گیا۔ یہ بیعت لینے کی وجہ کیا تھی؟ وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ سے گفت وشنید کیلئے بھیجا تھا تاکہ ان سے معاملات کو طے کیا جائے' ادھر یہ خبر اڑی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا' تو آپ نے صحابہ سے بیعت لی۔

اعتراض:

بیعت لینے کی وجہ سے تو یہ پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کو علم ہی حاصل نہ ہوسکا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے۔

جواب:

یہ اعتراض حدیث کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے' اگر حدیث پاک کا مطلب سمجھ میں آتا تو اعتراض نہ کیا جاتا۔ جب یہ بات واضح ہے کہ بیعت کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین کو پتہ چل جائے کہ مسلمان صلح کی راہ کو کسی کمزوری کی وجہ سے اختیار نہیں کر رہے بلکہ وہ تو جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہیں' پھر بیعت تو ظاہری حیات والوں سے لی جارہی تھی جو اس سے پہلے وصال کر چکے تھے ان سے بیعت تو نہیں لی جارہی تھی۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زندہ ہونے کا آپ کو پتہ نہ ہوتا تو اپنے ہی ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لے کر ان کی طرف سے بیعت نہ کی جاتی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت لینے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ زندہ ہیں۔ ان کی شہادت کی خبر غلط ہے کیا یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں نہیں آتی کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں بھیج دیا تو لوگ کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو خوش قسمت ہیں کہ عمرہ کرلیں گے لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بغیر عمرہ نہیں کریں گے۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ نے عمرہ کرنے کی اجازت بھی دے دی لیکن انہوں نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کے بغیر عمرہ نہیں کرسکتا۔

بہت واضح ہوا کہ ان کے مکہ میں جانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے جو بات پہلے ہی بتا دی وہ ہی ہوئی۔ ابھی تک کسی کو آپ کے علم میں شک ہو تو اس کی بدحواسی کا کوئی علاج نہیں۔

(ان عثمان فی حاجة الله) کا مطلب کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو بندوں سے کوئی حاجت (احتیاجی) نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کچھ عبارت محذوف ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

"ان عثمان فی حاجة دین الله ای فی نصرة دینه حیث احتاج خلقه الیه"

''کہ بیشک عثمان اللہ کے دین کی حاجت میں ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جس کے محتاج ہیں اس کام کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کیلئے گئے ہیں۔''

دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ ''اللہ'' کا ذکر بطور تبرک ہو اور اصل مقصود صرف "وحاجة رسوله" ہو یعنی وہ اللہ کے رسول کی حاجت میں ہیں۔

فائدہ جلیلہ:

نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دوسرے ہاتھ میں وہ ہاتھ لے کر بیعت لی اور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے متعلق رب تعالیٰ نے یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ
(سورۃ الفتح ۲۶:۱۰)

''بیشک وہ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ کی بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ صحابہ کرام کتنے خوش قسمت تھے کہ ان کے ہاتھوں پر بظاہر رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ تھا لیکن رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خوش قسمت تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔

آسان لفظوں میں یوں سمجھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنی کرم نوازی سے یوں بیان فرمادیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

غزوہ عسرہ (تبوک) میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد:

"عن عبد الرحمن بن خباب قال شهدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو يحث الناس على جيش العسرة فقام عثمان فقال يارسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على مائة بعير بأحلاسها واقتابها في سبيل الله ثم حض على الجيش فقام عثمان فقال على مائتا بعير باحلاسها واقتابها في سبيل الله ثم حض فقام عثمان فقال على ثلاث مائة بعير باحلاسها واقتابها في سبيل الله فانا رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ينزل عن المنبر وهو يقول ما على عثمان ما عمل بعد هذه ماعمل عثمان بعد هذه۔

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

''عبد الرحمٰن بن خباب کہتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ابھار رہے تھے جیش عسرہ پر تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ پر اللہ کی راہ میں ایک سو اونٹ ہیں بمع ان کے سامان کے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھارا تو عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے کہا: مجھ پر اللہ کی راہ میں دوسو اونٹ ہیں بمع ان کے سامان کے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھارا، تو عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے کہا: مجھ پر تین سو اونٹ ہیں بمع ان کے سامان کے، (راوی کہتے ہیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر سے اترتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے'' عثمان کو کوئی ضرر نہیں اس کے بعد جو عمل کرے، آپ نے دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔''

وضاحت حدیث:

جیش عسرہ پر ابھارنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ غزوہ تبوک کیلئے لشکر کی ترتیب اور ان کیلئے اخراجات پر صحابہ کرام کو برانگیختہ کر رہے تھے۔ ''غزوہ تبوک'' کا نام ''عسرہ'' اس لئے رکھا گیا کہ وہ غزوہ شدید گرمیوں میں ہوا۔ اس وقت قحط سالی بھی تھی لوگوں کے پاس خرچ اور پانی اور سواریاں کم تھیں، لوگوں کو اس غزوہ میں جانا بہت مشکل نظر آرہا تھا اور دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اگرچہ دشمن کی تعداد کی زیادتی مشکل پیدا کر رہی تھی، مشکل کی وجہ وہی تھی جسے ابھی ذکر کر دیا گیا۔

(**باحلاسها**) "ای مع جلالها" یعنی ان کی جلوں کے ساتھ اونٹوں کی پیٹھ پر ڈالنے والے کپڑے کو جل کہا جاتا ہے۔

(**واقتابها**) "ای رحالها" یعنی ان کے پالانوں کے ساتھ۔ راقم نے اختصار کے طور پر ''مع ان کے سامان کے'' ترجمہ کیا ہے۔ یہی ترجمہ مرقاۃ میں بھی ان الفاظ سے کیا گیا۔ "بجميع أسبابها وأداتها" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ علیحدہ تعداد کا ذکر کیا:

"فالتزم عثمان رضي الله عنه في كل مرتبة بحكم رتبة المقام ففي المقام الأول ضمن مائة واحدة وفي الثاني مائتين وفي الثالث ثلاث مائة فالمجموع ست مائة"

''یعنی آپ نے پہلی مرتبہ اپنے آپ پر ایک سو اونٹ دینے لازم کئے دوسری مرتبہ دو سو اونٹ کی ذمہ داری اٹھائی اور تیسری مرتبہ تین سو اونٹ کی ذمہ داری اٹھائی، یعنی کل چھ سو اونٹوں کی نذر مانی۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد عثمان پر کوئی حرج نہیں جو بھی عمل کریں۔

"وفيه اشارة الى بشارة له بحسن الخاتمة" (مرقات ج ۱۱ ص ۳۲۲، ۳۲۳)

''اس سے آپ نے حضرت عثمان کو ان کے حسن خاتمہ کی بشارت دی۔''

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں

کی موت وحیات اوران کے خاتمہ کا علم عطاء کیا گیا تھا کہ اس شخص کا خاتمہ کیسے ہوگا؟

خیال رہے کہ دوسری حدیث پاک میں ایک ہزار دینار دینے کا ذکر بھی ہے' چونکہ آپ نے غزوہ تبوک کے ایک تہائی لشکر کو تیار کیا تھا اس پر جتنا مال خرچ ہوا وہ آپ نے مختلف مراحل میں دیا' اس لئے آپ کے مال دینے کا ذکر بھی مختلف طور پر ملتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کئی مواقع پر:

"عن ثمامة بن حزن القشيری قال شهدت الدار حين أشرف عليهم عثمان فقال انشدكم الله والاسلام هل تعلمون ان رسول الله قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب غير بئر رومة فقال من يشتری بئر رومة يجعل دلوه مع دلاء المسلمين بخيرله منها فی الجنة فاشريتها من صلب مالی وانتم اليوم تمنعونی ان أشرب منها حتی أشرب من ماء البحر فقالوااللهم نعم فقال انشدكم الله والاسلام هل تعلمون ان المسجد ضاق بأهله فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من يشری بقعة آل فلان فيزيدها فی المسجد بخير له منها فی الجنة فاشتريتها من صلب مالی فانتم اليوم تمنعوننی ان أصلی فيها ركعتين فقالوا اللهم نعم قال انشدكم الله والاسلام هل تعلمون انی جهزت جيش العسرة من مالی

''ثمامہ بن حزن قشیری نے کہا: میں حضرت عثمان کے گھر حاضر ہوا جس میں محاصرین نے آپ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا' آپ نے ان کے سامنے آ کر کہا: میں تم سے اللہ اور اسلام کے حقوق کا واسطہ دے کر یہ پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں آئے تو وہاں سواء بئر رومہ کے کوئی میٹھا پانی نہ تھا،تو آپ نے فرمایا کون ہے جو بئر رومہ کو اپنے مال سے خرید کر اس کے ڈول کو مسلمانوں کے ڈولوں سے ملادے (یعنی مسلمانوں کیلئے اسے وقف کر دے) اس کے بدلے اسے جنت ملے گی،تو میں نے اپنے ذاتی مال سے خریدا جس سے تم آج مجھے روک رہے ہو (ان لوگوں نے یزیدیوں کی طرح ہی آپ کا پانی بند کر رکھا تھا) یہاں تک کہ میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں' ان سب نے کہا: اے اللہ! ایسا

قالوا اللهم نعم قال انشد کم اللہ والاسلام هل تعلمون ان رسول الله ﷺ کان علی ثبیر مکة ومعه أبوبکر وعمر وأنا فتحرك الجبل حتی تساقطت حجارته بالحضیض فرکضه برجله قال اسکن ثبیر فانما علیك نبی وصدیق وشهید ان قالو اللهم نعم قال الله اکبر شهدوا ورب الکعبة انی شهید ثلاثا"۔
(رواہ الترمذی، والنسائی، والدارقطنی، مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

ہی ہے، پھر آپ نے فرمایا: میں تم سے اللہ اور اسلام کے حقوق کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ بے شک مسجد تنگ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو فلاں شخص کی جگہ کو اپنے مال سے خرید کر مسجد میں ملا دے، اس کے بدلے اسے جنت ملے گی، تو میں نے اسے اپنے ذاتی مال سے خرید کر مسجد سے ملا دیا۔ آج تو مجھے اس میں دو رکعت ادا کرنے سے روک رہے ہو، تو سب نے کہا: اے اللہ! ایسے ہی ہے۔

پھر آپ نے کہا: میں تم سے اللہ اور اسلام کے حقوق کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے غزوہ تبوک کے لشکر (جیش عسرہ) کو اپنے مال سے تیار کیا، تو انہوں نے کہا: اے اللہ! ایسے ہی ہے، پھر آپ نے کہا: میں تم سے اللہ اور اسلام کے حقوق کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ بے رسول اللہ ﷺ مکہ کے ثبیر پہاڑ پر تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور میں تھا تو پہاڑ نے حرکت کی (جھوما) یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا: اے ثبیر! رک جا، بیشک تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں، انہوں نے کہا: اے اللہ! ایسے ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ اکبر" تم سب گواہ بن جاؤ! قسم ہے رب کعبہ کی کہ میں شہید (ہونے والا) ہوں۔ یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔

وضاحت حدیث:

(حین اشرف علیهم عثمان) "ای اطلع آپ ان پر جلوہ گر ہوئے ان کے سامنے

علیھم ای الذین قصدوا قتلہ" آئے جو آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔"

آپ نے ہر سوال سے پہلے کہا: (انشد کم اللہ والاسلام) "انشد کم" میں شین پر ضمہ ہے اور "اللہ والاسلام" دونوں منصوب ہیں، معنی اس کا یوں بیان کیا گیا ہے۔ "اسألکم باللہ ای بحقھما" میں تم سے اللہ اور اسلام کے حقوق کی وجہ سے پوچھتا ہوں۔

راقم نے آسان الفاظ میں ترجمہ کیا "میں تم سے اللہ اور اسلام کے حقوق کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔

(یجعل دلوہ مع دلاء المسلمین) "وھو کنایۃ عن الوقف العام وفیہ دلیل علی جواز وقف السقایات وعلی خروج الموقوف عن ملك الواقف"

"اپنے ڈول کو مسلمانوں کے ڈول سے ملانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وقف عام کر دو۔ اور یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ وقف چیز پر وقف کرنے کی ملکیت باقی نہیں رہتی، اور یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آیا کہ پینے کے کنوئیں اور تالاب وغیرہ کو وقف کرنا جائز ہے۔"

بئر رومہ بنی غفار کے ایک شخص کا تھا جو اس کا پانی بیچا کرتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اسے خرید کر وقف کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بدلے جنت دینے کا وعدہ کیا تو پتہ چلا کہ جنت دینے کا بھی آپ کو اختیار دیا گیا تھا۔

بئر رومہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پینتیس ہزار درہم سے خرید کر وقف کیا۔ مسجد نبوی کیلئے جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم سے خرید کر وقف کی۔

جیش عسرہ کو تیار کرنے کا مطلب پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے تہائی حصہ لشکر تیار کیا تھا۔ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ کو تیار کرنے کے متعلق ذکر ملتا ہے۔ "ثبیر" مکہ اور مزدلفہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ باقی حدیث کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۲۵ تا ۳۲۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مخالفین کی طرف سے چند اعتراض اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب:

"عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال جاء رجل من أهل مصر يريد حج البيت فرأى قوما جلوسا فقال من هؤلاء القوم قالوا هؤلاء قريش قال فمن الشيخ فيهم قالوعبد الله بن عمر قال ابن عمر انى سائلك عن شئ فحدثنى هل تعلم ان عثمان فريوم احد قال نعم قال هل تعلم انه تغيب عن بدرولم يشهدها قال نعم قال هل تعلم ان تغيب عن بيعة الرضوان فلم يشهدها قال نعم قال الله اكبرقال ابن عمر تعالى ابين لك أما فراره يوم أحد فاشهد ان الله عفاعنه واما تغيبه عن بدر فانه كانت تحته رقية بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وكانت مريضة فقال له رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان لك أجر رجل فمن شهد بدرا وسهمه وأما تغيبه عن بيعة الرضوان فلو كان أحد اعز ببطن مكة من عثمان لبعثه فبعث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فبعث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عثمان وكانت بيعة الرضوان بعد ما ذهب عثمان الى مكة فقال رسول

عثمان بن عبد اللہ بن موہب فرماتے ہیں :ایک شخص اہل مصر سے آیا' بیت اللہ شریف کے حج کا ارادہ رکھتا تھا' اس نے ایک قوم کو بیٹھے ہوا دیکھا تو اس نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اسے بتایا گیا یہ قریش ہیں۔ پھر اس نے پوچھا: ان میں شیخ (بزرگ) کون ہیں؟ اسے بتایا گیا یہ عبداللہ بن عمر ہیں' اس نے کہا: اے ابن عمر! میں تم سے چند سوال کرتا ہوں مجھے ان کا جواب دو۔ (آپ نے اسے اجازت دی) اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم جانتے ہو کہ عثمان غزوۂ احد کے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں' پھر اس نے کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ بیعت رضوان میں غائب تھے؟ آپ نے کہا: ہاں۔ اس شخص نے (بڑے تعجب سے) کہا: اللہ اکبر (یعنی جیسے میں چاہتا تھا ایسا ہی جواب مل گیا) حضرت ابن عمر نے کہا: آؤ! میں تمہیں وضاحت سے بتاؤں۔ غزوہ احد کے دن بھاگنے کی جو بات ہے اس پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی

اللہ ﷺ بیدہ الیمنی ھذہ ید عثمان فضرب بھا علی یدہ وقال ھذہ لعثمان ثم قال ابن عمر اذھب بھا الآن معك"۔

(رواہ البخاری، مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا یعنی وقتی طور پر پسپا ہونے والے ایک عثمان نہیں تھے بلکہ کئی صحابہ کرام تھے اور سب کی معافی کا رب تعالیٰ نے اعلان فرما دیا: "اور تحقیق اللہ نے اس کو معاف فرما دیا۔"

جہاں تک بدر سے غائب ہونے کی بات ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجیت میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ تھی، جس کی وجہ سے خود نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تم مدینہ طیبہ میں ہی رہو بدر کا میں شریک ہونے کا تمہیں اجر و ثواب بھی حاصل ہو گا، اور بدر کے مال غنیمت میں تمہارا حصہ ہو گا۔ (غزوہ بدر میں حضرت عثمان کا نہ شریک ہونا نبی کریم ﷺ کے حکم سے ایسا ہی تھا جیسا غزوہ تبوک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر نہیں تھے لیکن ان کو بھی مدینہ طیبہ میں رہنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا تھا)۔

جہاں تک بیعت رضوان میں شریک نہ ہونے کی بات ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں اگر کسی اور کی عزت عثمان سے زیادہ ہوتی تو آپ اسے بھیج دیتے لیکن مکہ والوں کے نزدیک آپ کی زیادہ عزت تھی۔ اس لئے ان سے بات چیت کرنے اور معاملات کو طے کرنے کیلئے آپ کو بھیجا گیا، اگرچہ بظاہر آپ بیعت رضوان میں شریک نہیں تھے لیکن (حقیقت میں آپ کی بیعت سب سے اعلیٰ تھی، اسلئے کہ) نبی کریم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لے کر فرمایا یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔

یہ جواب دینے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف شخص کو فرمایا: "اذھب بھا الآن معك" اب یہ جوابات اپنے ساتھ لے جاؤ "فانہ لا یضرنا بل یضرك" تیرے سوالات سے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ تیرا ہی نقصان ہوا، بات ہماری ہی بنی تیری نہ بنی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں بیٹیوں کا نکاح (یکے بعد دیگرے) رب کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا:

"عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله أوحى الى ان ازوج كريمتي عثمان بن عفان اخرجه الطبراني"۔
(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۲۹)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ میں اپنی دو کریم بیٹیوں کا (یکے بعد دیگرے) نکاح عثمان بن عفان سے کروں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت میں شہید ہونے کی خبر نبوی:

"وعن ابن عمر قال ذكر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فتنة فقال يقتل هذا فيها مظلوما لعثمان"۔ (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن غریب اسنادا' مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ ان فتنوں میں عثمان کو مظلوم ہونے میں شہید کر دیا جائے گا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننے کی کوشش کی خبر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم:

"وعن عائشة ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال يا عثمان أنه لعل الله يقمصك قميصا فان ارادوك على خلافه فلا تخلعه لهم"۔
(رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوۃ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا، تو اگر وہ تم سے وہ قمیص اتارنے کی کوشش کریں تو ان کے کہنے پر نہ اتارنا۔"

"والمراد خلعة الخلافة" قمیص پہنانے سے مراد خلافت کا جوڑا ہے۔ ان کے قمیص اتروانے کی کوشش کا مطلب یہ ہے:

"والمعنى ان قصدوا عزلك فلا تعزل نفسك

"کہ اگر وہ تمہیں معزول کرنے کا ارادہ کریں

عن الخلافة لا جلهم لكونك على الحق وكونهم على الباطل"۔
(مرقاۃ ج۱۱ص۳۲۸)

تو تم ان کے کہنے پر خلافت سے خود بخود معزول نہ ہونا، اس لئے کہ تم حق پر ہو گے وہ باطل پر ہوں گے۔"

چوتھے درجہ کی فضیلت رکھنے والے چوتھے خلیفہ کے متعلق احادیث مبارکہ:

چوتھے درجہ میں فضیلت رکھنے والے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ اجماع سے ثابت ہے اور قدرتی طور پر آپ کو خلافت میں بھی چوتھا درجہ حاصل ہے۔ آپ کے متعلق گذشتہ اوراق میں کافی تذکرہ ہو چکا ہے، اور احادیث مبارکہ بھی کافی حد تک ذکر ہو چکی ہیں۔ اب چند احادیث بطور تبرک ذکر کی جارہی ہیں:

"عن زر بن حبیش قال قال علی رضی الله عنه والذی فلق الحبة وبرأ النسمة انه لعهد النبی الأمی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان لایحبنی الا مؤمن ولایبغضنی الا منافق"۔
(رواہ مسلم، مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

"زرابن حبیش نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور ذی روح کو پیدا کیا: بیشک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا کہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا، سوائے کامل مومن کے، اور مجھ سے بغض نہیں رکھے گا سوائے منافق کے۔"

وضاحت حدیث:

(**فلق الحبة**) "ای شقها وأخرج النبات منها" دانے کو پھاڑنے کا مطلب

یہ ہے کہ دانے کو پھاڑ کر پودے پیدا کئے۔

(**وبرأ النسمة**)"ای خلق کل ذات روح"اور اس نے ذی روح چیز کو پیدا کیا۔

(أنه) ای الشان (العهد النبی الأمی الی)"ای اكد ذلك وبالغ علی حتی كأنه عهد الی"۔

"یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تاکید فرمائی اور مبالغہ فرمایا آپ نے ارشاد فرمایا' وہ پختہ حکم تھا گویا کہ مجھ سے وعدہ کیا۔"

(ان لا یحبنی) والمعنی لا یحبنی حبا مشروعا مطابقا للواقع من غیر زیادة ونقصان لیخرج النصیری و الخارجی (الامؤمن) ای كامل الایمان فمن أبغض الشیخین مثلا فما احبه حبا مشروعا"

"کہ میرے ساتھ کوئی محبت نہیں کرے گا سوائے کامل مومن کے' مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جائز شریعت کے مطابق محبت جس میں نہ زیادتی ہو اور نہ نقصان' ایسی محبت صرف کامل مؤمن ہی کرے گا۔ نصیری رافضی کی محبت بھی غیر شرعی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت میں مبالغہ کرتا ہے، اور خارجی کا طریقہ بھی شریعت سے دور ہے کیونکہ وہ آپ کی محبت میں کمی کرتا ہے، بلکہ وہ آپ سے محبت کرتا ہی نہیں۔"

جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرے لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھے اس کی محبت علی کو بھی شریعت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ (مرقاۃ ۹ ج ۱۱ ص ۳۴۷)

غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مدینہ طیبہ میں جانشین مقرر کیا:

"عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لانبی بعدی"۔

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تم میرے اس طرح (خلیفہ) ہو جس

(بخاری و مسلم، مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ) طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بنے، مگر بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

وضاحت حدیث:

(**انت منی بمنزلۃ هارون من موسی**، تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تھے) کا وسیع مطلب ہے:

"یعنی فی الآخرۃ وقرب المرتبۃ و المظاهرۃ به فی أمرین کذا قاله شارح من علمائنا"۔

یعنی آخرت میں تمہیں میرا قرب حاصل ہو گا، مراتب میں تمہیں میرا تقرب حاصل ہو گا، اور امر دین کے ظاہر کرنے میں تمہیں میرا تقرب حاصل ہو گا۔ شارحین اہل علم نے یہی بیان کیا۔"

لیکن جب اس ارشاد کا موقع و محل دیکھا جائے تو وہ معنی درست نظر آئے گا جو راقم نے کیا ہے۔

آیئے! شارحین کا تحقیقی خوبصورت تبصرہ دیکھئے:

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد غزوہ تبوک کی طرف جاتے وقت فرمایا:

"وقد خلف علیا رضی الله عنه علی أهله وأمره بالأقامة فیه"

"کیونکہ آپ نے خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اہل میں خلیفہ (جانشین) بنایا، اور حکم دیا کہ تم نے اہل میں (مدینہ طیبہ میں) ہی رہنا ہے۔"

منافقین کی چال:

"فارجف به المنافقون وقالوا ماخلفه الا استثقالا له وتخففا منه"

"منافقوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شک میں ڈالنے کی یہ چال چلی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے ساتھ حضرت علی کو لے جانے میں بوجھ سمجھا' اس بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا۔

حقیقت میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کیلئے بوجھ بن رہے تھے کیونکہ منافقانہ وجہ سے غزوہ تبوک میں نہ جانے اور پیچھے رہ جانے والوں کو معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے وہ اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منافقوں کے کلام کا بظاہر اثر ہوا۔ آپ نے اپنے ہتھیار لئے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام جرف پر پہنچ چکے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے' اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! منافق تو اس اس طرح باتیں کر رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں تمہیں (مدینہ طیبہ) میں اپنی اہل میں اپنا جانشین بنایا تو تم واپس لوٹ جاؤ' میری اہل میں اور اپنی اہل میں میرے خلیفہ بن کر رہو۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس لوٹ کر آ گئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا:

"یا علی أما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی "تأول قول الله سبحانه وقال موسی لأخیه هارون اخلفنی فی قومی"۔

"اے علی! کیا تجھے پسند نہیں کہ تم میرے ایسے ہی خلیفہ بن کر رہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بن کر رہے' یہ اصل میں اشارہ تھا ارشاد باری تعالیٰ کی طرف' (ترجمہ) اور کہا: موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو تم میرے خلیفہ بن کر رہو میری قوم میں۔"

"والمستدل بهذا الحدیث علی ان الخلافة کانت له بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم زائغ عن منهج الصواب فان الخلافة فی الأهل فی حیاته لاتقتضی الخلافة فی الأمة بعد مماته"۔

"اس حدیث سے اگر کوئی یہ دلیل پیش کرے کہ اس حدیث سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے بلافصل ہو گی تو اس کی یہ سوچ

سیدھی راہ سے ہٹ کر ہوگی، کیونکہ اپنی زندگی میں نبی کریم ﷺ کا اپنی اہل میں خلیفہ بنانا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ آپ کے وصال کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کے خلیفہ بلافصل ہوں گے۔"

"ولاحجة فی الحدیث لأحدمنهم بل فیه اثبات فضیلة لعلی ولاتعرض فیه لکونه أفضل من غیره ولیس فیه دلالة علی استخلافه بعده لأن النبی ﷺ انما قال هذا حین استخلفه علی المدینة فی غزوة تبوك ویؤید هذا ان هارون المشبه به لم یکن خلیفة بعد موسی لأنه توفی قبل وفاة موسی أربعین سنة وانما استخلفه حین ذهب لمیقات ربه لمناجات"

"اس حدیث پاک سے ان لوگوں کو کوئی دلیل نہیں مل سکتی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل کہتے ہیں۔ہاں! البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے لیکن یہ فضیلت بھی ذاتی 'اس سے تم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ کو اپنے بغیر سب پر فضیلت حاصل تھی۔(کیونکہ تین خلفاء راشدین کی آپ پر فضیلت بیان کی جا چکی ہے) اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کے بعد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر دلیل قائم نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشادگرامی غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنانے کے وقت کا ہے' وہ خلافت زندگی میں تھی' وصال کے بعد خلافت مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی۔ان کو حضرت موسی علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے لئے جاتے وقت خلیفہ بنایا تھا وہ بھی ان کے زندگی میں خلیفہ تھے' وفات کے بعد نہیں کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہوئی۔

"الا انه لا نبی بعدی" ارشاد فرما کر فرق بیان کر دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام مستقل

نبی تھے، نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے، صرف قوم کی نگہبان اور دیکھ بھال کیلئے خلیفہ مقرر ہوئے تھے وہ بھی ان کے واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے امور خود سنبھال لئے تھے۔

"وخلاصته ای الخلافة فی حیاته لاتدل علی الخلافة الکلیة بعد مماته لاسیما وقد عزل عن تلك الخلافة برجوعه صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینة"

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ تبوک میں جانے کے بعد مدینہ طیبہ میں خلیفہ تھے لیکن نبی نہیں تھے۔ وہ خلافت جزئیہ تھی جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چند دنوں کیلئے تھی اس سے آپ کے وصال کے بعد خلافت کلیہ ثابت نہیں کی جاسکتی، خاص کر کے یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں لوٹنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو گئے تھے۔"

فائدہ:

اسی حدیث سے یہ فائدہ بھی حاصل ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو آپ کی نبوت ختم نہیں ہوگی، بلکہ آپ نبی ہی ہوں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہونے کی وجہ سے آپ کی شریعت کے احکام جاری فرمائیں گے۔ اپنی شریعت کے احکام جاری نہیں کریں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ نئے نبی کے طور پر نہیں تشریف لائیں گے، نبی ہونے کے باوجود امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۴۴)

"وعن انس قال کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم طیر فقال اللھم ائتنی بأحب خلقك الیك

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرندہ (بھنا ہوا) تھا، آپ

یأکل معی هذا الطیر فجاءه علی فأکل معه"۔
(رواہ الترمذی وقال ہذاحدیث غریب' مشکوۃ ج ۱۱ص۳۴۳)

نے دعا فرمائی: اے اللہ! میرے پاس وہ شخص آئے جو تیری مخلوق میں سے تیری طرف محبوب ہو وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے تو انہوں نے آپ کے ساتھ کھایا۔"

حدیث کی سند پر کلام:

"قال ابن الجوزی موضوع وقال الحاکم لیس بموضوع وفی المختصر قال له طرق کثیرة کلها ضعیفة"

"ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث موضوع ہے' حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں بیان کیا کہ یہ حدیث موضوع نہیں' مختصر میں بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ متعدد طرق سے ثابت ہے لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔"

راقم کا ناقص گمان یہ ہے کہ متعدد طرقِ ضعیفہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔ حسن لغیرہ سے احکام بھی ثابت ہو جاتے ہیں' فضائل تو یقیناً ثابت ہوں گے' صرف ضعیف کوئی ثابت کرے تو پھر بھی فضائل تو ثابت ہوں گے۔ اس لئے کہ ضعیف حدیث فضائل ثابت کرنے میں معتبر ہے۔ جہاں تک ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے کہ حدیث موضوع ہے' اس کو تو مستدرک سے رد کیا گیا۔ تمام بحث کا مطلب یہ ہے کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت تحقیقی عقیدہ ہی راقم کا عقیدہ ہے:

"قال الامام التوربشتی نحن وان کنا لانجهل بحمد الله فضل علی رضی الله

"علامہ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیشک ہم بحمد اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

عنه وقدمه وسوابقه فی الاسلام واختصاصه برسول الله ﷺ لقرابة القريبة ومؤاخاته اياه فی الدين وتتمسك من حبه بأقوى وأولى مما يدعيه الغالون فيه"

فضیلت اور ان کے اسلام لانے میں سبقت حاصل کرنے کو، اور ان کو نبی کریم ﷺ کی قربت قریبہ کی خصوصیت اور ان کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ دین میں مواخات (بھائی چارے) سے نہ ہی جاہل ہیں، نہ غافل ہیں، نہ ہی منکر ہیں، بلکہ غالی لوگ جو شریعت کے مخالف طریقے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں ہم ان سے زیادہ اور بہتر محبت کرتے ہیں جو شریعت کے عین مطابق ہوتی ہے، اجماع امت کے مطابق ہوتی ہے۔"

ہمارا عقیدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اولیت پر وہی ہے جو صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہے:

"خلافة ابی بكر رضی الله عنه التی هی أول حكم اجمع على المسلمون فی هذه الأمة وأقوم عماد أقيم به الدين بعد رسول الله ﷺ فنقول وبالله التوفيق هذاالحديث لايقاوم ماأوجب تقديم أبی بكر رضی الله عنه"۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کا اسی حکم پر اجماع ہوا، اس مسئلے پر اجماع کرنے والے دین کے ستون تھے، کیونکہ صحابہ کرام ہی تو وہ حضرات تھے جن کے ساتھ دین کا قیام تھا، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ہم حق بات کرتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقدیم کا ذکر ہے۔"

پھر اس حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے جو ذکر کر دیا گیا ہے لیکن حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ کی تقدیم وافضلیت پر دلالت کرنے والی احادیث کی اسناد میں بھی کوئی کلام نہیں۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی روایت اور آپ کی فضیلت پر اجماع ہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر اور آپ کی اول درجہ کی افضلیت اجماع کے خلاف ہے۔ اجماع کے مطابق ہی عقیدہ رکھنا صحیح ہے، اور اجماع کے خلاف عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔
(ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۴۳)

"وعن علی رضی اللہ عنہ قال کنت اذاسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطانی واذاسکت ابتدانی۔" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب، مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا تھا تو مجھے عطا فرماتے تھے اور جب میں خاموش رہتا تھا تو آپ ابتداء فرماتے تھے۔"

وضاحت حدیث:

(**أعطانی**) ای المسئول أو جوابہ" یعنی میں مال طلب کرتا تو آپ مجھے مال عطاء فرماتے اور اگر کوئی مسئلہ طلب کرتا تو آپ اس کا مجھے جواب دیتے۔

(**و اذاسکت ابتدائی**) "ای بالتکلم أو الأعطاء" اور جب میں خاموش رہتا تو آپ ابتداء فرماتے یعنی اگر میں کوئی بات نہ کرتا۔ کوئی مسئلہ نہ پوچھتا تو آپ خود ہی میرے ساتھ کلام کرنے کی ابتداء کرتے اور اگر میں آپ سے کوئی مال طلب نہ کرتا تو آپ خود ہی عطاء فرمادیتے تھے۔

حسن ادب کیا ہے؟

"ففیہ اشعار بأن حسن الأدب ھو السکوت وتفویض الأمر الموجب للتعظیم المتفرغ علیہ الاقبال المنتج للأعطاء أولا"

"حدیث پاک سے فائدہ یہ حاصل ہو رہا ہے کہ حسن ادب (اچھا ادب) یہ ہے کہ خاموش رہے، اپنے معاملات اس شخص کے سپرد کردے جو واجب التعظیم ہے کہ وہ خود

ہی اس کی طرف خالص توجہ کرے مال دے یا نہ دے۔ ہاں! مہربان کی توجہ عطا سے کہیں بہتر ہے توجہ بھی ہو اور عطا بھی ہو تو کیا ہی خوب ہے۔"

رب تعالیٰ کا ذکر مانگنے سے بہتر ہے:

ویؤیدہ حدیث "من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین"

"اس مسئلہ پر حدیث قدسی ہے "رب تعالیٰ نے فرمایا" جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے پھیرے رکھے اسے میں اس سے بہتر دیتا ہوں جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔"

"ومما یدل علی کرمہ وزھدہ ماذکرہ اصحاب المناقب عن علی رضی اللہ عنہ قال لقد رأیتنی مع رسول اللہ ﷺ وانی لأربط الحجر علی بطنی من الجوع وان صدقتی الیوم اربعون ألفا"۔

"اسی حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صفت کرم بھی حاصل تھی اور زہد بھی حاصل تھا۔ آپ کے مناقب میں یہ آتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے بھی دیکھا، اور آج میرا صدقہ چالیس ہزار (درہم) ہے۔"

"وربما یتوھم متوھم ان مال علی رضی اللہ عنہ تبلغ زکوتہ ھذا القدر ولیس کذالک فانہ کان ازھد الناس"

"اگرچہ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ پر اس وقت چالیس ہزار درہم زکوۃ لازم تھی، لیکن علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول درست نہیں کیونکہ آپ دوسرے لوگوں سے زیادہ زاہد (یعنی قناعت کرنے والے) تھے۔"

اس لئے اس کا معنی یہ معتبر ہوگا کہ آج میرا مال چالیس ہزار درہم تک پہنچ گیا ہے

جس سے میں صدقہ کرتا ہوں۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۴۴)

"عن سهل بن سعد ان علی ابن ابی طالب دخل علی فاطمة فأخبرها فقالت اذهب الی فلان الیهودی فخذلنا به دقیقا فجاء الی الیهودی فاشتری به دقیقا فقال الیهودی انت ختن هذا الذی یزعم انه رسول الله؟قال نعم قال فخذ دینارك ولك الدقیق فخرج علی رضی الله عنه حتی جاء به فاطمة فأخبرها فقالت اذهب الی فلان الجزار فخذ لنا بدرهم لحما فذهب فرهن الدینار بدرهم علی لحم فجاء به فعجنت ونصبت وخبزت فأرسلت الی أبیها فجاءهم فقالت یارسول الله اذكرلك فان رأیته حلالا وأكلت من شانه كذاقال كلوا باسم الله فأكلوا فبینماهم مكانه اذاغلام ینشد الله والاسلام لدینار فأمررسول الله ﷺ فدعی له فسأله فقال سقط منی فی السوق فقال النبی ﷺ یا علی اذهب الی الجزار فقل ان رسول الله ﷺ یقول لك أرسل الی بالدینار ودرهمك علی فارسل به فدفع الیه فأخرجه ابوداود۔

(منقول از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۴۴)

"سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (گھر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما رو رہے تھے، تو آپ نے پوچھا یہ دونوں کیوں رو رہے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا بھوک کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے نکل گئے تو آپ کو بازار میں ایک دینار مل گیا۔ آپ وہ دینار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے، ان کو (دینار کے ملنے کی) خبر دی، حضرت فاطمہ نے کہا فلاں یہودی کے پاس جاؤ اس سے آٹا خرید لاؤ، یہودی (کے پاس گئے اس) نے کہا تم تو اس شخص کے داماد ہو جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول گمان کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا اپنا دینار واپس لے لو اور آٹا لے جاؤ، آپ واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا فلاں قصاب کے پاس جاؤ ایک درہم کا اس سے گوشت خرید لاؤ، آپ قصاب کے پاس گئے، دینار اس کے پاس رہن رکھا اور ایک درہم کا گوشت خریدا (یعنی درہم تمہیں

ادا کر کے اپنا دینار لے جاؤں گا) آپ نے گوشت لایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا گوندھا اور ہنڈیا کو چولہے پر چڑھایا، اور روٹیاں پکائیں' اور اپنے باپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پیغام بھیجا، آپ تشریف لے آئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو واقعہ بتاتی ہوں' معاملہ اس کھانے کا اس اس طرح ہے' آپ بتائیں کیا یہ ہمارے لئے حلال ہے یا نہیں؟ اگر حلال ہے تو ہم بھی کھالیں اور آپ بھی کھالیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ جب سب نے کھالیا تو باہر ایک غلام (نوجوان) کو اعلان کرتے ہوئے سنا' وہ گلیوں میں اعلان کر رہا ہے: اللہ اور اسلام کے حق کا واسطہ اگر کسی کو میرا دینار ملا ہو تو وہ دے دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بلاؤ' اس سے پوچھا تو اس نے بتایا: کہ میرا ایک دینار کہیں بازار میں گر گیا' اسے تلاش کر رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا قصاب کے پاس جاؤ، اسے کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دینار واپس کردو' تمہارا درہم ادا کرنا میرے ذمہ ہے' اس نے دینار واپس کر دیا اس شخص کو دے دیا گیا جو تلاش کر رہا تھا۔

مقام توجہ!

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے گھر والوں پر اس وقت اضطرار کی حالت تھی' اس حالت میں ان کیلئے گری ہوئی چیز ملنے پر خرچ کرنا جائز تھا کہ مالک کے ملنے پر ادا کرنا لازم ہوگا' اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طعام کے کھانے کی اجازت دی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ دینار محفوظ تھا جو قصاب کے پاس بطور رہن رکھا گیا تھا کہ ضرورت کے وقت یہ واپس لے لیا جائے گا' اسی لئے مالک کے ملنے پر وہ واپس کر دیا گیا۔

"وعن علی قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیك مثل من عیسی ابغضته الیهود حتی بهتوا أمه وأحبته النصاری حتی نزلوه

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہاری مثال عیسی علیہ السلام کی ہے' یہودیوں نے ان سے بغض کیا یہاں

بالمنزلة التی لیست له ثم قال یهلك فی رجلان محب مفرط یعرظنی بما لیس فی ومبغض یحمله شنآنی علی ان یبهتنی"۔

(رواہ احمد، مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

تک کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھا، اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ ان کو اس مرتبہ پر اتار دیا جو ان کا مرتبہ نہیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ میں بھی دو قسم کے شخص ہلاک ہو گئے، ایک زیادہ محبت کرنے والا جو میری تعریف کرتا ہے جو مجھ میں نہیں اور ایک مجھ سے بغض رکھنے والا جو میرے دشمنوں کو مجھ پر بہتان باندھنے پر ابھارتا ہے۔"

وضاحت حدیث:

اس حدیث کے راوی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دو فرقے بن گئے۔ ایک فرقہ یہود کا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بغض رکھا کہ معاذ اللہ ان کی والدہ پر بہتان باندھا یعنی عیسیٰ علیہ السلام میں یہ تینوں وصف نہیں پائے گا۔ آپ نے تو پنگھوڑے کی عمر میں ہی اعلان کر دیا تھا "انی عبداللہ" بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں۔

راقم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "حتی انزلوہ بالمنزلة التی لیست له" سے ایک عجیب بات نظر آئی کہ عیسیٰ علیہ السلام سے عیسائیوں نے بظاہر محبت کی اور اپنے خیال میں ان کو اوپر چڑھایا لیکن ان کے جب وہ اوصاف بیان کئے جو ان میں نہیں تھے تو حقیقت میں ان کو اپنے حقیقی مرتبہ سے انہوں نے نیچے اتار دیا۔ اس لئے جو اوصاف کسی میں نہ پائے جائیں وہ بیان کرنا راقم کے نزدیک اس کی تعریف نہیں، بلکہ توہین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "حتی انزلوہ" فرمایا لیکن "حتی ارفعوہ" نہیں فرمایا اور نہ ہی "حتی واقاموا" فرمایا۔ خیال رہے یہ مذکورہ بالا سوچ راقم کی ہے، کوئی ضروری نہیں کہ کوئی

دوسرا اس سے اتفاق کرے۔

(ثم قال) ای علی موقوفا (یهلك فی) ای یضل فی حقی (رجلان) ای احدهما رافضی والآخر خارجی"۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ میرے حق میں بھی دو شخص ہلاک ہو گئے ایک رافضی اور دوسرا خارجی۔"

(محب مفرط) "ای مبالغ عن الحد (یقرظنی) بکسر الراء المشددة ای یمدحنی (بما لیس فی) ای بتفضیلی علی جمیع الصحابة أوعلی الانبیاء او باثبات الألوهیة کطائفة النصیریة"۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک برباد ہونے والا شخص جو مجھ سے حد سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور میری تعریف اس طرح کرتا ہے جو کمال مجھ میں نہیں یعنی مجھے تمام صحابہ سے فضیلت دینے والا بھی برباد ہو گیا اور مجھے انبیاء پر فضیلت دینے والا بھی تباہ و برباد ہو گیا اور مجھ میں الوہیت ثابت کرنے والا تباہ ہو گیا جیسے نصیر یہ فرقہ کہتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدا حلول کئے ہوئے ہے معاذ اللہ۔"

راقم کو یہاں بھی یہی سمجھ آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ فضیلت بیان کرنا جو آپ میں نہیں، آپ کو اپنے منصب سے نیچے اتارنا لازم آتا ہے، وہ آپ کی شان نہیں بلکہ آپ کی توہین ہے۔

(ومبغض) "وانما لم یقل هنا مفرط لأن البغض بأصله ممنوع بخلاف أصل الحب فأنه ممدوح (یحمله) ای یبعثه ویسکن (شنآنی) بفتحتین ویسکن الثانی وحکی ترك الهمزة ای عداوتی (علی ان یبهتنی)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے حق میں دوسرا وہ شخص برباد ہو گیا جو مجھ سے بغض رکھتا ہے، وہ میرے دشمنوں کو مجھ پر بہتان باندھنے پر ابھارتا ہے کہ وہ مجھے جھوٹا اور گنہگار کہتے ہیں۔ محبت کے ساتھ "مفرط"

ای یتکلم علی بالبھتان وینسب الی الزود والعصیان"۔

کی قید لگائی اور "مبغض" کے ساتھ مفرط کی قید نہیں لگائی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقاً محبت جائز ہے، محبت میں مبالغہ حد سے تجاوز ناجائز ہے لیکن بغض ہر حال میں ناجائز ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔"

"شنان" کا تلفظ تین طرح ہے: شین اور نون دونوں پر زبر، شین پر زبر اور نون ساکن، پھر ہمزہ کو رکھ کر، یا ہمزہ کو گرا کر "شنان" پڑھنا، معنی اس کا دشمن۔

"غدیر خم" والی حدیث، جس سے راقم نے ابتداء کی اسی کی کچھ مزید وضاحت سے مضمون کو ختم کر رہا ہوں:

"عن البراء بن عازب وزید بن ارقم ان رسول اللہ ﷺ لما نزل بغدیر خم أخذ بید علی فقال الستم تعلمون أنی أولی بالمؤمنین من انفسھم قالوابلی الستم تعلمون أنی أولی بکل مؤمن من نفسه قالوابلی فقال اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ فلقیه عمر بعد ذلك فقال له ھنیئا یا ابن أبی طالب اصبحت وأمسیت مولی کل مؤمن ومؤمنة"۔

(رواہ احمد، مشکوۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

"حضرت براء ابن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ جب مقام غدیر میں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا تو فرمایا کیا تم نہیں جانتے بیشک میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ مالک ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں (یعنی یقیناً ایسا ہی ہے) آپ نے پھر فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مؤمن کا اس کے اپنے نفس سے زیادہ مالک ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں، پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! جس کا میں مولی ہوں علی اس کا مولی ہیں۔ اے اللہ! تو اس سے محبت کر جو علی سے محبت کرے، اور تو اس سے دشمنی رکھ جو علی سے

دشمنی رکھے، تو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے، تو انہیں کہا: اے ابن ابی طالب! تمہیں مبارک ہو تمہیں صبح وشام (ہر حال میں) ہر مومن مرد اور عورت کا مولیٰ ہونے کے شرف حاصل ہو گیا ہے۔

وضاحت حدیث:

(لما نزل) ای فی مرجعه من حجة الوداع فی حال کمال اصحابه من الاجتماع (بغدیر خم) بضم خاء وتشدید میم اسم لغیضة علی ثلاثة أمیال من الجحفة عندها غدیر مشهور یضاف الی الغیضة"

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حجۃ الوداع سے واپسی پر تھا، جب آپ غدیر خم کے مقام پر کچھ دیر آرام کیلئے اپنی سواری سے اترے، صحابہ کرام بھی اپنی اپنی سواریوں سے وہاں اترے۔ جب سب وہاں کامل طور پر جمع ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: جو حدیث پاک کے ترجمہ سے واضح ہے "غدیر خم" میں خاء پر ضمہ اور میم مشدد ہے، یہ جحفہ سے تین میل کی مسافت پر جھاڑیوں والا مقام تھا جہاں ایک مشہور کنواں یا جوہڑ تھا جس کا نام خم تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سوال کیا جس میں جمیع مومنین سے ذکر فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمام مؤمنوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں (یعنی وہ اپنے آپ کے اتنے مالک نہیں جتنا میں ان کا مالک ہوں) تو سب نے کہا کیوں نہیں، یعنی ایسے ہی ہے جیسے آپ فرمارہے ہیں۔ دوسری مرتبہ ہر مؤمن کا خصوصی طور پر ذکر کیا، کیا تم نہیں جانتے کہ میں مؤمن کا اس کی جان سے زیادہ مالک ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں یعنی جب آپ ہر مؤمن کے اس کی جان سے زیادہ مالک ہیں تو اس کے گھر والوں کے بھی یقیناً آپ مالک تھے، یہ ارشاد پہلے ارشاد کی تاکید کررہا ہے۔

اس حدیث سے شیعہ کا استدلال:

"تمسکت الشیعة انه من النص المصرح بخلافة علی رضی الله عنه حیث قالوا معنی المولی الأولی بالأمامة والا لما احتاج الی جمعهم کذلك وهذه من أقوی شبههم"۔

"شیعہ حضرات نے کہا کہ یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص صریح ہے اس میں مولی کا معنی "اولی بالامامۃ" ہے کہ حضرت علی ہی میرے بعد (امامت) خلافت کے بلا فصل زیادہ حقدار ہوں گے۔ اگر یہ مطلب نہ ہوتا تو صحابہ کے اجتماع میں یہ کہنے کی ضرورت درپیش نہ آتی۔ (یہ شیعہ کا بظاہر بڑا قوی اعتراض ہے)۔"

اہل سنت کا جواب:

"ودفعها علماء اهل السنة بأن المولی بمعنی المحبوب وهو علی کرم الله وجهه سیدنا وحبیبنا وله معان أخر ومنه الناصر وأمثاله فخرج عن کونه نصا فضلاً عن أن یکون صریحا"۔

"کہ حدیث شریف میں مولی کا معنی محبوب ہے لہذا واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے سردار اور ہمارے حبیب ہیں کیونکہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سردار اور ہمارے حبیب ہیں اور مولی کا اور معنی ناصر بھی ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مددگار ہیں اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہمارے مددگار ہیں۔"

ان معانی کو ایک اور روایت سے بھی تائید حاصل ہے:

"وفی روایة اللهم أحب من احبه وابغض من ابغضه وانصر من نصره واخذل من خذله وأد رالحق معه حیث دار"۔

"ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یوں ہے اے اللہ! جو علی سے محبت کرے تو اس سے محبت کر۔ اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی

اسے بغض کا بدلہ دے اور جو علی کی امداد
کرے تو بھی اس کی امداد کر اور جو علی کو رسوا
کرے تو بھی اسے رسوا کر اور حق علی کے
ساتھ چلا جہاں بھی علی چلیں۔"

"مولیٰ" کے معانی:

پرورش کرنے والا مالک سردار انعام کرنے والا اور آزاد کرنے والا اور جس پر انعام کیا گیا اور جسے آزاد کیا گیا مددگار محب تابع پڑوسی چچازاد حلیف عقد باندھنے والا سسرالی رشتہ غلام۔

مولی کا معنی "اولیٰ" لینا درست نہیں۔ ہاں! اگر بالفرض کوئی یہ معنی لے تب بھی اتنا ثابت کیا جاسکے گا کہ آپ خلیفہ بنیں گے یہ کہاں کہا گیا کہ وہ خلیفہ بلافصل ہوں گے۔ یہ ساری بات بالفرض محال پر ہے ورنہ حدیث پاک میں ایسے الفاظ ہی نہیں جو اس پر دلالت کریں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ حدیث پاک سے تو آپ کا خلیفہ ہونا ہی ثابت نہیں خلیفہ بلافصل تو دور کی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی: "اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ" "اے اللہ! جس کا میں محبّ اور محبوب ہوں، علی اس کے محبّ ومحبوب ہیں۔" ساتھ ہی آنے والے دعائیہ الفاظ اسی معنی کی تائید کر رہے ہیں:

"اللھم وال من والاہ" "اے اللہ! جو علی سے محبت کرے تو اسے محبت کر۔"

راقم نے اس حدیث پاک پر اور "حدیث قرطاس" پر تفصیلی بحث "نجوم الفرقان" کے دوسرے حصہ میں کر دی ہے وہاں ہی زیادہ تفصیل دیکھی جائے یہاں مختصر ذکر بھی حقیقت میں تکرار ہے لیکن مضمون ایک جگہ مذکور ہو جانے کی وجہ سے یہاں بھی مختصر ذکر کرنا پڑا۔

گمراہ کن ہتھکنڈے یہودیوں سے حاصل کئے گئے:

آگے آنے والے مضمون کو سمجھنے کیلئے یہ سمجھا جائے کہ حضرت پیر خواجہ قمرالدین

سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ہے "رسالہ مذہب شیعہ" اس کے خلاف شیعہ کے علامہ "محمد حسین ڈھکو" نے ایک رسالہ "تنزیہ الامامیہ" لکھا۔ اس کے جواب میں استاذی المکرم حضرت مولٰینا محمد اشرف سیالوی مدظلہ نے تین جلدوں میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "تحفہ حسینیہ" ہے۔ آگے آنے والا مضمون تحفہ حسینیہ جلد سوم سے ہی ماخوذ ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

عبداللہ بن سبا یہودی اور مذہب شیعہ کی ابتداء:

اسی صورت حال کا کھوج بھی ملتا ہے اور باب عقل وشعور تو چوڑ کو پکڑ بھی سکتے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اہل تشیع کی معتبر کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم ص ۵۲۴ سطر نمبر ۶ مطبوعہ ایران (اصفہان) ۱۳۰۵ھ کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہوں تاکہ آپ کو حق الیقین ہو جائے کہ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں، وہ تعصب مذہبی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ واقعات کی روشنی میں اور حق وصداقت پر مبنی معروضات ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے خلفاء راشدین کے متعلق غصب خلافت کا قول کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ بلا فصل ثابت کرنے کی کوشش کی، وہ ایک یہودی تھا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا، جو امیر المومنین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تقیہ کر کے مدینہ منورہ آیا تھا اور اسلام ظاہر کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بالخصوص خلفائے راشدین سابقین کے خلاف خفیہ طور پر سب بکنا شروع کیا۔ پھر جب مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو مصر میں جا کر ایک گروہ اپنا ہمنوا بنالیا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور بالآخر ایسا فتنہ برپا کیا کہ جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ذکر پدید آمدن مذہب رجعت در سال سی و پنجم ہجری

عبداللہ بن سبا مردے جہود بود در عہدِ عثمان بن عفان مسلمانی گرفت و از کتب

پیشین و مصاحف سابقین نیک دانا بود چوں مسلمان شد، خلافتِ عثمان درنظر او پسندہ نیفتاد پس در مجالس و محافل اصحاب بنشستے وقبائح اعمال ومثالب عثمان راہر چہ توانستے باز گفتے۔ ایں خبر بعثمان بردند گفت بارے ایں جہودی کیست وفرمان کردتا او راز مدینہ اخراج نمودند عبداللہ بمصر آمد و چوں مرد عالم ودانا بود مردم بروے گرد آمدند و کلمات او را باور داشتند۔

گفت ہاں! اے مردم مگر نشنیدہ اید کہ نصاریٰ گویند کہ عیسی علیہ السلام بدیں جہاں رجعت کند و باز آید۔ چنانکہ در شریعت ما نیز ایں امر استوار است۔ چوں عیسیٰ علیہ السلام رجعت تواند کرد محمد کہ بے گماں فاضلتر از وست چگونہ رجعت نکند۔

وخداوند نیز در قرآن کریم میفرماید اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ۔ چوں ایں سخن را در خاطر ہا جائے گیر ساخت گفت۔

خداوند صد و بست و چہار ہزار پیغمبر از جہاں برود خاصہ وقتیکہ صاحبِ شریعت باشد و نابے وخلیفتے بخلق نگمارد وکار اُمت را مہمل بگزارد، ہمانا محمد را علیہ السلام وصی وخلیفہ بود چنانکہ خود فرمود "انت منّی بمنزلة ہارون من موسی" از یں میتواں دانست کہ علی خلیفہ محمد است وعثماں ایں منصب راغصب کردہ وباخود بستہ عمر نیز ایں کار بناحق بشوری افگند و عبدالرحمٰن بن عوف بہوائے نفس دست بردست عثمان زد و دستِ علی را کہ گرفتہ بود کہ باو بیعت کند رہا داد۔

اکنوں بر ما کہ در شریعت محمد یم واجب میکند کہ از امر بمعروف ونہی از منکر خویشتن داری نکنیم، چنانچہ خدائے فرماید "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

پس با مردم خویش گفت مارا ہنوز آں نیز و نیست کہ بتوانیم عثمان را دفع داد۔ واجب میکند کہ چنداں کہ بتوانیم عمال عثمان را کہ آتش جور وستم را دامن ہمی زنند ضعیف داریم وقبائح اعمال ایشاں را بر عالمیان روشن سازیم ودل ہائے مردم را از عثمان وعمال او بگردانیم۔

پس نامہا نوشتند واز عبداللہ بن ابی سرح کہ امارتِ مصرداشت باطراف جہاں شکایت فرستادندومروم رایک دل ویکجہت گردانیدند کہ درمدینہ گردآیندوبرعثمان امربمعروف کنندواوراازخلیفتی خلع فرمایند۔عثمان ایں معنی راتفرس ہمی کردومروان ابن الحکم جاسوسانِ بشہرہافرستادتاخبربازآوردندکہ بزرگانِ ہربلددرخلعِ عثمان ہمدستانند۔لاجرم عثمان ضعیف شدہ درِکارخودفروماند۔"

ترجمہ: **۳۵ھ میں مذہب رجعت کے پیدا ہونے کا بیان**

عبداللہ بن سبا یہودی آدمی تھا، جس نے حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلام ظاہر کیا اور پہلی کتابوں اور صحیفوں کا اچھا عالم تھا۔ جب مسلمان ہوا تو امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) کی خلافت اس کے دل کو پسند نہ آئی لہٰذا اس نے مجالس اور محافل میں بیٹھ کر حضرت امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) کے متعلق بدگوئیاں اور شکوہ وشکایات شروع کر دیں اور بُرے اعمال واخلاق جو کچھ بھی اس کے بس میں تھا' حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے لگا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی' تو آپ نے فرمایا: یہ یہودی ہے کون؟ اور آپ نے حکم دیا کہ اسے مدینہ منورہ سے نکال دیں' چنانچہ عبداللہ بن سبا مصر میں پہنچ گیا اور چونکہ آدمی عالم اور دانا تھا' لہٰذا لوگوں کا اس پر جمگھٹا ہونے لگا اور لوگوں نے اس کی تقریروں پر یقین کرنا شروع کر دیا تو ایک دن اس نے کہا: ہاں اے لوگو! تم نے شاید سن رکھا ہوگا کہ عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس جہاں میں دوبارہ آئیں گے جیسا کہ ہماری شریعت میں بھی یہ بات متحقق ہے، تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسکتے ہیں، تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے مرتبہ میں بہت زیادہ ہیں کس طرح دوبار تشریف نہ لائیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی قرآن میں فرماتا ہے کہ جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے، وہ یقیناً آپ کو آپ کے اصلی وطن کی طرف لوٹائے گی۔

جب ایسی عقیدہ کو لوگوں کے دلوں میں راسخ اور پختہ کر چکا تو کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں بھیجے ہیں اور ہر ایک پیغمبر کا ایک وزیر اور خلیفہ تھا' تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دُنیا میں تشریف لے جائیں۔ علی الخصوص جبکہ وہ صاحب شریعت ہوں اور اپنا نائب اور خلیفہ مقرر نہ فرمائیں اور امت کاملہ یُوں ہی چھوڑ دیں۔

لہذا یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ علی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ ''انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ'' ''یعنی تو میرے ایسا ہے' جیسے حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے۔

اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت علی حضور محمد کریم علیہ السلام کے خلیفہ ہیں اور عثمان نے اس منصب کو غصب کر لیا ہے اور اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ٹھہرا لیا ہے اور (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) عمر بن خطاب نے بھی ناحق منصبِ خلافت کو مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا۔

یہ عبارت نقل کرنے سے چند گزارشات کرنا مقصود ہیں:

① رجعی مذہب سب سے پہلے جس شخص نے دنیا میں پیدا کیا' وہ عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔

② خلفاء راشدین کے متعلق غاصب کہنا اور اُن کی خلافت کو ناحق قرار دینے کی ابتدا کرنے والا عبداللہ بن سبا ہے۔

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا سب سے پہلا علمبردار بھی یہی عبد اللہ بن سبا ہے۔

عبداللہ بن سبا کے متعلق ائمہ ہدیٰ کی تصریحات کے ساتھ آئندہ سطور میں کسی قدر تبصرہ ہوگا، سر دست اتنا عرض کرنا ہے کہ شیعوں کے مذہب کی بنیاد اسی عبداللہ بن سبا نے رکھی۔ شیعہ کے مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''حق الیقین'' ص ۱۵۰ مطبوعہ ایران میں مقصد نہم اسی عقیدۂ رجعت کے ثبوت میں انتہائی زور و شور کے ساتھ لکھا ہے:

"بداں کہ از جملہ اجماعیاتِ شیعہ بلکہ ضروریات مذھب حق فرقۂ محقہ حقیست رجعت است"

یعنی جاننا چاہیے کہ منجملہ ان اعتقادات کے کہ جن پر تمام شیعوں کا اجماع ہے، بلکہ ان کے مذہب کے ضروریات میں سے ہے، وہ عقیدۂ رجعت کی حقانیت کا اعتراف واقرار ہے۔

اب اہل دانش وبینش کے نزدیک یہ بات روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گئی کہ مسئلہ کا ظاہر کرنے والا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بلا فصل کہنے والا اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ظلم اور غصب کی نسبت کرنے والا سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا یہودی ہے اور باقر مجلسی کی تصریح سے یہ ثابت ہو کہ اسی عبداللہ بن سبا کے عقیدے شیعوں کے ضروریاتِ دین میں سے ہیں اور شیعوں کے مجمع علیہ عقائد میں سے ہیں جیسے کہ من لایحضرہ الفقیہ میں شیعہ کے شیخ صدوق نے کہا (اور ملا باقر مجلسی نے اس کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے کہا)

"ھر کہ ایماں برجعت ندارد از مانیست"

جس شخص کا عقیدۂ رجعت پر ایمان نہیں ہے وہ ہم (شیعہ) سے نہیں ہے۔

اب ذرا غور سے عبداللہ بن سبا کا حال سنیں: اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب "رجال کشی"، ص ۹۹ تا ۱۰۱ پر بھی عبداللہ بن سبا کا بیان موجود ہے۔ چونکہ اس کے متعلق یہ روایات ائمہ کرام امام زین العابدین اور امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے مروی ومنقول ہیں، لہذا انہیں لفظ بلفظ مطالعہ کے لئے پیش کرتا ہوں"۔

① "عن ابان بن عثمان قال سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول لعن الله عبد الله بن سبا انه ادعیٰ الربوبیة فی امیر المؤمنین وکان والله امیر المؤمنین عبدًالله طائعا الویل لمن کذب علینا وان

ترجمہ: ابان بن عثمان سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ عبداللہ بن سبا پر لعنت فرمائے اُس نے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں رب ہونے کا دعوی

علینا وان قوماً یقولون فینا مالا نقول فی انفسنا نبرء الی الله منهم"۔

کیا اور بخدا امیر المومنین کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے تھے۔اس شخص کے لئے جہنم ہے، جس نے ہم پر جھوٹے بہتان باندھے اور ایک قوم ہمارے متعلق ایسی ایسی باتیں گھڑتی ہے جو ہم قطعاً اپنے متعلق نہیں کہتے۔ہم ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف برأت کا اظہار کرتے ہیں۔"

۲ "عن ابی حمزة الثمالی قال علی بن الحسین علیہ السلام لعن اللہ من کذب علینا انی ذکرت عبد اللہ بن سبا فقامت کل شعرة فی جسدی لقد ادّعیٰ امراً عظیماً مالہ لعنہ اللہ کان علی واللہ عبداً للہ صالحاً اخا رسول اللہ وما نال الکرامة من اللہ الا بطاعتہ للہ ولرسولہ وما نال رسول اللہ الکرامة الا بطاعتہ"۔

ترجمہ: ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت بھیجے، جس نے ہم پر جھوٹ بولا۔میں نے عبد اللہ بن سبا کو یاد کیا، تو میرے بدن کا ہر رونگٹا کھڑا ہو گیا۔البتہ تحقیق اس نے امر عظیم کا دعوی کیا ہے۔اسے کیا ہے؟ اللہ اس پر لعنت کرے، بخدا! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی۔انہوں نے بارگاہِ خداوندی سے جو عزّت اور کرامت پائی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہی پائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عزّت وکرامت حاصل کی ہے، تو وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہی حاصل کی ہے۔

۳ "قال ابو عبد اللہ علیہ السلام انا اہل بیت صدیقون لا نخلوا من کذاب

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم اہل بیت بہت ہی سچے ہیں مگر ہم ایسے کذابوں

یکذب علینا ویسقط صدقنا بکذبه علینا عند الناس کان رسول الله ﷺ اصدق الناس لهجة واصدق البریة کلها وکان مسیلمة یکذب علیه وکان امیر المؤمنین اصدق من برء الله بعد رسول الله ﷺ وکان الذی یکذب علیه ویعمل فی تکذیب صدقه ویفتری علی الله الکذب عبد الله بن سبا لعنه الله"۔

(رجال کشی ص۱۰۰ وتنقیح المقال ما مقانی جلد ثانی ص۱۸۴)

سے محفوظ نہیں ہیں، جو ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ہمارے صدق کو اپنے جھوٹ اور بہتان کے ذریعے ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ سچے تھے اور مسیلمہ کذاب ان پر بہتان باندھا کرتا تھا اور امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد سچے تھے اور جو شخص ان پر جھوٹ باندھتا تھا اور ان کے صدق کو کذب سے بدلنے کی سعی اور جہد و جہد کرتا تھا اور جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا تھا، وہ عبداللہ بن سبا ملعون تھا۔"

(۳) (قال الکشی) "ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سبا کان یهودیاً فاسلم ووالی علیاً علیه السلام وکان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامه بعد وفات رسول الله ﷺ فی علی مثل ذالك وکان اوّل من اشهر القول بفرض امامة علیّ واظهر البراءة من اعدائه وکاشف مخالفیه وکفرهم فمن هٰهنا قال من خالف

ترجمہ: علامہ کشی نے کہا کہ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ تحقیق عبد اللہ بن سبا یہودی تھا۔ بعد ازاں مسلمان ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تولی اور آپ کی محبت کا دم بھرنے لگا اور وہ جب یہودی تھا تو یوشع بن نون علیہ السلام کے متعلق غلو کرتے ہوئے وصی موسیٰ کہا کرتا تھا اور اسلام کا اظہار کرنے کے بعد کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی اور خلیفہ بلا فصل ہیں۔

خالف الشيعة ان اصل التشيع والرفض ماخوذ من اليهودية"۔

اور وہ پہلا شخص تھا جس نے امامت علی کی فرضیت کے قول اور عقیدہ ونظریہ کو مشہور کیا اور ان کے اعداء اور مخالفین سے برأت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین پر زبان طعن دراز کی اور ان کی تکفیر کی لہذا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کی جڑ، اصل واساس یہودیت ہے۔

(رسالہ مذہب شیعہ از ص ۹۰ تا ص ۹۶)

رسالہ تنزیہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

کیا مذہب شیعہ عبداللہ بن سباء یہودی کی ایجاد ہے؟

پیر صاحب آف سیال شریف نے دیگر ہم مسلک تعصب نواز اہل السنّت کی طرح یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مذہب شیعہ عبد اللہ بن سبا یہودی کی پیداوار ہے (تا) لیکن ارباب بصیرت پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ نسبت محض کذب وافترا ہے، جس کا واقعات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

اوّلاً: تو عبداللہ بن سبا کے اصل وجود میں ہی اختلاف ہے اور بعض سنی وشیعہ مورخین کے نزدیک وہ ایک افسانوی شخصیّت اور فرضی فرد کا نام ہے جس کا عالمِ حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

ثانیاً: ہر مذہب والے اپنے بانیانِ مذہب کی تعریف کرتے ہیں اور اُن کا تذکرہ بڑی آب وتاب اور شان وشوکت سے کرتے ہیں، مگر پورا شیعی رجال کا لیٹریچر پڑھ لیجئے، کسی جگہ ایک جملہ بھی ابن سبا کی مدح میں نہیں ملے گا۔ (ص ۱۵۶، ص ۱۶۰)

ثالثاً: پیر صاحب نے ہمارے عقیدۂ رجعت کی رد کرنا چاہی ہے اور اس کے ایجاد کا سہرا

بھی ابن سبا کے سر باندھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ہم نے نہ صرف محولہ بالا مقام بلکہ وہ تمام وصفحات چھان مارے، جہاں اس عبارت کے ملنے کا امکان تھا، مگر اس عبارت کا کہیں نام ونشان نہ ملا۔ (ص۱۲۳ تنزیہ الامامیہ)

تحفہ حسینیہ **ازابوالحسنات محمد اشرف سیالوی**

حقائق وواقعات کا آفتاب اپنی آنکھیں بند کر لینے سے غروب نہیں ہوسکتا:

علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ عبداللہ بن سبا کو مذہب شیعہ کا بانی قرار دینا کذب وافترا ہے اوراس کا واقعات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے' حالانکہ یہ جواب سراسر عجز اور بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ' نے محض دعوی پر اکتفاء نہیں کیا' بلکہ شیعی کتب سے عبارات نقل کر کے اسے ثابت کیا اور حوالہ جات درج فرمائے تھے اور پورے پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ان عبارات کا جواب صرف اور کذب افتراء کا لفظ بول دینے سے تو نہیں آسکتا۔ نیز یہ جھوٹ اور غلط بیانی اور کذب ودروغ بیانی کرنے والے کون؟ کیونکہ حضرت شیخ الاسلام نے تو شیعی مستند کتب کے حوالے سے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے اور شیعی علماء نے اپنے مذہب ومسلک کے متعلق اوراس کے بانی اور موجد کے متعلق جھوٹ کیوں بولنا تھا؟ اور افتراء پردازی سے کام کیونکر لینا تھا؟ لہذا علامہ ڈھکو صاحب کا یہ قول جواب نہیں ہے' بلکہ جواب سے فرار کی ناکام کوشش ہے۔

علامہ کشی نے اپنے رجال میں یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ واقعی مذہب تشیع کا بانی اور معمار اوّل عبداللہ بن سبا یہودی ہی ہے۔ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے دعوی کی تصدیق فرمائیں:

۱ "کان اوّل من اشهر القول بفرض امامة علی"۔
وہی پہلا شخص تھا' جس نے امامتِ علی کے عقیدہ کی فرضیت ولزوم کو مشہور کیا۔

۲ "کان یقول وهو علیٰ یهودیته فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو

فقال فی اسلامه بعد وفاتِ رسول الله ﷺ فی علی علیه السلام مثل ذالك"۔

عبداللہ بن سبا جس وقت یہودی مذہب پر تھا' تو غلو سے کام لیتے ہوئے حضرت یوشع بن نون کو وصی موسیٰ کہا کرتا تھا، تو جب حضور ﷺ کے وصال کے بعد اسلام کا اظہار کیا، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی طرح کہا یعنی غلو سے کام لے کر انہیں وصی رسول اللہ ﷺ کہا۔

﴿۳﴾ "واظهر البراءة من اعدائه و کاشف مخالفیه و کفرهم"۔

یہی عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے برأت کا اظہار کیا اور ان پر طعن و تشنیع سے کام لیا' بلکہ ان کی تکفیر کی۔

اور یہی تین امور "عقیدۂ امامت کی فرضیت، وصی رسول ہونے کا عقیدہ' اور تبرّا" ہی اہل تشیع کے بنیادی عقیدہ ہیں۔

علاوہ ازیں بقول صاحبِ ناسخ التواریخ اس نے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا، مگر محبت اور تولیٰ کا دم بھرا تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ نہ خلیفۂ وقت سے محبت ضروری سمجھی اور نہ خلفا سابقین سے' بلکہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف تو شکوۂ و شکایات کا سلسلہ شروع کر لیا تھا اور تولیٰ بھی شیعہ مذہب کا اہم رکن ہے اور اس کا بانی بھی یہی تھا اور جب ان اصول اربعہ کا موجد اور بانی عبداللہ بن سبا ہی تھا' تو پھر اہل علم کا یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا جو کہ علامہ کشی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سبا کان یهودیا فاسلم ووالی علیاً علیه السلام (الی) ومن هٰهنا قال من خالف الشیعة ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیهودیة"۔

"یعنی بعض اہل علم نے کہا کہ عبداللہ بن سبا پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لایا اور حضرت علی علیہ السلام سے محبت و تولیٰ کا اظہار کیا (تا) اور اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کی اساس اور بنیاد یہودیت

سے ماخوذ ہے''۔ (رجال کشی ص ۱۰۱)

علامہ صاحب! ''رجال کشی'' ہماری کتاب نہیں' جناب کے مذہب کی مستند اور معتبر ترین کتاب ہے' جس کی کانٹ چھانٹ اور جانچ پرکھ کے بعد' اور ضعیف وموضوع روایات کو حذف کرنے کے بعد طوسی صاحب نے اس کو دوبارہ شائع کرایا اور اس حقیقت کو درج بھی کر لیا اور اس کی صحت واقعیت کا اعتراف بھی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ علامہ کشی وطوسی جیسے اہم علماء شیعہ جن کو اہل علم سمجھ کر ان کا قول نقل کریں' تو اُن کے سند اور حجت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ لہذا یہ اہل السنّت کا بہتان وافترا نہیں ہے اور نہ دروغ اور غلط بیانی' بلکہ تمہارے اپنے اہل مذہب اکابر کی حقیقت بیانی اور صداقت ترجمانی ہے' اسے بہتان وافتراء کہہ دینا سراسر غلط ہے اور محض بے بسی اور لاچاری کا اظہار ہے۔

یہودی سازش کا مرحلہ وار پروگرام

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی پیش کردہ عبارات اور روایات سے عبداللہ بن سبا کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ موالات' آپ کی خلافتِ بلافصل کے عقیدہ کی فرضیت اور وصیِ رسول ہونے کا دعویٰ، آپ کے مخالفین سے اظہارِ برأت اور اُن کی تکفیر کا قول اور غلو اور اسلام کا اظہار کرتے ہی حضرت عثمانِ رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ آرائی اور ان پر طعن وتشنیع اور غصب خلافت کے الزام اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ مجلسِ شوریٰ پر اعتراض کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہودیوں نے انتہائی گھناؤنی سازِش کے تحت دو طرف سے اہل اسلام اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا۔

ایک طرف نظریاتی وحدت پارہ پارہ کرنے کی ٹھانی اور دوسری طرف قبائلی تعصب کو ابھارنے اور باہمی آویزش اور ٹکراؤ پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔

بدقسمتی سے اس خبیث الاصل کو صرف جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا گیا' تو اس کو مصر اور بصرہ وکوفہ کے علاقوں میں جو نئے نئے اسلام کے زیر اثر آئے تھے اور وہاں پر غیر مسلموں

کی کثیر تعداد موجود تھی یا نومسلم حضرات کی، جو حقائق وواقعات کا صحیح علم اور ادراک نہیں رکھتے تھے، تو اسے ان علاقوں میں مزید کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا اور سادہ لوح اہل اسلام کو جو ابھی ابھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے، انہیں ورغلانے کا موقعہ ہاتھ لگ گیا، لہٰذا یہ یہودی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلاف اپنی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے بعد دُنیائے کفر نے گھی کے چراغ جلائے، کیونکہ عساکرِ اسلام باہمی حرب قتال میں اُلجھ کر رہ گئے اور عرصہ دراز تک اسلامی فتوحات کا سلسلہ مسدود ہو کر رہ گیا اور اسی باہمی حرب وقتال کے ذریعے اس یہودی کے اختراعی نظریات کی ترویج واشاعت کے لئے راہ ہموار ہو گئی اور فضا سازگار ہو گئی، کیونکہ جب نزاع واختلاف اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچ جائے تو مخالفین کے عیوب ونقائص بیان کرنے سے کون ہچکچاتا ہے اور کم از کم سننے سے لاتعلق رہنا اور بیزار ہونا ممکن نہیں رہتا، لہٰذا اس حوالے سے مخالفین کے حق میں طعن وتشنیع اور ان کی مذمت وملامت شروع کر لی گئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات کے بیان میں مبالغہ آرائی اور تجاوز وافراط سے کام لیا جانے لگا۔

پھر یہیں پر بس نہ کی گئی، بلکہ خلفاء سابقین پر بھی طعن وتشنیع اور تنقید وتنقیص کے لئے راہ ہموار کر لی گئی کہ اگر یہ خلافت فاروقی شوریٰ پر نہ چھوڑتے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نامزد فرما دیتے، تو نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنتے نہ ان کے خلاف شکایات پیدا ہوتیں اور نہ نوبت اس جنگ وجدال تک پہنچتی، لہٰذا حضرت عمر فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کی شوریٰ سے ہی یہ سب خرابیاں پیدا ہوئیں۔ پھر اس سے ترقی کرتے ہوئے خود خلافت فاروقی کو نشانہ بنا لیا اور اس کو محل تنقید وتنقیص بنا کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف طعن وتشنیع کا راستہ ہموار کر لیا کہ انہیں ہی خلیفہ نہیں ہونا چاہیے تھا نہ وہ خلیفہ ہوتے نہ فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) خلیفہ بن سکتے، نہ شوریٰ قائم ہوتی، نہ امیر عثمان (رضی اللہ عنہ) منصبِ خلافت تک پہنچتے اور نہ یہ حالات رونما ہوتے تو گویا ساری خرابی کی جڑ سقیفہ بنو ساعدہ کا اجتماع ٹھہرا، لہٰذا سب کے سب مہاجرین

بھی مجرم اور سب انصار بھی۔ العیاذ اللہ!

الغرض اس طرح مرحلہ وار یہودی سازش نے ان محسنینِ اسلام کے خلاف اذہان کو مسموم کرنے اور ان میں بغض وعناد کا زہر بھرنے کی مذموم وقبیح کوشش کی اور باقاعدہ ایک نیا مذہب تیار ہو گیا، جس پر موالاتِ مرتضٰی کی بظاہر چھاپ ضرور ہے، مگر حقیقت ساری وہی ہے جو عبداللہ بن سبا یہودی کی اختراع ہے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازش ومکروہ چال۔

کیا عبداللہ بن سبا افسانوی شخصیّت ہے؟

علامہ ڈھکو صاحب نے محض اس میں اختلاف کرنے پر اکتفا کیا ہے اور کوئی حتمی فیصلہ ونتیجہ ذکر نہیں کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا ضمیر اس جواب کی صحت اور درستگی کو تسلیم نہیں کرتا' ورنہ اس سے بہتر صورت گلوخلاصی کی اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس ضمن میں جن مؤرخین کے نام گنوائے ہیں' وہ سبھی شیعہ ہیں، جبکہ جواب میں بعض سنّی اور شیعہ مؤرخ کا دعوٰی کیا تھا۔ عین ممکن ہے طٰہٰ حسین کو سنّی قرار دیا ہو، لیکن کون نہیں جانتا کہ وہ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے کسی فرقہ کے تو کجا خود اسلام کے ہمہ وقت پابند تھے' اس لئے اپنے مذہب کی مستند اور معتبر کتب میں مندرج ائمہ کرام کی روایات کے مقابل ایسے مؤرخین کی ذاتی رائے کو پیش کرنا ظلمِ عظیم ہے، لہٰذا اس کا قول ہمارے خلاف نہ حجت نہ الزام اور یہ جواب نہ بُرہانی ہوا اور نہ ہی جدلی۔

رہے شیعہ علماء تو متقدمین سبھی اس کو واقعی اور نفس الامری شخصیت تسلیم کرتے ہیں، البتہ بعض متاخرین شیعہ علماء نے اس کو افسانوی شخصیت قرار دیا ہے اور اس افسانہ کا اختراع کرنے والا سیف بن عمر بتلایا ہے اور اس کو نقل کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کا ذمہ دار ابو جعفر طبری کو ٹھہرایا ہے' لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ شیعی کتب میں امام زین العابدین' امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے اس کے متعلق لعن وطعن اور اس سے برائت اور بیزاری

منقول ہے اور اس کے نظریات وعقائد سے نفرت اور برأت کا اظہار مروی ہے۔
(ملاحظہ ہوں رجال کشی ص ۹۹،ص ۱۰۰،ص ۱۰۱ کی روایات اور تنقیح المقال جلد دوم ص ۱۸۳،ص ۱۸۴)

تو اس کے باوجود بھی اگر اس کو افسانوی شخصیت قرار دیا جاتا ہے' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل تشیع نے ائمہ کرام کے نام پر جتنی روایات بیان کی ہیں' وہ سب افسانے ہیں۔ہم تو بڑی فراخ دلی کے ساتھ پورے شیعی لیڑیچر کو افسانہ ماننے کے لئے تیار ہیں، بلکہ مانتے ہی اس طرح ہیں، لیکن خود شیعہ مذہب کے علماء ذرا سوچیں وہ اس مذہب کا پرچار کس منہ سے کرتے ہیں؟

حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کا اس کے متعلق ارشاد آپ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے قلم حقیقت رقم سے ملاحظہ فرما چکے اور عبداللہ بن سنان نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا اپنے نبی ہونے کا دعوی کرتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خداوند تعالیٰ ہونے کا دعوی کرتا تھا۔ملاحظہ ہو۔(رجال کشی ص ۹۹)

(۱) علامہ کشی کا بعض اہل علم کے حوالے سے عبداللہ بن سبا کو واقعی شخصیت تسلیم کرنا اور اس کا سابق یہودی ہونا بھی رسالہ ''مذہب شیعہ'' کی عبارت میں ملاحظہ کر چکے۔

(۲) علامہ طوسی نے اس کو اپنے رجال میں واقعی شخصیت تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی کہا ''رجع الی الکفر واظہر الغلو ''اس نے کفر کی طرف رجوع کیا اور غلو کا اظہار کیا۔

(۳) صاحب خلاصہ نے بھی اس کے واقعی شخصیت ہونے کا اعتراف کیا اور کہا:

"غال ملعون حرقه امیر المؤمنین کان یزعم ان علیاً اله وانه نبی لعنه الله"

''وہ غالی شیعہ اور ملعون ہے' اس کو امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ نے جلا دیا تھا۔یہ زعم اور عقیدہ فاسدہ رکھتا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خدا ہیں اور وہ خود نبی ہے۔اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔''

ملاحظہ ہو تنقیح المقال ص ۱۸۳، ص ۱۸۴ جلد ثانی اور رجال کشی وحاشیہ ص ۹۹ تا ص ۱۰۱ جس میں ائمہ کرام اور اکابرین علماء شیعہ کی زبانی اس کو واقعی شخصیت تسلیم کیا گیا اور اس کے عقائد ونظریات حتی کہ اس کا انجام بھی بصراحت ذکر کیا گیا ہے، لہذا اس کو افسانوی شخصیت قرار دینا سراسر عجز اور بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ائمہ کرام کی طرف منسوب روایات کے نا قابل اعتبار ہونے کی بین دلیل، جو شیعہ مذہب کے اس دعوٰی کو بیخ وبُن سے اکھیڑ کر پھینک دے گی کہ ہمارا مذہب اہل بیت کرام سے منقول ہے۔

آخر غالی شیعوں کا امام کون ہے؟

جب ائمہ کرام اور اکابر شیعہ کے اقوال سے عبداللہ بن سبا کا واقعی شخصیت ہونا واضح ہو گیا اور اسے افسانوی شخصیت قرار دینے کی لغویت واضح ہو گئی تو اب ایک اور پہلو سے بھی علامہ موصوف کے اس جواب کی لغویت ملاحظہ فرمائیں وہ پہلو یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس کو روایت کرتے ہوئے فرمایا:

"سیهلك فی صنفان محب مفرط يذهب به الحب الی غير الحق ومبغض مفرط يذهب به البغض الی غير الحق"۔

''یعنی عنقریب میری وجہ سے دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا جس کو محبت غلو اور افراط راہ راست سے دور لے جائے گا اور دوسرا بغض اور عداوت کی وجہ میری شان میں تحقیر وتنقیص کرنے والا جس کو یہ بغض وعناد اور تقصیر وتفریط غلط اور ناصواب راہ پر ڈال دے گی۔''

"وخير الناس فی حالا النمط الا وسط"۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۹۸)

''اور میرے متعلق سب سے بہتر حالت اور صحیح راہ پر گامزن وہ ہوگا جو میانہ روی اور اعتدال سے کام لینے والا ہوگا اور افراط وتفریط سے محفوظ ہوگا۔''

لہذا اس فرمان واجب الاذعان کے تحت غالی جماعت کا پیدا ہونا تو لازمی امر ہے اور یہ خبر صادق قطعاً غلط اور خلافِ واقع نہیں ہو سکتی اور خود اثناء عشری شیعہ کو بھی غالی شیعہ کی موجودگی کا اعتراف ہے، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام کو الٰہ اور معبود برحق تسلیم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو اگر اس گروہ اور جماعت کا بانی اور مقتداء و پیشوا عبداللہ بن سبا نہیں، تو پھر اس کے ہیرو اور بانی موجد کی نشان دہی کی جائے کہ وہ کون تھا اور اس کا طریقۂ واردات کیا تھا؟ تو اس کا جواب بھی شیعی کتب سے ملاحظہ فرمائیں:

① علامہ سید نعمت اللہ الجزائری الموسوی المتوفی ۱۱۱۲ھ نے اپنی معروفِ زمانہ کتاب ''انوار نعمانیہ'' میں سبائیہ شیعہ کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ بن سبا یہودی کو اس فرقہ کا مقتداء و پیشوا قرار دیا ہے اور اس کے وہی عقائد و نظریات بیان کیے ہیں جو رجال کشی کے حوالے سے ذکر کیے جا چکے ہیں۔

"قال عبد الله بن سبا لعلی علی السلام انت الا له حقا فنفاه علی الی المدائن وقیل انه کان یهودیا فاسلم و کان فی الیهودیة یقول فی یوشع بن نون وفی موسیٰ مثل ما قال فی علی وقیل انه اول من اظهر القول بوجوب امامة علی ومنه تشعبت اصناف الغلاة"۔

(انوار نعمانیہ جلد ثانی ص ۲۳۴)

''یعنی عبداللہ بن سبا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ہی حقیقت میں اللہ اور معبود برحق ہو، تو آپ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا اور کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا، بعد ازاں اسلام لایا اور یہودی ہوتے ہوئے اس نے حضرت یوشع بن نون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے متعلق جو کچھ کہا، وہی اس نے اسلام لانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا اور کہا گیا ہے کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے وجوب ولزوم کا قول کیا اور اسی سے ہی غالی شیعہ کے جملہ

اوصاف واقسام پیدا ہوئے ہیں۔"

"وقال عبد الله بن سبا ان علیاً علیه السلام لم یمت ولم یقتل وانما قتل ابن ملجم شیطانا تصور بصورة علی علیه السلام فی السحاب والرعد صورته والبرق ضوءه وانه ینزل بعد هذا الی الارض یملاء ها عدلا وهؤلاء یقولون عند سماع الرعد علیك السلام یا امیر المؤمنین"۔

(انوار نعمانیہ جلد ثانی ص ۲۳۴)

"اور عبد اللہ بن سبا نے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے اور نہ ہی قتل کئے گئے ہیں اور ابن ملجم نے ایک شیطان کو قتل کیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت وشکل میں نمودار ہوا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں اور بادلوں کی گرج دراصل انہی کی آواز ہے اور برق دراصل انہی کی چمک ہے اور وہ ایک زمانہ میں زمین کی طرف اتریں گے اور عدل اور انصاف سے بھر دیں گے اور سبائی لوگ بادل کی گرج کے وقت علیک السلام یا امیر المومنین کہتے ہیں۔"

الغرض نعمت اللہ الموسوی المتوفی ۱۱۱۲ھ نے ابن سبا کے وجود کو بھی تسلیم کیا اور اس کے عقائد فاسدہ کو بھی جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ بھی شمار ہے اور ان کی امامت کی فرضیت کا اور ان کے دوبارہ دنیا پر تشریف لانے کا جسے رجعت کہا جاتا ہے اور اس کا جملہ اقسام واصناف غلاۃ کا مقتداء وپیشوا ہونا بھی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ علامہ ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں اس گروہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ تحریر کیا وہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

سوال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے بہت زیادہ معجزات دیکھے لیکن آپ کے حق میں الوہیت وربوبیت کا قول نہ کیا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چند کرامات دیکھ کر آپ کی الوہیت کا

قول کرڈالا، آخراس کا سبب کیا ہے؟

جواب نمبرا:

صحابہ کرام علیہم الرضوان جنہوں نے آپ سے معجزات کا مشاہدہ کیا وہ پختہ ارادے والے تھے اور عظیم عقول واذہان مالک تھے، لیکن ان کے برعکس یہ جماعت ضعیف رائے اور نحیف عقل کی مالک تھی اور اس جماعت نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا صرف آخری دور دیکھا تھا، مثل عبداللہ بن سبا کے اوران کے رفقاء اور ہمنواؤں کے، جن کی بصیرت وفراست کی رکاکت وسخافت اور ضعف وکمزوری کا حال معروف اور مشہور تھا لہذا ان کے متعلق کوئی تعجب نہیں کہ آپ سے سرزد ہونے والے چند کرامات اور خوارق عادات دیکھ کر انہوں نے از روئے سخافت عقل یہ سمجھ لیا ہو کہ آپ میں جوہر الوہیت نے حلول کیا ہوا ہے کیونکہ ان کے خیال میں جوہر الوہیت کے حلول کے بغیر کسی بشر سے ایسے خوارق عادات کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔

جواب نمبر ۲:

"وقد قیل ان جماعة من هؤلاء کانوا من نسل النصاری والیهود وقد کانوا سمعوا من آباءهم و اسلافهم القول بالحلول فی انبیاءهم ورء وسائهم فاعتقدوا فیه علیه السلام ذالك"۔

"اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان غالی شیعوں کی ایک جماعت نصاری اور یہود کی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور انہوں نے اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف سے اپنے انبیاء کرام اور رؤسا کے حق میں جوہر الوہیت کے حلول کا قول سن رکھا تھا لہذا انہوں نے آپ کے متعلق بھی وہی قول کر دیا اور اسلاف کا عقیدہ آپ کے حق میں بھی اپنا لیا۔"

جواب نمبر ۳:

"ویجوز ان یکون اصل هذه المقالة من قوم ملحدین ارادوا ادخال الالحاد فی دین الاسلام فذهبوا الی ذالك"۔
(شرح حدیدی جلد سابع ص ۵۰)

"اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ نظریۂ وعقیدہ دراصل ملحد اور بے دین لوگوں کی طرف سے (اسلام کے خلاف سازش ہو جنہوں نے دین اسلام میں الحاد اور بے دینی کو داخل کرنے کی سازش کی لہذا وہ اس راہ پر چل پڑے۔"

الغرض ابن ابی الحدید کے اس کلام سے واضح ہو گیا کہ صرف ایک عبداللہ بن سبا ہی نہیں، بلکہ ایک پارٹی نے اسلام پر کاری ضرب کے لئے آباء واجداد کی راہ وروِش پر چل کر درجہ بدرجہ اس الحاد اور بے دینی کو اہل اسلام تک پہنچا دیا اور بہت سے مدعیان اسلام ان کے دام تزویر میں پھنس گئے اور اس الحاد و بے دینی اور گمراہی وضلالت کو حقیقی اسلام اور روح ایمان سمجھ بیٹھے، حالانکہ ان یہود ونصاری کا صرف اور صرف یہ مقصد تھا کہ مسلمانی کا روپ اختیار کر کے اہل اسلام میں گھس جاؤ اور ان میں ایسے عقائد اور نظریات کو جاری کرو اور انہیں رواج دو کہ بظاہر مسلمانی کا دم بھرنے کے باوجود حقیقت میں صرف یہودی ہی ہوں یا نصرانی یا ان سے بھی بدتر۔

مجوسی سازش اور فرقہ اسماعیلیہ کی ابتدا:

اسلام اور اہل اسلام کے خلاف دشمنان اسلام کی ایسی ہی تدابیر وسیسہ کاریوں کا اثنا عشری شیعہ بھی اقرار اور اعتراف کرتے ہیں چنانچہ سید نعمت اللہ الجزائری الموسوی نے شیعہ کے معروف فرقہ اسماعیلیہ کے عقائد ونظریات پر بحث کرتے ہوئے کہا:

"واصل دعواهم الی ابطال الشرائع ان العبادية وهم طائفة من المجوس راموا عند قوة الاسلام تاويل الشرائع على وجوه تعود

ان کا اصل مدعا ومقصود شرعی عقائد واحکام کو باطل ٹھہرانا ہے، عبادیہ جو مجوسیوں اور ایرانی آتش پرستوں کی جماعت تھی انہوں نے

الی قواعد اسلافهم وذالك انهم اجتمعوا وتذاكروا ما كان عليهم اسلافهم من الملك وقالوا لا سبيل لنا الی دفع المسلمين بالسيف لغلبتهم علی الممالك لكن نحتال بتاويل شرائعهم الی ما يعود الی قواعد ناو نستدرج به الضعفاء منهم فأن ذالك يوجب اختلافهم واضطراب كلمتهم ورأسهم فی ذالك حمدان قرمط"۔

(انوار نعمانیہ ص۲۴۳ ج۲)

اسلام کے غلبہ اور قوت حاصل کر لینے کے بعد شریعت کی ایسی تعبیر اور تشریح کا عزم مصمم کیا، جس کے ذریعے وہ اسلام کے عقائد ونظریات اور احکام واعمال کو اپنے اسلاف کے اصول وقواعد پر منطبق کر دیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ اور مجلس مذاکرہ منعقد کی اور اپنے اسلاف کی حکومت وسلطنت اور عظمت ورفعت کا ذکر کیا۔

(اور موجودہ پستی اور غلامی کا) اور کہا کہ ہمارے لئے بزور شمشیر اہل اسلام کو اس علاقہ سے باہر نکالنے کی قدرت وطاقت نہیں کیونکہ وہ بہت سے ممالک پر غالب آچکے ہیں (اور عظیم قوت اور نا قابل تسخیر طاقت بن چکے ہیں) لیکن اگر کوئی حیلہ گری اور چارہ سازی ہے، تو صرف یہ ہے کہ ان کی شریعت کی تعبیر وتشریح ایسی کریں جو اسلام کو ہمارے اصول وقواعد کی طرف لوٹا دے اور ان پر منطبق کر دے اور اس طرح آہستہ ضعیف العقل اور ضعیف العقیدہ لوگوں کو اسلام کی صحیح راہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہماری اس چال اور حیلہ گری سے ان میں لازمی طور پر ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گی اور اس کا اصل بانی اور اس جماعت کا سرغنہ حمدان قرمط تھا۔

نوٹ:

علامہ جزائری صاحب نے عبادیہ مجوسیوں کے متعلق اسلام کے خلاف حیلہ گری اور سازش کا تذکرہ کیا اور ان کی منصوبہ بندی بیان کی ہے لیکن مقام غور ہے کہ جس طرح مجوسیوں کے دلوں میں اسلام کی ترقی اور اہل اسلام کی فتوحات سے آگ لگی ہوئی تھی۔ کیا

یہود نصاریٰ کے دلوں میں یہ آگ نہیں بھڑکی ہوگی اور انہوں نے اپنی حکومت وسلطنت کے ختم ہوجانے اور عظمت ورفعت کے خاک میں مل جانے کو ٹھنڈے دل سے قبول کرلیا ہوگا اور اسلام کے آفتاب کے نصف النہار پر چمکنے کو حسد وبغض کی نظروں سے نہیں دیکھا ہوگا۔ یقیناً یہ آگ سب دشمنان اسلام کے قلوب میں برابر لگی ہوئی تھی اور ایران وفارس میں اگر مجوسی لوگ سازشوں میں مصروف تھے تو عراق وشام اور فلسطین ومصر میں یہود ونصاریٰ سرگرم عمل تھے اور اسلام کو مٹانے میں تب بھی متفق تھے اور اب تک بھی اسی راہ پر گامزن ہیں اور ملت واحدہ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک طرف عبداللہ بن سبا یہودی اینڈ کمپنی اسلامی نظریات پر حملہ آور تھی اور دوسری طرف عبادیہ مجوسی اور اگر شیعی عقائد ونظریات پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہ سراسر یہودیت اور مجوسیت وغیرہ کا ہی ملغوبہ نظر آتے ہیں اور اہل اسلام کی فریب دہی کے لئے ان میں تھوڑی تھوڑی تبدیلی کرلی گئی ہے اور انہیں اسلام سے دور کرتے ہوئے عقیدۂ امامت سے عقیدہ الوہیت تک پہنچادیا اور لف حریر کے تکلف کے بعد محارم یعنی ماں، بہن اور بیٹی تک کو حلال ٹھہرادیا اور لواطت بھی حلال کردی۔ بعض نے صرف بیویوں کے ساتھ اور بعض نے بلاتخصیص اور زنا کو بھی حلال قرار دے دیا' مگر متعہ کا نام استعمال کرکے اور اس میں تعداد اور گواہوں کی پابندی ختم کرکے۔

الغرض بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ فرقہ اسلامی فرقہ نہیں' بلکہ مذہب کی آڑ میں اسلام سے سیاسی انتقام کی بھیانک سازش ہے اور اسلام واہل اسلام کو نیست ونابود کرنے کا ناپاک منصوبہ جس کو نہ اہل بیت کرام سے تعلق اور نہ ان کی سیادت وقیادت سے بلکہ محض اپنے قلبی غیظ وغضب کو سامان تسکین مہیا کرنے سے غرض ہے اور صرف زبانی زبانی اسلام کا نام لینے والے یہودی اور مجوسی تیار کرنے سے غرض ہے' جس میں بدقسمتی سے وہ کافی حد تک کامیاب ہوگئے اور اسلام کی قوت وطاقت کو اہل اسلام میں باہمی آویزش اور اختلافات کے ذریعے ضعیف وناتواں کردیا اور وحدت ملی کو پارہ پارہ کرکے اس کی روزافزوں ترقی کو روکنے

میں اور اپنے قلوب کو سامان تسکین وراحت پہنچانے میں فائز المرام ہو گئے۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔اے کاش! علماء شیعہ یہود مجوس کی اس سازش کا خود تذکرہ کرنے کے بعد اس سے عبرت بھی حاصل کرتے اور اس دام تزویر کو تار تار کر کے اس سے باہر آجاتے اور حقیقت کے اعتراف میں فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے اور تلافی مافات کرتے مگر ایں کاریست کہ موقوف ہدایت باشد۔

عبداللہ بن سبا یہودی اور صاحب ناسخ التواریخ:

قبل ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے قلم حقیقت رقم سے ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۴ کی عبارت ملاحظہ فرما چکے اور اس کی طرف سے مذہب رجعت عقیدہ خلافت بلافصل اور وصی رسول اللہ کا عقیدہ رائج کرنے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کی تفصیل ملاحظہ کر چکے۔اب اس کے اور اس کی جماعت کے عقائد کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں اور ان کو اہل تشیع کے مذہب پر منطبق کر کے دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ آیا اس مذہب کا بانی موجد یہی عبداللہ بن سبا ہے یا نہیں ہے؟

﴿۱﴾ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو رمضان المبارک میں دن کو کھا پی رہے تھے،تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم بیمار ہو یا مسافر؟ تو انہوں نے کہا بالکل نہیں۔آپ نے فرمایا تم اہل کتاب میں سے ہو؟ اور ذمی ہو؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔تو آپ نے فرمایا پھر رمضان المبارک میں کھانے پینے کا تمہارے لئے کیا جواز ہے؟ تو اس جماعت کے رہنما نے کہا:

عبد اللہ بن سبا کہ از مردم غالی اول کسی است گفت انت انت وازیں قصد کرد کہ توئی خدا وند یزداں و آفرینندہ انس وجاں۔	یعنی عبداللہ بن سبا جو غالی شیعوں کا مقتدا اور پیشوا تھا اس نے کہا تو تو ہے یعنی تو خداوند مہربان ہے اور خالق انس وجان ہے۔

آپ نے اس کا مقصد سمجھ لیا تو فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگا کر زمین پر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو گئے اور پھر سر مبارک کو اٹھا کر فرمایا تمہارے لئے ہلاکت ہو، میں تو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک عام بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اسلام کی طرف واپس آؤ۔

الغرض آپ نے ان کو اپنے ہمراہ لے جا کر اسلام میں داخل ہونے اور ان کفریہ عقائد سے توبہ کرنے کی بہت تلقین کی لیکن انہوں نے ذرہ بھر اثر قبول نہ کیا، پھر آپ نے مجبور ہو کر انہیں آگ میں جھونک دینے کا حکم دیا، مگر اس جماعت نے آگ کے تنوروں میں جھونکے جانے پر بھی اور آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر بھی یہی نعرہ بلند کیا "الآن ظهر لنا ظهورا بينا انك انت الاله"۔ اب ہمیں پہلے سے بھی زیادہ وثوق اور یقین کامل حاصل ہو گیا ہے کہ واقعی تم الہ اور معبود برحق ہو کیونکہ آپ کے چچازاد بھائی جنہیں آپ نے رسول بنا کر بھیجا تھا ہمیں بتایا تھا "لا يعذب بالنار الا رب النار" کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا صرف آگ کے مالک اور خالق کا ہی کام ہے تم نے ہمیں آگ کے ساتھ عذاب دیا ہے۔ لہذا تمہارا خالق و مالک اور الہ برحق ہونا ہم پر پوری طرح واضح ہو گیا ہے، چنانچہ جل کر خاکستر ہو گئے مگر اس عقیدہ پر ثابت قدم اور مستحکم رہے انہیں دو گڑھوں میں جل مرنے کی حسرت میں شیعی شاعر نے کہا ہے:

لترم بی المنية حيث شاءت　　اذا لم ترم بی فی الحفرتين

اذا ما حشت احطب النار　　فذاك الموت نقدا غير دين

"اب موت مجھے جدھر چاہے پھینکے، جبکہ اس نے مجھے ان دو گڑھوں میں نہیں پھینکا، جبکہ وہ جلتی اور بھڑکتی لکڑیوں کے ساتھ بھرے جا چکے تھے، تو وہ موت نقد تھی نہ کہ ادھار۔"

{۲} وہ جماعت جل گئی (جس کی تعداد بقول علامہ کشی وغیرہ ستر تھی) مگر ان کے پیرو مرشد عبداللہ بن سبا نے جب مقصود مدعا پر پانی پھرتا دیکھا اور سازش و حیلہ گری کو ختم ہوتے دیکھا تو توبہ کا اظہار کر کے جان بچانے کی ٹھانی اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی

مرتضی رضی اللہ عنہما کے دیگر مقربان خاص کو اپنا سفارشی بنالیا۔ چنانچہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اس کی توبہ قبول کی اور اسے رہا کرنا منظور فرمایا کہ وہ ان کے ساتھ کوفہ شہر میں رہائش پذیر نہیں ہوگا بلکہ مدائن کی طرف چلا جائے گا، چنانچہ وہ کوفہ سے مدائن کی طرف منتقل ہوگیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو عبداللہ بن سبا نے پھر سابقہ عقائد کا پرچار شروع کر دیا اور کافی لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کرلیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نیا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ اگر ان کا دماغ ستر تھیلیوں میں میرے سامنے حاضر کرو، تو پھر بھی میں قطعا ان کی وفات کا یقین نہیں کروں گا۔ "لعلمنا انه لم یمت ولا یموت حتی یسوق العرب بعصاه "۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ وہ نہ فوت ہوئے ہیں اور وہ نہ فوت ہوں گے، حتی کہ تمام اہل عرب کو اپنے زیرفرمان لائیں گے اور ان پر حکمرانی فرمائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عبداللہ بن صبرہ ہمدانی عبداللہ بن عمرو بن حرب الکندی اور اس قسم کے بڑے بزرگ لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔

"وسخن ایشاں دربلاد وامصار رفت ومردمان درشك شبه افتادند"	"ان لوگوں کے اقوال اور وسوسے دور دراز شہروں اور علاقوں تک جاپہنچے اور لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگئے۔"

بعض نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی غیبی خبروں کو سن کر اور واقعیت کا مشاہدہ کر کے اور بعض نے خیبر کا دروازہ اکھیڑنے اور اس کا یہ سبب بیان کرنے سے:

"ما قلعت باب خیبر بقوة جسدانية بل بقوة الهية "۔	"کہ میں نے باب خیبر کو جسمانی قوت سے نہیں بلکہ قوت الٰہیہ سے اکھیڑا ہے۔"

یہ عقیدہ اپنالیا کہ آپ کے اندر اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہوا ہے اور بعض نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے آپ کی الوہیت کی طرف اشارہ سمجھ لیا" وحده صدق وعده نصر عبده وهزم الاحزاب وحده"۔ وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کردیا۔ اپنے عبد

خاص کی امداد ونصرت فرمائی اورا کیلے عسا کر کفار کو شکست دی، کیونکہ غزوۂ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی عمرو بن عبدود کو قتل کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح امداد فرمائی، لہذا ان کلمات طیبات کا (مقصد ومطلب اپنی کج فہمی اور کورمغزی سے یہی سمجھ کر ان کا) مصداق حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو بناڈالا (الغرض الوہیت مرتضی رضی اللہ عنہ پر اس طرح کے دلائل قائم کر لئے گئے اور ان عقائد کا پرچار خفیہ انداز میں جاری رہا اور اس طرح ایک جماعت تیار ہوگئی، جن کو سبائیہ کہتے ہیں، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا وصال نہیں ہوا، بلکہ وہ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے ہیں اور یہ گرج وچمک انہیں کی آواز ہے اور یہ گروہ جب گرج کی آوز سنتے ہیں تو کہتے ہیں: السلام علیک یا امیر المومنین۔

﴿۳﴾ اس سبائی جماعت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان بھی باندھا کہ اللہ تعالی نے جو کچھ وحی نازل فرمائی تھی، اس میں سے صرف دسواں حصہ آپ نے ظاہر فرمایا اور نو حصے اپنی صواب دید کے مطابق چھپالئے تھے۔

''گفتند آنچہ خدا خداوند بدووحی فرستاد از دہ یکے را ظاہر ساخت ونہہ دیگر بصلاح دید خویش پوشیدہ داشت۔''

(نوٹ) سبائی غالیوں کے اس نظریہ کو اثنا عشریہ کے اس عقیدہ کے ساتھ ملا کر دیکھیں:

"تسعة اعشار الدین فی التقیة" دین کا نوے فیصد حصہ تقیہ میں ہے تو روز روشن کی طرح حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ابن سبا کے اس نظریہ کو تمام شیعہ فرقوں نے دل وجان سے قبول کر رکھا ہے۔اصول کافی میں شیعہ کے محدث کبیر کلینی نے دین کے نوے فیصد حصہ کو تقیہ میں منحصر مان کر اس سبائی نظریہ کو اہل تشیع کا اجماعی عقیدہ بناڈالا ہے اور اسے صرف امت تک محدود نہیں رکھا، بلکہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا۔

﴿۴﴾ غالی شیعوں اور سبائی نظریات کے حاملین نے مزید قدم آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ تمام اولاد علی میں اللہ تعالی نے حلول کیا ہوا ہے العیاذ باللہ۔

﴿۵﴾ بعض نے تناسخ کا نظریہ اپنالیا اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا ہی انکار کر دیا۔

﴿۶﴾ انہیں میں سے اسحاق بن زید بن حارث تھا جس نے نظریۂ اباحت کو جاری کیا اور تکالیف شرعیہ یعنی فرائض و واجبات کی پابندی اور محرمات شرع یعنی زنا ولواطت وغیرہ سے اجتناب کی پابندی ختم کر دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب رسالت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک اور حصہ دار تسلیم کرتا تھا۔

﴿۷﴾ صاحب ناسخ کہتا ہے کہ انہیں غالیوں میں سے اب بھی ایران کے اکثر مقامات پر موجود ہیں جو آگ پر چلتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم ص ۴۷۴ تا ۴۷۶)

الغرض رجعت، تقیہ، خلافت بلا فصل، وصی رسول ہونا تولی و تبری کے عقائد ونظریات نیز حلول واتحاد کا عقیدہ نماز وروزہ وغیرہ کی فرضیت کا انکار اور زنا ولواطت وغیرہ کی حرمت والی پابندیوں سے خلاصی و آزادی کا موجد اور بانی عبداللہ بن سبا ہے اور اس کے چیلے اور پیروکار اور یہی عقائد ونظریات مذہب شیعہ کی روح ہیں اور ہر شیعی فرد کسی نہ کسی رنگ میں ابن سبا کے دام تلبیس وتزویر میں گرفتار ہے۔

لہذا اب اس کو افسانوی شخصیت قرار دے کر اس الزام سے بچنے کی ناکام کوشش کرنا ''کہ مذہب رفض اور تشیع دراصل یہود کی پیداوار اور ایجاد واختراع ہے۔'' کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ عذر قابل قبول ہے، بلکہ یہ اٹل حقیقت ہے اور علامہ ڈھکو کے اسلاف نے ہی اس کی راہ فرار مسدود کر دی ہے، لہذا اس کی یہ سعی قطعا کارآمد ثابت نہیں ہوسکتی۔

عبداللہ مامقانی اور ابن سبا:

اہل تشیع کے چودھویں صدی کے عظیم محقق اور مصنف شیخ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال ص ۱۸۳ تا ۱۸۴ ج ۲ میں اکابرین علماء شیعہ کی تصریحات نقل کر کے اس کے حسب ونسب اور اصل ونسل کو بھی تسلیم کیا اور علامہ کشی کے حوالہ سے ائمہ کرام سے اس کے متعلق

منقول روایات کونقل کیا اور اس کے نظریات فاسدہ اور عقائد باطلہ کو بیان کیا اور ایک جملہ بھی ایسا ذکر نہیں کیا، جس سے ابن سبا کے افسانوی شخص ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہو، تو آخر علامہ ڈھکو صاحب کا کیا خیال ہے کہ یہ سبھی شیعی مصنفین جاہل، بدھو، کورے، کودن اور احمق ہیں اور انہیں تحقیق وتدقیق سے کوئی نسبت اور تعلق نہیں ہے، صرف علامہ ڈھکو صاحب اور طہ حسین وغیرہ ہی محقق اور مدقق ہیں۔ **یا للعجب**۔

عقیدہ رجعت کا بانی کون تھا؟

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۴ سے طویل ترین عبارت نقل کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ وصی رسول اللہ اور خلیفہ بلا فصل اور رجعت وغیرہ کے شیعی عقائد کا موجد اور اس مذہب کا عبداللہ بن سبا یہودی ہے، جس کے جواب میں علامہ موصوف نے صرف یہ کہہ کر گلوخلاصی کی کوشش فرمائی کہ ہمیں متعلقہ مقامات میں کہیں اس عبارت کا سراغ ہی نہیں ملا۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ موصوف کو اپنی مسلکی اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں اور نہ کسی کتاب کے حوالے تلاش کرنے کی اہلیت ہی ہے ورنہ جو کتاب یا تاریخ ہر ہر سال کے سلسلہ وار واقعات پر مشتمل ہو۔ اس میں سے ۳۵ھ کے واقعات کی تلاش کیونکر دشوار ہو سکتی تھی اور یہ عبارت نظروں سے اوجھل کیسے رہ سکتی ہے؟ مقام حیرت ہے کہ علامۃ العصر اور محقق دوران اور مجتہد وقت ہونے کا مدعی اور حجۃ الاسلام کا لقب اپنے لئے مخصوص ٹھہرانے والا اتنی لیاقت بھی نہیں رکھتا کہ ۳۵ھ کے واقعات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش اور ان کی شہادت کے علل واسباب کو اپنے مذہب کی تاریخی کتاب سے تلاش کر سکتا بریں عقل ودانش بباید گریست۔

الحاصل کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۴ ذکر پدید آمدن مذہب رجعت در سال سی وپنجم ہجری'' کا عنوان قائم کر کے ابن سبا کے کردار کو واضح کیا گیا ہے اور مزید تفصیلات جلد سوم، کتاب دوم ص ۴۷۴ تا ص ۴۷۶ پر موجود ہیں۔ صاحب ناسخ نے

(پدید آمدن) کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا کہ عقیدہ رجعت پینتیس ہجری سے قبل ظاہر اور نمایاں نہیں تھا۔ اگر قرآن مجید اور سید الانبیاء ﷺ نے اس کو ارکان اسلام وایمان میں داخل فرمایا ہوتا تو دور نبوت ورسالت میں ہی اس کا ظہور ہو چکا ہوتا اور آپ کے وصال شریف کے پچیس سال بعد حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول پر قیاس کر کے اس نظریہ کے اختراع وایجاد کی ضرورت نہ پڑتی۔ لہذا اصاف ظاہر کہ اس عقیدہ کا موجد اور مخترع عبد اللہ بن سبا یہودی ہی تھا اور بعد ازاں اس کے متبعین نے اس کو نہ صرف بالا جماع اور بالا تفاق قبول کر لیا، بلکہ اسے شیعہ مذہب کی روح اور جان تسلیم کر لیا اور اس کے منکر کو دین تشیع سے خارج قرار دے دیا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا مقصد اس طویل اقتباس سے صرف اس قدر تھا کہ مذہب شیعہ کا بانی کون ہے؟ اور اس کے بنیادی عقائد کس نے ایجاد کئے؟ اور کس وقت ان کا اختراع شروع ہوا اور آپ نے شیعی کتب رجال کشی اور ناسخ التواریخ کے حوالہ جات سے یہ پتہ بتلا دیا اور کھوج لگا دیا اور ہر شخص بخوبی اور بآسانی یہ حقیقت سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ ونظریہ بانی اسلام اور قرآن نے جاری کیا ہوتا تو ہجرت کے پینتیس سال تک اس کا پردہ خفا میں ناممکن تھا اور ایک یہودی نژاد مسلم نما کو اس کی اشاعت پر زور نہ لگانا پڑتا' جب بانی کا اتا پتہ اور اس کا اصل معلوم ہو گیا تو بناء کا حال خود واضح ہو گیا۔

قیاس کن گلستان من بهار مرا

لہذا ڈھکو صاحب کو عبارت تلاش کرنی چاہیے تھی اور اگر نہیں مل رہی تھی، تو جیسے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا تھا اگر حوالہ جات نہ مل سکیں تو سیال شریف آئیں ہم حوالے دکھلانے کے ذمہ دار ہیں' آپ سے رابطہ پیدا کر لیا جاتا' اور یہ عذر بارد اور کھوکھلا بہانہ کر کے اپنے لئے رسوائی کا سامان نہ کیا جاتا؟

کس نظریہ پر اس کے قائلین عقلی ونقلی دلائل قائم نہیں کرتے؟

علامہ موصوف نے جوابات کی تیسری شق میں کہا کہ پیر صاحب آف سیال شریف

نے ہمارے عقیدہ رجعت کی رد کرنا چاہی ہے' حالانکہ یہ عقیدہ عقلی ونقلی دلائل سے ثابت ہے' حضرت قبلہ پیر صاحب رحمہ اللہ تعالی نے اس کے فساد و بطلان پر نہ دلائل دیئے' نہ ان کا یہ مقصد تھا آپکا مقصد تھا اس کے موجد و بانی کی حقیقت بتلانا' مگر علامہ موصوف اس طرف سے تو عاجز و قاصر ہو گئے اور نیا رخ اختیار کر لیا کہ یہ عقیدہ بے شمار دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے۔ آخر دنیا میں کونسا ایسا باطل سے باطل نظریہ جاری ہوا' جس کے بانیوں نے اس پر عقلی اور نقلی دلائل قائم نہ کئے جو حضرات مذہب شیعہ کو باطل سمجھتے ہیں، انہوں نے بھی عقلی اور نقلی دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں اور جو حق سمجھتے ہیں' انہوں نے بھی اتنی ضخیم کتابیں لکھ ماری ہیں کہ مجتہد العصر کے مدعی ہونے کے باوجود حوالہ بھی تلاش نہیں کر سکتے۔ لہذا محض عقلی ونقلی دلائل موجود ہونے کا دعوی کوئی وزن نہیں رکھتا۔

جو شخص بھی ایک نظریہ قائم کرتا ہے' اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی علت موجبہ اور سبب باعث ہوتا ہی ہے جیسے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے "لكل ضلالة علة" ہر گمراہی کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے، اور عبداللہ بن سبا بھی معمولی آدمی نہیں تھا، وہ کتب سابقہ کا ماہر بھی تھا اور قرآن مجید کا بھی۔ اسی لئے اس نے آیت کریمہ کو بطور دلیل پیش کر کے یہ عقیدہ جاری کیا اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب کے دلائل کی نسبت اس کی دلیل زیادہ واضح اور وقیع نظر آتی ہے۔ علامہ ڈھکو کا اسے اپنے دلائل میں جگہ نہ دینا سراسر ناانصافی اور احسان ناشناسی ہے۔ ہاں البتہ اسے ذکر نہ کرنے کا موجب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم صرف ابن سبا کی تقلید پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ اس کی نگاہ کرم سے خود مجتہد بن چکے ہیں اور نئے نئے دلائل پیش کر سکتے ہیں' جہاں تک ابن سبا کا ذہن رسا بھی نہیں پہنچا تھا۔

پدر نتواند پسر تمام خواہد کرد۔

کس کی رجعت کا اعتقاد رکھا جائے؟

ناسخ التواریخ سے خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ تشریف لانا آپ ملاحظہ فرما چکے اور

ظاہر ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام صرف زیارت کرانے نہیں آئیں گے بلکہ اسلام کے مبلغ اور خلفاء اسلام میں سے ایک خلیفہ کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو جب ان پر قیاس کرتے ہوئے سید عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ تشریف آوری کا عقیدہ اپنایا گیا ہے تو حکومت وسلطنت اور حدود وقصاص کا معاملہ آپ کے ہاتھ میں تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

لیکن ''انوار نعمانیہ'' میں نعمت اللہ الجزائری کہتے ہیں کہ سبائیہ نے یہ عقیدہ اپنا رکھا ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بادلوں سے نزول فرماویں گے اور ساری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے "وانه ینزل بعد هذا الی الارض و یملاء ها عدلا" تو اس طرح دونوں حضرات کی رجعت بھی اور ان کا حکمران اور متصرف ہونا ثابت ہو گیا۔

علاوہ ازیں حضرت محمد بن حنفیہ' حضرت جعفر صادق اور حضرت موسی کاظم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دوبارہ تشریف آوری اور حکمرانی کا قول بھی ثابت ہے اور یہ بھی دعوی ہے کہ اصل حکومت تو حضرت مہدی کی ہوگی۔ یہ حضرات صرف ان کے ہاتھوں میں مظلومان اہل بیت کی دادرسی اور ظالموں کے خلاف انتقامی کاروائی دیکھنے کے لئے تشریف لائیں گے' تو آخر اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کسی کی رجعت کا عقیدہ رکھا جائے اور کسی حیثیت میں وہ رجعت تسلیم کی جائے۔

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ما

یوم الدین اور یوم الجزاء کون سا ہے؟

قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ایک ہی قیامت ثابت ہوتی ہے اور جمہور اہل اسلام بھی ایک ہی قیامت کے قائل ہیں اور ۲۵۰ھ تک سب اہل اسلام کا یہی عقیدہ ونظریہ رہا۔ اہل اسلام کو یوم الدین یوم الجزاء یوم الحساب اور الساعۃ وغیرہ سے تعبیر کرتے تھے اور کفار ومشرکین اس کا شدومد سے انکار کرتے تھے مگر قرآن مجید نے کفار ومشرکین کے بار بار ردوقدح کے باوجود کہیں بھی صراحت کے ساتھ اس دوسری قیامت اور دوسرے یوم جزاء کا ذکر نہیں کیا۔ لہذا تمام اہل اسلام کے اجماع واتفاق کے برعکس اور قرآن مجید کے ایک یوم

الدین اور یوم الحساب کے اعلان کے برخلاف ایک یہودی کی تقلید واتباع میں اس عقیدہ رجعت کا اقرار واعتراف کسی مدعی اسلام کو زیب نہیں دیتا۔

الحاصل فی الحال ہمارا مدعا ومقصود اس قدر تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے شیعہ مذہب کے بانی کی نشان دہی میں جو کچھ فرمایا' وہ بالکل برحق تھا اور واقع کے مطابق اور اسی کتاب کے انہیں صفحات پر موجود تھا جن کا حوالہ رسالہ مذہب شیعہ میں دیا گیا تھا اور اس نے کسی سنی عالم کا یہ قول بھی نقل نہیں کیا' بلکہ اپنی تحقیق وتدقیق بیان کی ہے اور مذہب رجعت کے ظہور پذیر ہونے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش اور مکر وفریب نیز خلافت بلافصل اور وصی وغیرہ کے عقائد کی ایجاد واختراع میں عبداللہ بن سبا کی مساعی ذمیمہ بیان کی ہیں اور جب بانی کی حقیقت اور حیثیت معلوم ہوگئی' تو اس کے تیار کردہ نظریات کا حال بھی واضح اور عیاں ہوگیا' اس پر مزید رد وقدح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہماری رائے یہی ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب اتنے بے خبر اور نااہل نہیں ہو سکتے کہ اپنے مذہب کی اہم کتاب میں سے اتنا واضح اور آسان حوالہ بھی معلوم نہ کر سکیں بلکہ آپ نے تقیہ سے کام لیا اور جھوٹ بول کر ثواب بھی کمایا اور جواب دہی کی تکلیف سے سہل انداز میں دامن بچایا۔ اگر تسلیم کر لیتے کہ واقعی ہماری کتابوں میں ہمارے اکابر نے تصریح کر دی ہے کہ عبداللہ بن سبا ہی اس نظریہ کو رواج دینے والا ہے جس پر مذہب شیعہ کا دار ومدار ہے تو پھر سارے مذہب کا ستیاناس ہوتا تھا، تو اگر ایسے مشکل مقامات پر تقیہ کام نہ آئے تو اسے جاری کرنے کا فائدہ ہی کیا؟

علامہ ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق:

علامہ موصوف نے عبداللہ بن سبا کے مذہب شیعہ کا بانی ہونے کی نفی میں یہ انوکھی منطق استعمال فرمائی کہ ہر مذہب والے اپنے مقتداء وپیشوا کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں' جبکہ ہماری کتب رجال میں ہر جگہ اس کو کافر بے دین اور ملحد وزندیق قرار دیا گیا ہے، لہذا وہ ہمارا

مقتداء کیونکر ہوسکتا ہے؟ مگر یہ جواب سراسر غلط اور نا قابل اعتبار و التفات ہے۔

① ہم نے شیعی کتب کے حوالہ جات سے اس کو مذہب شیعہ کا بانی ثابت کیا ہے نہ کہ محض اثناء عشریہ کے نظریات کا لہذا اگر شیعہ کے بائیس فرقوں میں سے ایک فرقہ اس کی مذمت کرتا ہے، تو اس سے یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ سب شیعہ فرقے اس کی مذمت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم نہیں کرتے۔ ابھی ناسخ التواریخ کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ غالی شیعوں کے نزدیک ان دو گڑھوں کی اور ان میں جل مرنے کی کیا اہمیت ہے اور انہیں سعادت کے حصول کی کس قدر حسرت ہے، جن میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں کو جلا دیا تھا۔ جب گڑھے اس قدر عزیز ہیں، تو وہ لوگ ان کی نظروں میں کتنے عظیم ہوں گے اور پھر ان کا امام و پیشوا اور رہنما کس قدر معزز اور مکرم ہوگا اور ایک گروہ اسی کے نام کی مناسبت سے کہلاتا ہی سبائیہ ہے، لہذا ابن سبا کے مذہب شیعہ کا بانی ہونے کی نفی اس بودے اور بیہودہ جواب سے نہیں ہوسکتی۔

② علاوہ ازیں ہوسکتا ہے کہ آپ اس کا نام بدل کر دوسرے نام سے اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہوں تا کہ حق نعمت بھی ادا ہو جائے اور اہل السنّت کے طعن و تشنیع سے بھی کسی قدر تحفظ حاصل ہو جائے جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے مجوسی ابولولؤ کا نام بدل کر بابا شجاع الدین کہہ کر اس کا عرس اور میلہ منانا شروع کر دیا گیا اور اس کے حضور ہدیۂ تشکر اور گلہائے عقیدت پیش کئے جانے لگے اور آپ کے اہل مذہب کے لئے یہ ادنی کرشمہ ہے۔

③ نیز یہ عذر وہ شخص کرسکتا ہے جو اصول و قواعد کا پابند ہو اور شیعہ مذہب میں افراط و تفریط اور نشیب و فراز کا سلسلہ ہی ایسا ہے کہ محسن اور غیر محسن میں امتیاز روا ہی نہیں رکھا جاتا۔ جی چاہے تو مجوسی کو بابا شجاع الدین بنالیں اور اس کے عرس اور جشن منائیں اور جی میں آجائے تو آگ کی پرستش سے بچانے والے اور خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز

کرنے والے زرتشت کی جگہ رسول معظم ﷺ کی غلامی میں لانے والے اور زرتشتی ویدوں کی بجائے کلام اللہ شریف کی تلاوت کا شرف بخشنے والے حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کو دین سے خارج قرار دے دیں اور گالی گلوچ اور سب وشتم کے بغیر ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں

یہاں الٹی گنگا بہتی ہے' ہر چیز یہاں کی الٹی ہے۔

۴ نیز تقیہ بھی ایسے ہی مواقع کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ اس قائد اور ہیرو کی قیادت وسیادت کا برملا اعتراف کرتے ہیں' تو مذہب کا سارا کھیل ہی بگڑتا ہے کیونکہ اس کی اصل اور نسل یہود سے جا ملتی ہے' لہذا اس کا تذکرہ چھوڑ دینے میں ہی عافیت سمجھی' بلکہ زبانی زبانی اس کی مذمت کر دی' خواہ دل اس کی یاد اور محبت والفت سے معمور ہی کیوں نہ ہو۔

پچھلے اوراق میں متعدد حوالہ جات آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں' جہاں ائمہ کرام نے خلفاء راشدین کی تعریف کی ہے' مگر وہاں شیعہ علماء ان ممدوحین کی مدح وثناء کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور شیعہ راویوں کے حق میں یہودی، نصرانی' مجوسی اور تثلیث کے قائلین سے بدتر وغیرہ کے الفاظ ائمہ کرام کی زبانی منقول ہیں' مگر ان کو اس مذہب کا ہیرو اور بانی قرار دیا جاتا ہے' اس لئے نہ تمہاری مدح مقتداء ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ تمہاری مذمت' مقتداء ہونے کی نفی کر سکتی ہے۔ یہ صرف وہاں کا پیمانہ اور معیار ہو سکتا ہے جہاں پر زبان اور ضمیر میں یکسانیت ہو اور قول وعقیدہ میں وحدت ہو' مگر بدقسمتی سے شیعہ مذہب اور اس کے پیروکار اس خوبی اور صفت کمال سے کوسوں دور ہیں۔

۵ نیز ابن سبا نے خلافت بلافصل اور وصی رسول اور رجعت کے عقیدہ سے آغاز کیا تھا اور اس کی آخری منزل حلول واتحاد تھا اور وہ درجہ بدرجہ یہودیت اور نصرانیت کی طرف لے جا رہا تھا۔ اثناء عشریہ اس کا مکمل ساتھ نہ دے سکے اور جس بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام پر وہ لے جانا چاہتا تھا' اس کے اہل نہ نکلے اور اس کے دشمن بن گئے' مگر ابتدائی تعلیمات سے فیض یاب

ہونے کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا' بس صرف اتنا قدر ثابت ہوا کہ آپ اس کے مرید کامل اور تلمیذ ارشد نہ بن سکے۔ اسی لئے آپ کے اکابرین نے اس کے متعلق کہا" عبد الله بن سبا الذی رجع الی الکفرو اظهر الغلو" (تنقیح المقال، ص۱۸۳ تا ۱۸۴) عبداللہ بن سبا (امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھا) بعد ازاں کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا' لہذ اصاف ظاہر ہے کہ جب تک حلول واتحاد کا قول ائمہ کے حق میں نہیں کیا تھا اور اپنے نبی ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا' تمام فرقے اہل تشیع کے اس کو ہیرو اور قائد مانتے تھے' جب عقائد ظاہر کئے' تو بعض نے نفرت کا اظہار کیا اور بعض نے مکمل وفاداری کا مظاہرہ کیا' مگر اس طرح بھی اس کی قیادت سے کلیتہ برأت اور بیزاری ظاہر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ شیعہ کے دامن میں خیرات ہے' یہ سب اسی کا صدقہ اور فیضان ہے۔

یزید کے بارے میں راقم کے نظریات:

راقم نے ایک کتاب تصنیف کی' جس کا نام ہے "اسلام میں عورت کا مقام" اس کتاب کی تحریر کا کام (۴ مارچ ۱۹۹۶) کو ختم ہوا۔ اس وقت سے لے کر آج تک جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کے ناظم اعلی محترم ومکرم سید شہاب الدین صاحب مدظلہ العالی اس کتاب کو چھاپ رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل مضمون "عورت کے جہاد میں شرکت" کے متعلق ہے۔ اس میں ایک حدیث سے "ام حرام بنت ملحان کی جہاد میں شرکت" کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اسی حدیث سے بعض لوگ یزید کو مغفور و جنتی کہتے ہیں۔ راقم نے اس کی وضاحت کی اور اپنے نظریات بھی پیش کر دیئے ہیں۔ آج سے بہت پہلے جو میں نے تحریر کیا اسے پڑھے بغیر یا ضد کی وجہ سے کہ میں "محبّ صحابہ کرام" کیوں ہوں' مجھے "یزیدی" کہنے کی ناپاک اور ناکام کوششیں جاری ہیں۔ اللہ تعالی ان کو جزا عطاء فرمائے۔

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی جہاد میں شرکت:

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں' کہتی ہیں کہ نبی

کریم ﷺ ہمارے گھر آرام فرما تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے، یہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: میں نے ایک قوم کو دیکھا ہے جو کشتیوں پر سوار دریائی سفر کر رہے ہیں، جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر متمکن ہوتے ہیں۔ یہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ میرے لئے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کرے۔ آپ نے فرمایا "فانك منهم" بیشک تم ان میں شامل ہوگی۔ آپ کہتی ہیں نبی کریم ﷺ سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔ یہ کہتی ہیں، میں نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کے مسکرانے کی وجہ کیا ہے آپ نے پہلے کی طرح ہی جواب دیا۔

انہوں نے پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ میرے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کرے۔ آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں میں شامل ہو گی۔ اسکے بعد ان سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا وہ جہاد کے لئے دریائی سفر میں جاتے ہوئے انہیں بھی ساتھ لے گئے۔ جب واپس لوٹنے لگے تو ان کے پاس خچر لایا گیا تاکہ یہ اس پر سوار ہو جائیں لیکن یہ سوار ہوتے ہوئے نیچے گر گئیں، ان کی گردن ٹوٹ گئی اور ان کی وفات ہوگئی۔ (ابوداؤد باب فضل الغزو فی البحر)

فوائد:

ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی محرم عورتوں سے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو آنے والے واقعات پر اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ علم بھی دیا گیا کہ یہ جنگ دو مرتبہ ہوگی۔ آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ام حرام رضی اللہ عنہا پہلی جنگ میں شریک ہوں گی۔ آپ کو یہ علم بھی تھا کہ دوسری جنگ سے پہلے انکی وفات ہو جائے گی اس میں یہ شریک نہیں ہو سکیں گی۔ آپ کو یہ علم بھی تھا کہ میری امت بعد میں باقی رہے گی۔ آپ کو یہ علم بھی تھا کہ یہ دریائی سفر کر کے جہاد کریں گے۔ آپ کو یہ بھی پتہ تھا کہ یہ دشمن پر غالب آجائیں گے۔ ان فوائد کے ذکر کرنے

کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا:

"وقد وجد بحمد الله تعالی کل ذالك" ''بحمد اللہ یہ تمام غیبی خبریں آپ کے معجزات وقوع پذیر ہوئے۔''

تنبیہ:

اسی حدیث میں مسلم شریف میں حضرت ام حرام کے سوال پر کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں مسکرا رہے ہیں آپ نے فرمایا:"نـاس مـن امتـی عرضوا علی غزاۃ فی سبیل الله"میری امت کے لوگ اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مجھ پر پیش کئے گئے۔

مسلم شریف میں اور الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

"فرکبت ام حرام بنت ملحان البحر فی زمان معاویة فصرعت عن دابتها حین خرجت من البحر فهلکت"۔ ''ام حرام بنت ملحان دریائی سفر میں کشتی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سوار ہوئیں اور اپنی سواری سے اس وقت گریں جب دریا عبور کر چکیں تو ہلاک ہو گئیں۔''

ابوداؤد شریف میں'' فلما رجع '' کہ لوٹتے ہوئے آپ اپنی سواری سے گریں۔ ان دونوں احادیث کا مطلب ایک ہی ہے آپ جہاد سے واپس لوٹتے ہوئے جب دریا سے نکل چکیں تو اپنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے گر کر فوت ہو گئیں۔

مسلم شریف کی حدیث سے یزید کے مدح خواں خارجیوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی کی راہ میں اپنی امت کے لوگ غزوہ کرتے ہوئے دکھائے گئے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ اس جنگ میں شریک سب کے سب غازی فی سبیل اللہ تھے وہ بخشے ہوئے نیک لوگ ہیں۔ حدیث شریف میں دوسرے الفاظ کہ وہ جنگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اس میں یزید بھی شریک تھا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ یزید بھی نیک و مغفور ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی۔اس باطل قول کا سارا تانا بانا اس پر ہے کہ یزید قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک تھا اور وہ جنگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔

حدیث روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ قسطنطنیہ کی جنگ دو مرتبہ ہوئی اس لئے کہ پہلی مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ام حرام رضی اللہ عنہا کو کہا: تم ان لوگوں میں شامل ہوگی جو اس جہاد میں شریک ہوں گے۔دوسری مرتبہ عرض کرنے پر آپ نے فرمایا کہ تم پہلے لوگوں میں ہوگی۔

پہلی مرتبہ جنگ کب ہوئی:

"قال اکثر اهل السیرو الاخبار ان ذالك كان فی خلافة عثمان قوله فی زمان معاوية معناه فی زمان غزوة فی لافی ایام خلافته"۔

''سیرت وتاریخ لکھنے والے اکثر حضرات کا یہی قول ہے کہ یہ جنگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مراد آپ کی خلافت کا زمانہ نہیں بلکہ آپ کی قیادت میں ہونے والے غزوہ کا زمانہ مراد ہے۔''

"ام حرام هی زوجة عبادة بن صامت ماتت غازية مع زوجها بارض الروم و كان موتها فی خلافة عثمان"۔

(ازاسماء الرجال لصاحب المشکوۃ)

''ام حرام' عبادہ بن صامت کی زوجہ ہیں روم کی سرزمین میں اپنے خاوند کے ساتھ غزوہ میں شریک تھیں وہاں ہی انکی وفات ہوئی' اور انکی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔''

"سئل الكيا الهراسی الفقیه الشافعی عن یزید بن معاوية هل هومن الصحابة ام لا؟ وهل یجوز لعنه ام لا؟ فاجاب انه لم یکن من الصحابةلانه ولد فی ایام عثمان

''الکیا ہراسی فقیہ شافعی المسلک رحمۃ اللہ علیہ سے یزید بن معاویہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ صحابی تھا یا نہیں' اس پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟ توانہوں نے جواب دیا' وہ صحابی نہیں تھا

رضی الله عنه"۔
(حیوات الحیوان ج۲ص۱۹۵)

کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوا۔"

جب پہلی جنگ ہوئی اس وقت یزید ایک یا دو سال کا ہے کیونکہ یزید کی پیدائش ۲۵ یا ۲۶ھ کو ہوئی۔ اور ۲۷ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری فوج کے ذریعہ قبرص پر حملہ کیا ان کے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور انکی بیوی ام حرام بنت ملحان بھی تھیں یہ انصاری خاتون اپنی سواری سے گر کر اللہ کو پیاری ہوئیں' اس واقعہ سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا قبرص پر حملہ آور لشکر میں عبادہ کی بیوی بھی ہوگی۔ (تاریخ الخلفاء اردو ص۱۸۳)

ابن خلدون کے ایک قول کے مطابق پہلی جنگ ۳۲ھ میں ہوئی گویا اس وقت یزید چھ سال کا ہوگا۔ دوسری جنگ ۵۲ھ میں ہوئی۔

"وذكر ان يزيد معاوية غزا بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر وابن عباس وابن الزبير وابو ايوب الانصاری كانت وفات ابی ايوب الانصاری هنالك قريباً من سؤر القسطنطنية وقبره هناك تستقى به الروم اذا قحطوا وقال صاحب المرآة والاصح ان يزيد ابن معاوية غزا القسطنطنية فی سنة اثنين وخمسين"۔
(عمدۃ القاری ج۶ ص۶۴۹)

"بیان کیا گیا ہے بیشک یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں جہاد کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں پہنچ گیا' ان کے ساتھ اکابر صحابہ کرام کی جماعت بھی تھی جن میں ابن عمر ابن عباس' ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری بھی تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری کی وفات قسطنطنیہ شہر کی دیوار کے قریب ہی ہوئی اور وہاں ہی ان کی قبر ہے۔ جس کے وسیلہ سے اہل روم قحط سالی میں بارش کے لئے دعا کرتے ہیں۔ صاحب مرآۃ نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یزید ابن معاویہ نے یہ جنگ ۵۲ھ میں کی۔"

اب یہاں دو چیزیں زیر غور ہیں ایک یہ کہ یزید اس جنگ میں خوشی سے گیا یا جبراً بھیجا گیا اور دوسری یہ کہ یزید کب گمراہ ہوا۔ ان دو کو سمجھنے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ یزید کا

مقام کیا ہے؟

یزید جہاد میں کیسے شریک ہوا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بلادروم کی طرف لشکر کو جنگ میں بھیجا اور لشکر کا امیر سفیان بن عوف کو مقرر کیا:

"وامر ابنه یزید بالغزاة معهم فتثاقل واعتل فامسك عنه ابوه فاصاب الناس فی غزاتهم جوع ومرض شدید فانشا یزید:

مـالـی ابـالـی بـمـا لاقت جموعهم
بـالـفـرقـدونة من حـمـی ومـن حـوم
اذا اتـكـأت عـلـی لأنـمـا مـرتـفـعـا
بـد یـرمـران عـنـدی ام كـلـثـوم

"ام كلثوم امراة وهی ابنة عبد الله بن عامر فبلغ معاویة شعره فاقسم علیه لیلحقن بسفیان فی ارض الروم لیصیبه ما اصاب الناس"۔ (ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۹۷)

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی جہاد میں شریک ہونے کا حکم دیا، اسے یہ حکم بہت بھاری محسوس ہوا وہ حیلے بہانے تراشنے لگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس جنگ میں لوگ شدید مرض اور بھوک میں مبتلا ہو گئے۔" تو یزید نے خوشی سے یہ شعر پڑھے:

اشعار کا ترجمہ: مجھے کچھ پرواہ نہیں جو لشکر کو مقام فرقدونہ میں بخار اور مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے میں تو مقام دیرمران میں بلند و بالا مقامات پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا ہوں اور میرے پاس ام کلثوم موجود ہے۔ ام کلثوم عبداللہ بن عامر کی بیٹی اور یزید کی زوجہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے ان شعروں کا علم ہوا تو آپ نے قسم اٹھائی کہ یزید ضرور میدان جنگ میں جائے گا اور سفیان بن عوف کو مل جائے گا تا کہ بلادِ روم میں

جو دوسرے لشکر کو مصائب و آلام کا سامنا ہے وہ یزید کو بھی سامنا کرنا پڑے۔ اب اس واقعہ کے بعد اندازہ لگائیں کہ یزید کتنی خوشی سے جنگ میں شریک ہوا اور جنگ میں لشکر کو مصائب و آلام پہنچنے پر یہ کہنا غمزدہ ہوا جب اسے جبراً بھیجا گیا' اسے لشکر کی مصیبتوں کا کوئی غم نہیں ہوا تو یہ کس ثواب کا مستحق ہے؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جنگ ۵۲ھ اس وقت اگر یہ مغفرت کا مستحق ہوا بھی ہے تو اب اسکی تعریف نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کے مظالم ۶۰ھ میں ہوئے۔ بدبخت ہونے' گمراہ ہونے یا کسی کے مرتد ہونے کے بعد اسکے پہلے نیک اعمال کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ابلیس کو کافر تو کہا جائے گا لیکن عبادت گذار اور اللہ تعالی کے احکام کا فرمانبردار نہیں کہا جائے گا۔ حالانکہ کفر سے پہلے یہ عبادت گزار اور فرمانبردار تھا اسی طرح بلعم بن باعور کے مرتد ہونے سے پہلے کی عبادت اور ولایت اس کے لئے نفع مند نہیں بلکہ اب اسے مرتد ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح یزید بھی جب راہ راست سے بھٹک گیا تو اسکی پہلی عبادات جو قابل مغفرت تھیں ان کا لحاظ نہیں کیا جائیگا بلکہ اسکے مظالم اور ظاہری گناہوں کا لحاظ کیا جائے گا۔ یزید کی قسطنطنیہ میں شرکت کو بطور دلیل مہلب نے جب پیش کیا کہ وہ مغفرت کا مستحق ہے اور اسکی خلافت برحق ہے۔ تو اسکا رد ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے فرمایا:

"ولا یلزم من دخوله ذالك العموم من ان لا یخرج بدلیل خاص اذلا خلاف ان قوله علیه السلام مغفورلهم مشروط بکونه من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالك لم یدخل فی ذالك العموم اتفاقاًقاله ابن المنیر"۔

"یزید کے اس عمومی حکم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی خاص دلیل سے خارج نہیں ہوسکتا۔ بلاخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسطنطنیہ میں شرکاء کے لئے مغفرت کا ارشاد گرامی مشروط ہے کہ وہ اگر اہل مغفرت ہوا تو اسکی مغفرت ہو جائے گی یہاں تک کہ العیاذ باللہ اگر اس جہاد میں شریک ہو کر کوئی شخص

مرتد ہو جاتا تو بالاتفاق وہ اس عمومی حکم میں داخل نہیں ہوتا۔ ابن منیر کا یہی قول ہے۔"

(قسطلانی ج ۵ ص ۱۰۴)

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث سے واضح ہو گیا کہ یزید اگر اس وقت قابل مغفرت تھا تو پھر بھی بعد کے مظالم اور عبادات میں کوتاہیوں سے گمراہ اور فاسق و فاجر ہو گیا۔ نیز عمدۃ القاری میں بھی مہلب کے قول کو اسی دلیل سے رد کیا گیا ہے کہ یزید دلیل خاص سے عمومی حکم سے خارج ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ عمدۃ القاری میں اس قول کو بھی رد کیا گیا جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر صحابہ کرام یزید کی قیادت میں جہاد میں شریک تھے۔

"قلت الاظهر ان هؤلاء السادات من الصحابة كانوا مع سفيان هذا ولهم يكونوا مع يزيد بن معاوية لانه لم يكن اهلا بان يكونوا هؤلاء السادات فى خدمته"۔

(صاحب مراۃ نے کہ) "میں کہتا ہوں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ کرام اس سفیان بن عوف کی قیادت میں جنگ میں شریک تھے، یزید بن معاویہ کی زیر قیادت نہیں تھے، کیونکہ وہ اس کے قابل ہی نہیں تھا کہ ایسے اکابر صحابہ کرام کو اسکی قیادت میں جہاد میں بھیجا جاتا۔"

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۴۹)

یزید فاسق تھا:

"ولما حدث فى يزيد ما حدث من الفسق اختلف الصحابة فى شانه"۔

"فسق آ گیا تو صحابہ میں اسکی خلافت کے معاملات میں اختلاف ہوا۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۷)

بعض حضرات نے یزید کی بیعت کو توڑ دیا تھا:

"فمنهم من راى الخروج عليه ونقض البيعة من اجل ذالك ومنهم من اباه لمافيه من اثارة الفتنة و كثرة القتل مع

"بعض حضرات نے یزید کے فاسق ہو جانے کی وجہ سے اسکی مخالفت کرنے اور بیعت کو توڑ دینے کی رائے دی اور بعض نے

العجز عن الو فاء به "۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۷)

کہا کہ ہمارے پاس طاقت تو ہے نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کریں اسلئے کہ اسکی مخالفت پر فتنہ اٹھے گا اور کثیر لوگ قتل ہو جائیں گے اسلئے خاموشی اختیار کی جائے۔"

یزید کے مظالم کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی:

"لا یزال امر ھذہ الامة قائما بالقسط حتی یکون اول من یسلمه رجل ممن بنی امیة یقال له یزید"۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۱)

"میری اس امت کے معاملات عدل وانصاف پر قائم رہیں گے یہاں تک پہلا شخص جو اسے (عدل وانصاف) کو تباہ کرے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا' اسے یزید کہا جائے گا۔"

یزید کے مظالم:

"وقد اخطا یزید خطافاحشافی قوله لمسلم بن عقبة ان یبیح المدینة ثلثة ایام وھذا خطا کبیر فاحش مع ما انضم الی ذالك من قتل خلق من الصحابة وابنائھم وقد تقدم انه قتل الحسین واصحابه علی یدی عبید الله ابن زیاد وقد وقع ھذہ الایام الثلاثة من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة مالا یحد ولا یوصف مما لا یعلمه الا الله عزوجل"۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۲)

"یزید کی بہت بڑی خطا تھی کہ اس نے مسلم بن عقبہ کو کہا تھا کہ مدینہ طیبہ کو (مظالم قتل وغارت کے لئے) تین دنوں کے لئے مباح قرار دے دیا جائے۔ یہ اسکی بہت بڑی فحش غلطی تھی جس کی وجہ سے کثیر صحابہ کرام اور ان کی اولاد کو شہید کر دیا گیا۔ اس سے پہلے یہ عبید اللہ ابن زیاد کے ہاتھوں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرانے کا ظلم بھی کر چکا تھا۔ اس ظالم نے مدینہ طیبہ کو تین دنوں کے لئے جو مباح قرار دیا تھا، اس دوران مدینہ طیبہ میں کتنے

مظالم اور برائیوں کا ارتکاب ہوا ان کی حد اور صفت نہیں بیان کی جا سکتی اور انکی صحیح تعداد بھی اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ یعنی وہ مظالم بے حد اور ان گنت تھے۔

یزید کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی:

"عن ابی سعید الخدری یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول یکون خلف من بعد ستین اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا"۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۰)

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ۶۰ ھ کے بعد ایسے لوگ خلیفہ بن جائیں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے، خواہشات کی تابعداری کریں گے وہ عنقریب (جہنم کی وادی) غی میں ڈال دیئے جائیں گے"۔

"وفی هذا اشارة الی ان اول الاغیلمة کان فی سنة ستین یزید وهو کذالك فان یزید بن معاویة استخلف فیها وبقی الی سنة اربع ستین فمات"۔

(فتح الباری، ج ۱۳، ص ۷)

"اس میں اشارہ ہے کہ پہلے پہل ۶۰ ھ میں چھوکروں کی حکومت جو قائم ہوئی وہ یزید ہی تھا کیونکہ یزید میں وہی اوصاف تھے جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرما دیئے تھے۔ بیشک یزید بن معاویہ ۶۰ ھ میں خلیفہ بنا اور ۶۴ ھ تک رہا پھر مر گیا"۔

یزید کے ہاتھوں امت کی ہلاکت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"هلكة امتی علی یدی غلمة من قریش"۔

(بخاری، مشکوۃ کتاب الفتن)

"میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی"۔

خیال رہے لڑکوں سے مراد نابالغ بچے نہیں بلکہ بے عقل مراد ہیں۔

"علی یدی غلمة ای علی ایدی شبان

"آپ کے قول لڑکوں کے ہاتھوں سے مراد

الذین ماوصلوا الی مرتبه کمال العقل واحداث السن الذین لا مبالاۃ لھم باصحاب الوقار"۔ (مرقاۃ)

نوجوان جو کامل عقل کے درجے پر نہ پہنچے ہوں اور نو عمر ہوں جن کو اصحاب وقار کی عزت کی کوئی پرواہ نہ ہو۔"

خیال رہے کامل عقل چالیس سال پر ہوتی ہے۔ یزید کی عمر حاکم بننے کے وقت تینتیس سال تھی۔

"لعله ارید بھم الذین کانوا بعد الخلفاء الراشدین مثل یزید وعبد الملك بن مروان وغیرھما"۔ (مرقاۃ)

"ہوسکتا ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد کے لوگ مراد لئے گئے ہوں جیسے عبد الملک بن مروان اور یزید۔"

"عن ابی ھریرۃ رفعه اعوذ بالله من امارۃ الصبیان قالوا وما امارۃ الصبیان قال ان اطعتموھم ھلکتم ای فی دینکم وان عصیتموھم اھلکوکم ای فی دنیاکم بازھاق النفس اوباذھاب المال اوبھما"۔

(فتح الباری ۱۳ص ۷)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے "میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں لڑکوں کی حکومت سے"۔ صحابہ کرام نے پوچھا لڑکوں کی حکومت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو وہ تمہارے دین کو برباد کر دیں گے اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے یا مال برباد کر کے یا مال اور جان دونوں ہلاک کر کے تمہاری دنیا برباد کر دیں گے۔"

اسی مقام پر ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تحریر فرمایا:

"قلت وقد یطلق الصبی والغلیم بالتصغیر علی الضعیف العقل والتدبیر والدین ولو کان محتلما وھو المراد ھنا"۔

"میں کہتا ہوں کبھی صبی اور غلام کی تصغیر ذکر کر کے مراد "ضعیف العقل اور ضعیف التدبیر اور ضعیف الدین لیا جاتا ہے اگرچہ وہ بالغ بھی ہو یہاں بھی یہی مراد ہے۔"

اس سے واضح ہوا کہ یزید بے عقل بے تدبیر اور بے دین تھا یعنی پختہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے اور بے دین ہونے کی وجہ سے ظالم ہوا۔

حرف آخر:

یزید کے متعلق راقم کا مسلک وہی ہے، جو علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مہلب کے قول کورد کرتے ہوئے فرمایا:

"قلت وای منقبة کانت لیزید وحاله مشھور" "میں کہتا ہوں یزید نے کون سا کام قابل تعریف کیا ہے اس کا حال مشہور ومعروف ہے۔"

(عمدۃ القاری ج۶ ص۶۴۹)

حقیقت یہی ہے کہ یزید کی تعریف کرنے والے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے دونوں بد بخت ہیں۔

یزید پر لعنت کا حکم:

اگر چہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں بہت سختی کی ہے اور کہا ہے:

"لعنه الله علیه وعلی انصاره واعوانه" "یزید اور اسکے تمام مددگاروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔"

"قال السیوطی لعن الله قاتل الحسین وابن زیاد ومعه ویزید"۔ "علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ابن زیاد اور اسکا ساتھ دینے والے قاتلوں اور یزید پر۔"

(حاشیہ نبراس ص۵۵۴)

لیکن کچھ حضرات نے یزید پر شخصی لعنت سے اجتناب بھی کیا ہے۔

"وبھذا ظھر ان استدلالھم علی لعن یزید بالنصوص العامة غیر صحیح"۔ "صاحب نبراس نے اپنے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے

کہ یزید پر لعنت کرنے والے حضرات کے
عام نصوص سے استدلالات درست نہیں۔" (نبراس ص ۵۵۵، مطبوعہ موسسۃ الشرف لاہور)

قول فیصل:

سب سے بہتر ارشاد سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لعن یزید کے جواز کا فتوی دیتے ہیں۔ فرمایا: شیخ موبموسفتہ محبت بنو فاطمہ ہیں، پس ان کو ایذا پہنچانے والے کے حق میں پورے طور پر مجوز لعنت ہیں۔ لیکن بعض اہل علم نے اس میں تامل کیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں، ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے رد میں خوب فرمایا ہے کہ قتلِ ذریت طیبہ اور انکی اہانت بطور یقین اور امر مشہور ہے اور توبہ امر محتمل۔ پس احتمال وظن یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے دیگر محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ ہمارے مخلصوں میں سے ایک شخص کو دمشق کی سیر و سیاحت کا اتفاق ہوا ہے، اس نے بیان کیا ہے کہ سارے شہر کی آلودگیاں اور خاکروبہ یزید کی قبر کے پاس ڈالتے ہیں۔ وہ جگہ آبادی سے بہت دور ہے ہاں جواز اور لزوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنانا ضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے کہ بحکم عام فرمودہ حق تعالی "فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ" پر کفایت کی جائے بجائے لعن کرنے کے اللہ اللہ کرنا اولین وآخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔

(ملفوظات مہریہ ملفوظ ۱۶۴ ص ۱۲۴)

ضروری نوٹ:

پہلے ایک کتاب ''**حق چار یار**'' چھپی ہے۔ نفس مسئلہ سے تو مجھے اتفاق ہے' میری تصنیف ''نجوم الفرقان'' کے اس میں بہت حوالہ جات بھی ہیں۔ لیکن اس کتاب میں علماء ومشائخ کے خلاف جو زبان استعمال کی گئی' اس پر افسوس ہوا۔ مسائل کی تحقیق میں اختلاف سلفِ صالحین سے آرہا ہے۔ جب تک صریح کلمہ کفر کسی کی تحریر وتقریر میں نہ پایا جائے اس پر ایسی تنقید جسے عام معاشرہ میں ''گالی'' سمجھا جائے' وہ علماء کو زیب نہیں دیتا۔

''**مولوی فدا حسین**'' جو میرا شاگرد بھی ہے' اسے نصیحت کی گئی تھی کہ نفسِ مسئلہ آپ دلائل سے لکھیں لیکن کسی کو نشانہ نہ بنائیں لیکن اس نے ایک استاد کی بات کو وقعت نہ دی۔ اپنے ذہن وضمیر کے مطابق سب وشتم سے کام لیا۔

اس کو ''**جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی**'' سے تدریس سے فارغ کرنے کی صرف یہی وجہ تھی۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ مسئلہ سے اختلاف تھا۔ سب سے زیادہ افسوس یہ ہوا کہ اس نے میری تصنیف سے مسائل لے کر اپنی طرف سے زہر اگلا ہے۔

میں اپنے بریلوی مسلک یعنی اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان بریلوی کے مسلک کا ترجمان تو ضرور ہوں لیکن بڑی کوشش سے سنجیدگی کا لحاظ کرتا ہوں۔ مسائل میں مجھے بھی کسی سے اختلاف ہوسکتا ہے اور کسی کو مجھ سے بھی اختلاف ہوسکتا ہے مگر کسی کو گالی دینا میرا طریقہ کار نہیں۔

عبدالرزاق بھترالوی' حطاروی

محقق العصر شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی حطاروی کا علمی شاہکار

1	تفسیر نجوم الفرقان ج ۱	27	تکریم والدین مصطفیٰ
2	تفسیر نجوم الفرقان ج ۲	28	احکام مسجد
3	تفسیر نجوم الفرقان ج ۳	29	اذان کے ساتھ درود شریف مستحب ہے
4	تفسیر نجوم الفرقان ج ۴	30	میزان الصرف (اردو حاشیہ)
5	تفسیر نجوم الفرقان ج ۵	31	مراح الارواح (اردو حاشیہ)
6	تفسیر نجوم الفرقان ج ۶	32	نور الایضاح (عربی حاشیہ)
7	تفسیر نجوم الفرقان ج ۷	33	مختصر قدوری (عربی حاشیہ)
8	تفسیر نجوم الفرقان ج ۸	34	کنز الدقائق (عربی حاشیہ)
9	تفسیر نجوم الفرقان ج ۹	35	ہدایہ مع جواہر السنایہ (عربی حاشیہ) ج ۱
10	تفسیر نجوم الفرقان ج ۱۰ (زیر طبع)	36	ہدایہ مع جواہر السنایہ (عربی حاشیہ) ج ۲
11	تفسیر نجوم الفرقان ج ۱۱ (زیر طبع)	37	ہدایہ مع جواہر السنایہ ج ۳ (زیر طبع)
12	تذکرۃ الانبیاء	38	ہدایہ مع جواہر السنایہ ج ۴ (زیر طبع)
13	موت کا منظر مع احوال حشر ونشر	39	تلخیص المفتاح (عربی حاشیہ)
14	شمع ہدایت	40	سراجی فی المیراث (اردو حاشیہ)
15	تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان	41	خلاصہ توضیح وتلویح (اردو حاشیہ)
16	اسلام میں عورت کا مقام	42	خلاصہ حسامی (اردو حاشیہ)
17	نماز حبیب کبریا	43	خلاصہ شرح نخبۃ الفکر (اردو)
18	میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	44	خلاصہ مناظرہ رشیدیہ (اردو)
19	اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے	45	خلاصہ سراجی (اردو)
20	نماز کے بعد ذکر و دعا مستحب ہے	46	سبز امامہ کی برکتوں سے کذاب جل اٹھے

محقق العصر شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی حطاروی کا علمی شاہکار

21	ایصال ثواب امر مستحب ہے	47	شمائل ترمذی
22	اذان میں انگوٹھے چومنا	48	خلاصہ شرح معانی الآثار
23	عقیدہ حاضروناظر	49	خلاصہ شرح عقائد
24	تحفہ حفاظ	50	جواہرالتحقیق (زیرترتیب)
25	فضائل رمضان	51	انوارالتحقیق (زیرطبع)
26	شب برأت سے روکنے کی ناپاک جسارت	52	نجوم التحقیق
	دینی تعلیم (قاری محمد آصف قادری)		شرح المطالب (اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

فضائلِ صحابہ کرام واہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم پر تحقیقی کتاب

انوارالتحقیق

مصنف: محقق العصر شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ

عنقریب منظر عام پر آ رہی ہے۔

یارِ غار ومزار خلیفہ بلافصل بالتحقیق خسرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی

افضیلت پر لاجواب کتاب

جواھرالتحقیق

مصنف: محقق العصر شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ

عنقریب منظر عام پر آ رہی ہے۔

{فانتظروا انی معکم من المنتظرین}

خلاصہ سراجی

شیخ الحدیث علامہ قاضی

عبد الرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم نگریال راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

خلاصہ مناظرہ رشیدیہ

شیخ الحدیث علامہ قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم نگریال راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

خلاصہ حسامی

شیخ الحدیث علامہ قاضی

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم گکریال راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

دینی تعلیم

۳۵۰ سوال و جواب کا مجموعہ

از افادات

پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ

مرتب

انجنیئر حافظ قاری محمد آصف قادری

مکتبہ امام احمد رضا گری روڈ راولپنڈی